الرسائل المهمة فی مسائل المختلفة : ج١

یعنی حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری ثم راندیری رحمہ اللہ
کے تحقیقی اور مفید رسائل کا قابل مطالعہ مجموعہ

ترتیب، حواشی، عنوانات

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

اجمالی فہرست رسائل

۱	تذکرہ محدث راندیری......................	۱۵
۲	تحقیق المسائل من عمدة الوسائل....	۱۷
۳	کُحل العینین فی ترک رفع الیدین....	۱۳۱
۴	سعی المرغوبین علی ترک رفع الیدین	۱۹۱
۵	احادیث صاحب الثقلین فی ترک رفع الیدین	۲۰۳
۶	غنیة المہتدی فی قراء ة المقتدی.....	۲۲۵
۷	ترتیبُ المسائِل علٰی اقوی الدّلائل...	۲۸۹

فہرست رسالہ ''تذکرہ محدث راندیری''

ولادت....................................	۱۷
قاضی سید احمد اللہ صاحب....................................	۱۷
قاضی سید رحمت اللہ صاحب....................................	۱۸
تعلیم....................................	۱۹
تدریسی خدمات....................................	۱۹
عادات وخصائل....................................	۲۰
حلیہ ولباس....................................	۲۰
تصنیفات....................................	۲۰
اولاد....................................	۲۱
وفات....................................	۲۱
حضرت قاضی رحمت اللہ رحمہ اللہ کی مختلف کتابوں پر لکھیں گئیں تقریظات......	۲۲
''حقیقت السورت'' پر تقریظ....................................	۲۲
''حقیقت السورت'' پر دوسری تقریظ....................................	۲۵
عربی منظوم تقریظ....................................	۲۹
فارسی منظوم تقریظ....................................	۳۰
اردو منظوم تقریظ....................................	۳۱
التقریظ علی '' مسلم الثبوت فی نسخ القنوت''....................................	۳۲
التقریظ علی ''بستان العارفین''....................................	۳۳

''نعرۂ اسد الغالب'' پر تقریظ	۳۴
الکلام علی وفات شیخہ و مرشدہ	۳۷
حضرت کے چند فتاویٰ	۳۷
ٹیلغراف سے رویت ہلال کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟	۳۸
متولی مسجد کے بارے میں	۵۸
ناشزہ عورت کا نفقہ	۶۱
ناشزہ کسے کہتے ہیں؟ اور اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے یا نہیں؟	۶۲
لفظ ''اولاد'' میں نواسے شامل ہیں یا نہیں؟	۶۴
تصدیقات	۶۵
اصاب من اجاب	۶۶
قنوت نازلہ کے متعلق ایک اہم فتوی	۶۷
دعائے قنوت کا ترجمہ	۶۹
ائمۂ مساجد سے التماس	۷۰

فہرست رسالہ "تحقیق المسائل من عمدۃ الوسائل"

عرض مرتب وتعارف کتاب	۷۲
ایک ضروری وضاحت	۵
تقریظ از: جناب مولانا مولوی محمد امین الدین صاحب	۶
عرض مؤلف وغرض تالیف	۷۷
رسالہ کے فوائد وخصوصیات	۷۸
حدیث کی تعریف اوراس کے اقسام	۷۹
صحاح ستہ اوران کی احادیث کا حکم	۸۲
فائدہ جلیلہ: صحاح ستہ کے علاوہ کی حدیثیں قابل اعتماد نہیں' یہ دھوکا ہے	۸۴
کوئی حکم قرآن مجید یا حدیثِ نبوی میں ملے تو ہرگز قیاس نہ کیا جائے	۸۵
محدثین کسی حدیث کو ضعیف کہیں' تو کیا یہ حدیث بجمیع طرق ضعیف ہے؟	۸۶
ائمہ مجتہدین پر حدیث کے خلاف کرنے کا الزام لگانا دھوکا بازی ہے	۸۶
استنجاء کے وقت قبلہ کی جانب منہ یا پشت کرنا جائز نہیں	۸۶
مسواک وضو کی سنت ہے یا نماز کی؟	۸۹
گردن پر مسح کرنا حدیث سے ثابت ہے؟	۹۱
کیا صرف عمامہ پر مسح کرلینا کافی ہے؟	۹۳
سر کا مسح ایک مرتبہ ہے یا تین مرتبہ؟	۹۶
پاؤں پر بغیر موزہ پہنے مسح کرنا جائز ہے؟	۹۹
قے' نکسیر' پیپ اور خون ناقض وضو نہیں؟	۱۰۲

قہقہہ سے وضواور نماز دونوں ٹوٹ جاتے ہیں یا صرف نماز؟...............	۱۰۷
عورت کے چھونے سے وضوٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟..........................	۱۱۰
شرمگاہ چھونے سے وضونہیں ٹوٹتا..................................	۱۱۲
پیشاب کے بعد ڈھیلے سے استنجا کرنے کی بہت تاکید ہے.......................	۱۱۵
منی، پاک ہے یا ناپاک؟..	۱۱۸
ناپاک زمین خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہے............................	۱۲۳
دوسرے مسلک کی رعایت نہ کرنے والے کی اقتدا میں نماز کا حکم.............	۱۲۵
تیمّم میں دوضرب اور کہنیوں تک مسح کرنے کی دلیل........................	۱۲۶
غرض تالیف رسالہ یہ ہے کہ مخالفین مذہب حنفیہ پر طعن سے باز رہیں.........	۱۳۰

فہرست رسالہ ''کحل العینین فی ترک رفع الیدین''

عرض مرتب..........	۱۳۳
تعارف رسالہ..........	۱۳۳
پیش لفظ: از حضرت مؤلف رحمہ اللہ..........	۱۳۷
مقدمہ: ابتداءً نماز میں بہت سی باتیں جائز تھیں، بعد میں منسوخ ہوگئیں....	۱۳۸
عندالافتتاح رفع یدین پر اجماع ہے، اختلاف دوسرے مواقع پر ہے.........	۱۳۸
رفع یدین کے مسئلہ میں صحابہ کرام وخلفائے اربعہ کا عمل بھی دیکھنا چاہئے......	۱۳۹
روایت صحیحہ سے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا رفع یدین کرنا ثابت نہیں........	۱۴۰
امام بخاری بھی خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی نسبت کوئی روایت نہ لا سکے.......	۱۴۱
خلفاء ثلاثہ کے بارے میں بعض آثار جو مروی ہیں' ضعیف ہیں..........	۱۴۱
''ابوداؤد'' کی روایت: حضور ﷺ کی نماز میں رفع یدین ایک مرتبہ تھا.....	۱۴۲
آپ ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما رفع یدین نہیں کرتے تھے..........	۱۴۷
امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کا مکالمہ..........	۱۴۸
وائل کا رفع کا مشاہدہ ایک مرتبہ، تو ابن مسعود کا ترک کا پچاس مرتبہ..........	۱۵۱
ابراہیم کا غصہ کہ وائل نے رفع کو دیکھا اور ابن مسعود نے ترک کو نہیں دیکھا؟.	۱۵۱
تکبیر تحریمہ کے علاوہ آپ ﷺ کو رفع کرتے نہیں دیکھا..........	۱۵۳
حضرت عمر رضی اللہ عنہ رفع یدین نہیں کرتے تھے..........	۱۵۸
امام نخعی، سبیعی و پانچ سو صحابہ کو پانے والے شعبی وغیرہ رفع یدین نہیں کرتے تھے...	۱۵۹
حضرت علی رضی اللہ عنہ رفع نہیں کرتے تھے..........	۱۶۱

احادیث اور آثار رفع یدین کا جواب.........	۱۶۹
آپ ﷺ کا وصال تک رفع یدین کرنے کی روایت کا جواب.........	۱۶۹
وائل بن حجر متأخر الاسلام ہیں، اس لئے رفع یدین آپ کا آخری عمل تھا؟.....	۱۷۱
اکابر محدثین و تابعین ترک رفع کے قائل ہیں.........	۱۷۴
حدیث کے الفاظ میں ’’کان یرفع‘‘ ہے اور وہ استمرار پر دلالت کرتا ہے.......	۱۷۵
ضمیمہ ’’مالی ارٰکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس‘‘.........	۱۷۷
مذکورہ حدیث پر اشکال کہ یہ سلام کے وقت کے بارے میں ہے.........	۱۷۸
رفع یدین کی حدیث کا ابوحمید ساعدی کا دس صحابہ کے سامنے پیش کرنا........	۱۸۱
ترک رفع یدین پر امام طحاوی کی دلیل عقلی.........	۱۸۲
رفع یدین کے مدعی مثبت ہیں اور ترک کے نافی، اور مثبت مقدم ہے نافی پر، اس اشکال کا جواب.........	۱۸۴
رفع یدین و ترک رفع یدین دونوں میں کوئی بھی ملامت کے قابل نہیں........	۱۸۵
خاتمہ: رفع یدین پر مختصر تقریر، از مفتی سعید پالنپوری صاحب.........	۱۸۶
رسالہ ’’سعی المرغوبين علی ترک رفع اليدين‘‘.........	۱۹۱
حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری کی ترک رفع یدین کے بارے میں ایک نایاب تحریر.........	۱۹۲

فہرست رسالہ ’’احادیث صاحب الثقلین فی ترک رفع الیدین‘‘

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ’’فلم یرفع یدیه الا مرة‘‘	۲۰۴
براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث ’’رفع یدیه..... ثم لایعود‘‘	۲۰۵
آپ ﷺ پہلی تکبیر کے علاوہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے	۲۰۶
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ’’کان یرفع یدیه فی اول الصلوة ثم لایعود‘‘	۲۰۷
ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ’’کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوة ثم لا یعود‘‘	۲۰۷
ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت ’’ثم لم یرفعهما فی شئی حتی یفرغ‘‘	۲۰۸
سات جگہوں پر ہاتھ اٹھانا ہے، ان میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں...	۲۰۸
سجدہ سات اعضاء پر ہے اور رفع یدین کی چھ جگہیں	۲۰۹
تین روایات جن میں آپ ﷺ و صحابی نے نماز سکھائی اور رفع یدین نہیں کیا	۲۰۹
حضرات خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ترک رفع یدین کرنا..	۲۱۳
حضرات شیخین رضی اللہ عنہما بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے	۲۱۳
حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے	۲۱۴
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے	۲۱۵
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے	۲۱۵
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے	۲۱۶
حضرت عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے	۲۱۷
حضرت علی و حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے شاگرد بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے.	۲۱۷
اکابر فقہاء و حضرات تابعین کا رفع یدین نہ کرنا۔ ترک رفع یدین پر فقہاء کا اجماع..	۲۱۸
حدیث: ’’مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس‘‘ پر مفید کلام	۲۱۹

فہرست رسالہ ”غنیة المهتدی فی قراء ة المقتدی“

عرض مرتب وتعارف رسالہ...............................	۲۲۶
تقریظ: حضرت مولانا ملا ہاشم صاحب سورتی دام فیضہ	۲۲۷
تقریظ: حضرت مولانا محمد امین الدین صاحب مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی...............................	۲۲۸
تقریظ: حضرت مولانا عبدالاحد صاحب، استاذ دارالعلوم دیوبند...............................	۲۲۹
ترجمہ نام رسالہ...............................	۲۲۹
فاتحہ خلف الامام کا کیا حکم ہے؟...............................	۲۳۰
فاتحہ خلف الامام کے بارے میں صحابہ کے تین مذاہب...............................	۲۳۰
تینوں مذاہب کے دلائل...............................	۲۳۳
پہلا مذہب: نماز میں مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھے خواہ وہ نماز جہری ہو یا سری.....	۲۳۳
سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو، کیونکہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں.......	۲۳۵
لا یقرأ احد منکم شیئا من القران إذا جهرت بالقرأة إلا بأم القراٰن.......	۲۳۵
جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں...............................	۲۴۰
جس نے سورہ فاتحہ کے بغیر نماز پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے...............................	۲۴۱
یہ حدیث امام اور منفرد کے لئے ہے...............................	۲۴۲
احناف کے دلائل...............................	۲۵۰
﴿اذا قرئ القراٰن فاستمعوا له وانصتوا﴾...............................	۲۵۰
کیا یہ آیت خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟...............................	۲۵۱
کیا آیت سے مراد بات کرنے یا زور سے قرأت کی نفی ہے؟...............................	۲۵۳

کیا آیت سے مراد فاتحہ کے علاوہ کا پڑھنا ہے؟....................	۲۵۶
کیا آیت سے صرف جہری نماز میں قرأت کا ممنوع ہونا ثابت ہوتا ہے؟.....	۲۵۶
کیا یہ آیت ﴿ فاقرؤا ما تیسر من القراٰن ﴾ سے معارض ہے؟..............	۲۵۷
کیا امام کے سکتہ میں مقتدی کا پڑھنا آیت کے مخالف نہیں؟...............	۲۵۷
امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ تم لوگ اس کی اقتدا کرو......................	۲۵۸
یہ فقرہ ''واذا قرأ فانصتوا'' حدیث مذکور کا وہم ہے؟....................	۲۶۰
مجھ سے کیوں تنازع کیا جاتا ہے قرآن میں؟...........................	۲۶۵
اعتراض کہ یہ حدیث مرفوع نہیں......................................	۲۶۶
یہ اعتراض کہ: آہستہ سے قرأت میں تنازع نہیں ہوگا.......................	۲۶۶
امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے....................................	۲۶۹
من صلی خلف الإمام فإن قرأة الإمام له قرأة............................	۲۷۱
إذا صلی أحدکم مع الإمام فحسبه قرأة الإمام...........................	۲۷۲
من صلی رکعة لم یقرأ فیها بأم القرآن فلم یصل إلا وراء الإمام.........	۲۷۴
من کان له إمام فقرأة الإمام له قرأة....................................	۲۷۴
لا قرأة مع الإمام فی شیء..	۲۷۵
لا یقرأ خلف الإمام..	۲۷۵
انصت، فإن فی الصلوۃ شغلا سیکفیک ذاک الإمام.........................	۲۷۶
ابن مسعود کان لا یقرأ خلف الإمام.....................................	۲۷۶
لا یقرأ خلف الإمام فی شیء من الصلوات................................	۲۷۷

ما أری الإمام إذا أم القوم الا قد کفاهم........................	۲۷۷
امام کے پیچھے قرأت نہ پڑھنے پر اکثر صحابہ کا اجماع ہے....................	۲۷۸
ادلۂ حنفیہ پر چند اعتراضات اوران کے جوابات........................	۲۷۸
" قرأة الامام قرأة له " لجمیع طرق ضعیف........................	۲۷۹
یہ حدیث محمول ہے ترک جہر بالقراءۃ خلف الامام پر اور محمول..................	۲۷۹
یہ حدیث معارض ہے..	۲۸۰
امام بخاری رحمہ اللہ کے چند اشکالات اوران کے جوابات........................	۲۸۰

فہرست رسالہ ''ترتیبُ المسائِل علٰی اقوی الدّلائل''

عرض مرتب...........................	۲۹۱
تعارف کتاب...........................	۲۹۲
تقریظ: جناب مولانا مولوی محمد امین الدین صاحب...........................	۲۹۶
تقلید مذہب معین کس کے لئے واجب ہے اور کس کے لئے مستحسن...........	۲۹۷
تقلید ائمہ مجتہدین، درحقیقت اطاعت خدا اور رسول میں داخل ہے...........	۲۹۷
کیا تقلید شرک ہے؟...........................	۲۹۹
امام ابوحنیفہ کا مأخذ اول کتاب اللہ پھر سنت پھر قضایائے صحابہ ہیں..........	۳۰۱
حدیث کے مقابلہ میں میرا قول ترک کرو، حدیث ضعیف بھی قیاس پر مقدم..	۳۰۲
غیر مجتہد کے لئے تقلید واجب، اور صحابہ بھی بعض، بعض کا اقتدا کرتے تھے....	۳۰۳
امام صاحب پر بعض لوگ جرح کرتے ہیں تو یہ جرح مقبول ہے یا مردود؟....	۳۰۵
جرح دو ہے: ایک مبہم، دوسری جرح مفسر...........................	۳۰۸
امام صاحب پر اعتراض کہ قیاس کو مقدم کرتے ہیں...........................	۳۱۰
یہ اعتراض کہ امام صاحب قیاس زیادہ کرتے ہیں...........................	۳۱۱
ایک طعن کہ امام صاحب قلیل الروایۃ ہیں...........................	۳۱۱
ایک طعن یہ ہے کہ امام صاحب کثیر التعبد تھے...........................	۳۱۲
ایک طعن یہ ہے کہ امام صاحب پر بڑے بڑے محدثین نے طعن کیا ہے.....	۳۱۲
معاصرین ومتأخرین کی جرح...........................	۳۱۳
بعض، جرح میں بہت متشدد ہیں...........................	۳۱۴
ایک جرح امام صاحب پر یہ کہ ان کے اکثر شاگرد وضاع اور مجروح ہیں.....	۳۱۵

ایک جرح یہ ہے کہ امام صاحب اکثر ضعفاء سے روایت کرتے ہیں..........	۳۱۵
سجدے میں جاتے وقت گھٹنے پھر ہاتھ زمین پر رکھنا پھر سر رکھنا..........	۳۱۷
عدم جلسۂ استراحت کی کیا دلیل ہے؟..........	۳۲۴
قعدہ میں داہنے پیر کو کھڑا رکھے اور بائیں کو بچھا کر اس پر بیٹھے..........	۳۳۱
تشہد ابن مسعودؓ کو اختیار کرنے کی وجوہات..........	۳۳۶
کیا امام صاحب کے نزدیک تشہد میں اشارہ کرنا مکروہ و بدعت ہے؟..........	۳۴۴
سجدۂ سہو سلام کے بعد ہے یا سلام سے پہلے؟..........	۳۴۸
وتر کے وجوب کی دلیل..........	۳۵۵
وتر کی تین رکعتیں ایک سلام سے ہیں، اس کی دلیل..........	۳۵۹
وتر میں رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھنا اور قنوت سے پہلے رفع یدین کرنا.....	۳۶۴
ایک رکعت ملنے کی امید ہو تو فجر کی سنت علیحدہ جگہ کھڑے ہو کر پڑھنا..........	۳۶۷
عیدین کے خطبے دو ہیں یا ایک؟..........	۳۷۴
جمع بین الصلوتین..........	۳۷۷
سورج گہن کی نماز میں قرائت جہری ہے یا سری؟ اور رکوع ایک ہے یا زیادہ؟	۳۸۲
غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے؟..........	۳۸۹
دفن کے بعد قبر پر تلقین کی حیثیت..........	۳۹۳
جو زیور سونے، چاندی کا استعمال کے لئے ہے، اس میں زکوۃ فرض ہے؟.......	۳۹۶
قربانی کے تین دن ہیں یا چار؟..........	۳۹۹
غرض تحریر رسالہ..........	۴۰۳
نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا..........	۴۰۴

تذکرہ محدث راندیری

اس مختصر رسالہ میں حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری
محدث راندیری رحمہ اللہ کے مختصر حالات' ان کے چند فتاوی اور مختلف
کتابوں پر لکھی گئیں تقریظیں وغیرہ جمع کی گئی ہیں

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

تذکرہ محدث راندیری

اس مختصر رسالہ میں حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری محدث راندیری رحمہ اللہ کے مختصر حالات، ان کے چند فتاوی اور مختلف کتابوں پر لکھی گئیں تقریظیں وغیرہ جمع کی گئی ہیں۔

مرغوب احمد لاجپوری

ولادت:......

وفات:......۹/جمادی الاولی ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۴ء

....

نوٹ:......حضرت رحمہ اللہ کے یہ حالات ماہنامہ اذان بلال آگرہ رمضان وشوال ۱۴۱۴ھ مطابق فروری ومارچ ۱۹۹۴ء میں اور گجراتی ترجمہ جو رفیق محترم مولانا عبدالحئی سیدات صاحب نے کیا تھا وہ ''امید'' گجراتی ۲/ربیع الاول ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹/جولائی ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئے تھے۔

رحمت اللہ قاضی صاحب عالم دین مبین
ماہر فن اور مدرس اور محدث بالیقین

حاویٔ معقول ومنقول، جامع فروع واصول، ادیب لبیب، گجرات کے مایۂ ناز محدث حضرت مولانا سید قاضی رحمت اللہ صاحب بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ پچاس سال دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں شیخ الحدیث کے منصب عالیہ پر فائز رہے۔

ولادت

آپ کی ولادت شہر سورت میں ہوئی۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہوسکی۔ آپ علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد سید احمد اللہ صاحب اور آپ کے جد امجد قاضی رحمت اللہ صاحب گجرات کے زبردست علماء میں تھے۔

قاضی سید احمد اللہ صاحب رحمہ اللہ

آپ کا شمار مشہور فضلاء عصر میں تھا۔ ۱۲۳۵ھ میں ولادت ہوئی۔ فارسی وعربی کی تعلیم اپنے والد بزرگوار اور شیخ پیر محمد صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ تاریخ گوئی اور فارسی اشعار میں ید طولی رکھتے تھے۔ ایک قصیدہ بلا نقط کے نبی کریم ﷺ کی شان میں لکھا پھر اس کی عمدہ شرح فرمائی۔ صاحب حقیقۃ السورۃ لکھتے ہیں:

’’یک قصیدہ در شان رسول اکرم ﷺ گفتہ و نیز شرح آں بوجہ احسن نوشتہ بودند معلوم نیست کہ کجا است‘‘۔ (حقیقۃ السورۃ ص ۹۴)

کچھ عرصہ ضلع سورت کے قاضی القضاۃ کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ ۲۹/ جمادی الاولی ۱۳۰۹ھ میں رحلت فرمائی۔ بلیشور میں مدفون ہیں۔

(نزہۃ الخواطر ص ۴۷ ج ۷/ و حقیقۃ السورۃ ص ۹۵)

قاضی سید احمد اللہ سید عالی نسب حافظ و پرہیز گار منشی معجز رقم
ناگہاں رنجور گشت ودارفانی راگذاشت عالمی زین حادثہ شد مایہ رنج وغم
صبح جمعہ از جمادی الاولین بست ونہم جادہ پیمای ارم روید زین دار الالم
فکر تاریخ و وفاتش بود ہاتف زدندا حافظ مرحوم وہادی سال ہجری کن رقم

۱۳۰۹

قاضی سید رحمت اللہ صاحب رحمہ اللہ

مولانا رحمت اللہ صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے دادا قاضی سید رحمت اللہ صاحب رحمہ اللہ بھی عالم باعمل اور ممتاز قراء میں تھے۔قراءۃ سبعہ میں ملکۂ تامہ حاصل تھا۔خوش الحانی میں بے مثال تھے۔حکیم عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

”کان یقرأ القرآن علی سبع قراء ات ولم یکن فی بلادہ مثلہ فی القراءۃ“

فقہ اور اصول عربیہ سے بھی کامل مناسبت تھی۔سورت میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

دومرتبہ حج بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔دوسری مرتبہ حج سے واپسی پر جہاز طوفان آب میں غرق ہوجانے کے سبب شہادت کی موت پائی، یہ واقعہ ۱۲۶۴ھ میں پیش آیا۔ ؎

قاری سبع قرأت خوش لحن بود سید رحمت اللہ نام شان
ناگہاں ازصدست طوفان آب غرق شد گشتہ آں جہاز واہل آن
کشتی عمر پاک جناب نیز شد غریق بحر رحمت نا گہان

(نزہۃ الخواطر ص ۱۷۷ ج ۷/وحقیقۃ السورۃ ص ۹۴)

تعلیم

آپ کی ابتدائی تعلیم واساتذہ کا حال معلوم نہ ہوسکا۔صاحب نزہۃ الخواطر کے بیان کے مطابق آپ نے تحصیل علوم کے لئے مختلف علاقوں کا سفر فرمایا اور وقت کے علماء کبار سے اکتساب فیض کیا۔علم حدیث کا شوق دامنگیر ہوا تو بھوپال تشریف لے گئے اور قاضی محمد بن عبدالعزیز صاحب اور مولانا شیخ حسین بن محسن الیمانی (جن کا تبحر علم حدیث،علو اسناد اور فاضلانہ درس علماء وطلباء کے لئے جاذب توجہ بن رہا تھا) سے بڑے انہماک سے حدیث پاک کی تعلیم حاصل کی۔

تدریسی وانتظامی خدمات

تحصیل علم سے فراغت کے بعد گجرات کی قدیم دینی درسگاہ دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں تدریسی دور کا آغاز ہوا۔آپ پوری محنت اور جانفشانی سے مفوضہ خدمت انجام دیتے۔اول تو اپنی خداداد ذہانت و ذکاوت،نیز ’’آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند‘‘ کے مصداق اساتذۂ باکمال کے فیض صحبت اور کامل سعی کا نتیجہ تھا کہ اقران واعیان میں امتیازی مقام اور تبحر علمی و جامعیت کی وہ شان حاصل کر لی جو کم ہی کسی کو نصیب ہوئی ہو، بہت جلد صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب پر مامور ہوئے اور تقریباً نصف صدی تک سرزمین راندیر سے اہل گجرات کو علمی فیضان سے منور رکھا۔

منتظمین مدرسہ کو آپ کے خلوص واستقلال و معاملہ فہمی پر کامل اعتماد تھا اس لئے ارباب نظر نے مدرسہ کا انتظام بھی آپ کے سپرد کردیا تو کچھ مدت مہتمم بھی رہے۔

آپ انجمن اسلام راندیر کے بانیوں میں سے تھے اور گیارہ سال اس انجمن کے انتظام وانصرام کو بحسن وخوبی سنبھالا۔

عادات وخصائل......حلیہ ولباس

مولانا رحمہ اللہ علم وعمل، تقوی وطہارت میں علماء سلف کی یادگار تھے۔آپ ایک بلند پایہ محدث تو تھے ہی، تفسیر وفقہ میں بھی کمال رکھتے تھے۔صلوۃ لیل کے پابند تھے۔مزاج میں قدرے سختی تھی۔طلبہ کی نامناسب حرکات پر خوب نظر رکھتے اور بغرض اصلاح سزا بھی دیتے۔حضرت مولانا احمد اشرف صاحب راندیری رحمہ اللہ (م۱۴۰۹ھ ۱۹۸۹ء) فرماتے تھے کہ: مجھے ایک مرتبہ کسی جرم پر صبح گیارہ بجے سے ایک بجے تک انگوٹھے پکڑوائے۔

چہرہ مہرہ گندمی رنگ کا مٹیالہ پن لئے ہوئے، قد میانہ، جسم ذی جسامت، گھنی داڑھی، لباس نہایت صاف ستھرا اور سفید، کرتہ پر صدری اور شیروانی پہننے کا معمول تھا، سر پر چھوٹا سا عمامہ۔

تصنیفات:......درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا ذوق بھی تھا۔کئی مفید تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں، جن کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱):......کحل العینین فی ترک رفع الیدین۔

(۲):......سبع سنابل فی تصریح المسائل۔

(۳):......غنیة المهتدی فی قراء ة المقتدی۔

(۴):......ترتیب المسائل فی اقوی الدلائل۔

(۵):......تلک عشرة کاملة۔

(۶):......تحقیق المسائل عن عمدة الوسائل۔

(۷):......نور العینین۔

(۸):......هدایة البرایا فی احکام الضحایا۔

(۹):......العطر العنبری فی حکم اجابة الاذان المنبری۔

(۱۰):...... کحل البصر فی ذکر وقت العصر۔

(۱۱):......ازالة الوهام عن مسائل الاحکام۔

اولاد

حضرت قاضی صاحب کے چار صاحبزادے تھے:

(۱):......مولوی عبدالحق صاحب۔ (۲):......مولوی عبدالخالق صاحب۔

(۳):...... جناب عبداللطیف صاحب۔ (۴):......جناب عبدالرحمٰن صاحب۔

وفات

علم وفضل کا یہ آفتاب ۹ / جمادی الاولی ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۴ء کو غروب ہوگیا، راندیر میں مدفون ہوئے۔ ؎

ابر رحمت ان کے مرقد پر گوہر افشانی کرے حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

حضرت مولانا سید عبدالکریم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ (والد ماجد صاحب فتاوی رحیمیہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ) نے مرحوم کی وفات پر ایک قطعہ لکھا جس سے قاضی صاحب کا سن وفات بھی نکلتا ہے، وہ یہ ہے: ؎

چھپ گیا ماہ علم زیر زمیں گل ہوا آہ آہ چراغ دیں
۱۳ ۴۲

نوٹ:......حضرت رحمہ اللہ کے یہ مختصر حالات ''نزہۃ الخواطر'' ص ۱۴۵ ج ۸/اور ''حقیقۃ السورۃ'' اور حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم کے مکتوب سے ماخوذ ہیں۔

حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ لاجپوری ثم راندیری رحمہ اللہ کی مختلف کتابوں پر لکھی گئیں تقاریظ

(۱)''حقیت السورت'' پر (بے نقط عربی) تقریظ

اكلم مع اسم الله ارحم الرحماء

الحمد لله الاحد الصمد على ما علم آدم الاسماء كلها ، و كرم اولاد آدم لحصول العلم مع اصولها ، وعلم اولاد آدم كل العلوم ، و صرح لهم احوال الامصار واهلها مع علم الاصول ، على ما سواهم و سلسل العلوم مع الاصرار والحصول ، لكل الماهر المحصل المحرر المعمول ، وصلى الله على رسوله المكلم مع الله على طور السماء ، كما كلم الله مع موسى عليه السلام على الطور المعلا ، مع العكس اللامع لمالک السماء ، اسمه المكرم موصول مع اسم الله على اللوح المطهر ، كما ورد لما رأى آدم اسمه مع اسم الله المعطر ، كلم لا اله الا الله محمد رسول الله و كرر مرارا كلامه المكرر ، وعلى آله و اولاده امدا ، و على كل الامام الموصل الى الهدى ، ودار السلام مع المرام سرمدا۔

اما وراء الحمد والسلام امهد كلام الدرر المحرر علم الحوال والاعوام مصرحا لسمط كلامه الممر على مرور الدهور مع الاعلام وحرر سطور كلم اللؤلؤ اللوامع ما ادركه المدرک وما احسه ماهر للعلوم وما لمس والله لو ادركه مدرک لصرح هو محرر مع المداد الممسک والمعطر على اللوح المسوّط مع ماء الورد المطهر ولو لمحه لامح لكل لمحه ولو طالع مطالع لسر سرور الملک ولو سلک سالک مسلكه لصار حرصه وادراكه علو على الملک۔

ولله در المحرر اولى العلم الكامل ماطال الدهر لاصرار السطور مع الدلائل والوسائل كل ما سلك احد مسلكه سواه ، والله هو عالم لكل المحاصل والمراسم و محصل لكل اطوار المعالم و المكارم و مؤسس لاساس اصول الحكم ومدلل لدلائل العلوم مع الحكم ، كلامه احرى للدرس المهم واحلى كالسكر والعسل لحصول موارد الكرم ، (وهو الشيخ البهادر المؤرخ لباب مكة المحمية البلدة المباركة السورت اعلى الله عليها) على كل العمود محلحلا و ادرأ حسد كل حاسد مع الحسود مسلسلا وارحم الله على كل اهلها المطاوع للاسلام امدا وادام الله على اهلها الحاكم المسلط مع العدل والوسط والاكرام سرمدا الى ممر الدهور والاعصار على كل الصحراء والامصار۔

ترجمہ:...... میں بیان کرر ہا ہوں اس اللہ تعالی کے نام سے جو رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا مہربان ہے۔

تمام تعریفیں ایک بے نیاز اللہ ہی کے لئے ہیں، جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھائے، لکھائے اور اولاد آدم (علیہ السلام) کو تحصیل علم کی توفیق کی نعمت کے ذریعہ سے عزت بخشی اور ان کے لئے شہروں اور ان کے باشندوں کے احوال کو کھول دیا۔

اور اللہ تعالی رحمتیں اور سلامتی نازل فرمائے آپ کے رسول ﷺ پر جن کا نام اللہ تعالی کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے آسمانوں کی بلندیوں پر جیسا کہ انسانوں کے مالک اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام کے ساتھ طور معلّٰی پر خطاب فرمایا تھا، وہ جن کا اسم شریف اللہ تعالی کے بابرکت نام کے ساتھ لوح محفوظ میں ملا ہوا ہے جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ کا اسم شریف اللہ تعالی کے نام مبارک کے ساتھ ملا ہوا دیکھا تو فوراً ''لا اله الا الله محمد رسول الله'' پکار اٹھے اور کئی بار اس کلمہ کو پڑھا۔

اور رحمتیں اور سلامتی ہو آپ کی پاکیزہ آل پر اور آپ کے محبت کا دم بھرنے والوں پر۔
اور ہدایت اور سلامتی کے گھر تک پہنچنے والے سردار امام پر ہمیشہ سلامتی نازل ہو۔

بہر حال حمد وصلوۃ کے بعد تحریر شدہ علم الاحوال والاعوام کے موتیوں کے کلام کی لڑی کو پرونا شروع کرتا ہوں۔ آپ نے درخشندہ موتیوں کے مانند کلمات کو تحریر فرمایا ہے کہ اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتا اور نہ کوئی ماہر علم اس تک پہنچ سکتا ہے۔ قسم بخدا! اگر کوئی اس کتاب کا حقیقی ادراک لے تو وہ ضرور اس بات کا قائل ہوگا کہ وہ ایک زبردست صاحب علم تھے اور عطر فشانی کرنے والے اور عرق گلاب چھڑکنے والے تھے۔ اگر کوئی کتب بینی کا شوقین اس کتاب کو گہرائی اور دلچسپی سے پڑھے تو بادشاہوں کی خوشی پائے۔ اگر کوئی آپ کے طرز کو اختیار کرنے کی کوشش کرے تو آپ کی حرص کرنے لگے اور اس کو بادشاہوں سے بھی برتری مل جائے۔

اور اللہ تعالی کے لئے خوبیاں ہیں کہ کتاب کے لکھنے والے بڑے صاحب علم اور کامل زمانہ تھے، آپ کے مانند دلائل کے ساتھ کلام پیش کرنے سے سارے عاجز، آپ کے مانند آپ کا طریقہ کوئی اختیار نہ کرسکا۔ قسم خدا کی آپ علم وفن کے عالم تھے اور حکمتوں کی اصل بنیاد رکھنے والے تھے، حلم کے ساتھ علم کے دلائل پیش کرنے والے تھے، آپ کا کلام اہم درس کے زیادہ لائق تھا اور شہد اور ہر طرح کی مٹھاس سے بھی زیادہ شیرین تھا۔ اور وہ ذات بابرکت شیخ بہادر، جو باب مکہ یعنی ''سورت'' کی تاریخ لکھنے والے کی ہے۔

اللہ تعالی آپ کے علم کو بلندی عطا فرمائے اور حاسدین کے حسد سے ہمیشہ محفوظ فرمائے اور اس کے باشندوں پر رحم فرمائے جو کہ ہمیشہ کے لئے حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور اللہ نے اس شہر پر حاکم عادل کو عدل وانصاف کے ساتھ دائمی سلطنت عطا کی۔

(۲) ''حقیقت السورت'' پر دوسری تقریظ

بسم الله والرحمن فزنا قديما والرحيم به قهرنا
و هل تغنى جلادة ذى حافظ اذا يوما لمعركة نزلنا

بسملة باب الوجود حمد من اسمه الاقدس فاتحة كل كتاب وفهرسة نسخة الشهود ثناء من باكورة حمده فى رياض الخير مطلع كل باب و نسائم التصلية والتسليم سارية الى حمى النبى الكريم وازهار التحية باسمه على عريش الاصحاب والآل ما برق ذكاء ولمع ال ب

فؤادى داع واللسان مترجم و يا رب يا رحمن فضلك اكرم
وانى لمضطر و ضيعى عاقنى وهل غير رب العبد للعبد يرحم

اما بعد ! هذا الكتاب الموسم بحقيقة السورة باسم التاريخى المشتمل على تحقيق السورة و اكنافها فى بيان احوال اهل العلوم الذى جمعه كريم الخصائل جزيل الشمائل اضاض الثواكل ملاذ الارامل مخرج الدرر من بحر لجى و موقد سراج الرشاد فى الليل الدجوجى عالم فى التواريخ المتدوالة بحذافيرها عارف القوانين المتدارسة بنقيرها و قطميرها صدر ايوان الفضائل العليا متكئى سرير الفواصل الحسنى رفيع القدر عظيم الشان جامع الكمالات الممكنة لنوع الانسان حضرتنا نائب الصوبة عالى الجاه الشيخ البهادر بن شيخ احمد المرحوم السورتى ما برح الاقبال ركائب الرغائب اليه يرجى ما كان الكذب يهلك والصدق ينجى وان امعنت النظر فيه الى تحقيق المطالب وتدقيقه الوسائل وتاليفه الفواضل وتهذيبه الرسائل مع زحام من الهياط والمياط ولف للقماط على الرباط والمناط فى ضيق من الوقت من كثرة المشاغل وضبط لمصالح الامور و فصل المعامل

لادرکت انه یولج الجمل فی سم الخیاط ویبدل القبض بالانبساط الترح بالنشاط وبالجملة فقد جاء فی هذا الزمان الاخیر والدهر الفقیر جامع للفضائل التی قلما تجتمع فی رجل من الانسان حاوی للفواضل التی قصر دون تبیانه لسان الترجمان وهذه ذرة من میدان مناقبه العلیة و قطرة من مجد بحار مکارمه الجلیلة ، اللهم احفظه من نوائب الدنیا وطوائحها واجعل عواقب اموره احسن من فواتحها و کتابه هذا قد هوی من الفوائد النفیسة والعوائد الجدیدة مالم تجمعه کتب المعاصرین من المؤرخین کابرا عن کابر حرره تحریرا بالغا فمن حفظه صار فی الاقران نابغا ، وهو بعبارة سهلة المساق اشهی من قطائف النعیم واشارة عذبة المذاق ، اهنی وامری من میاه التسنیم ' وبیان واضح اطیب من ازج النسیم ' استعارة طیبة اطرب من وجه وسیم ، مع ما اشتمل علیها کتاب من ایضاحات مستملحة وتلویحات موشحة و تحریر مهذب و تقریر مستعذب ، قلما اشتمل علیها کتاب واحتوی علیها خطاب ، فهو کتاب وایّ کتاب و عباب من العلم الوافر ' وایّ عباب صحیفة غراء لم ینسج بعد علی منوالها و نسخة کالغید العذراء ' لم تسمح طبعه بمثالها بل ما روی الراوون نحوها ولا رأیٰ الراء ون ضوئها فیها ما لم تطلع علیه اذهان عالیة ولم تعها اذن واعیة ، کانها حور مقصورات فی الخیام ' لم یطمثها قبل ذلک انس ولا جان ، اذ رایتها حسبتها لؤلؤا منثورا أو حوجمة سقیت من کأس کان مزاجها کافورا ترتیبه الانیق یزری بعقد الدرر ' و تالیفه الرشیق یفصح حدیقة الزهر ، فاق فی الصفا علی الرحیق ' واربی فی القنو علی العقیق ، وهذا تاریخ تالیفه من شعراء البلد ' ینبئ عن حاله الی الابد ، اقام الله لهم کل اود واطال لهم الامد۔

ترجمہ:......شروع کرتا ہوں بڑے مہربان اللہ تعالیٰ ہی نام سے' جس نے ہمیں پہلے بھی

کامیابیوں سے ہمکنار کیا اور اس نہایت رحم کرنے والی ذات کے نام سے جس نے بعد میں غلبہ عطا کیا۔

کیا حفاظت کرنے والی ذات کی طرف سے عطا کئے جانے والے صبر واستقلال سے بے نیازی ہوسکتی ہے اور اگر ایسا ہوتو گویا اس دن ہم نے اعلان جنگ کردیا۔

بسم اللہ کسی بھی شئی کے وجود کا دروازہ ہے اور اس کا مقدس ترین نام ہر کتاب کا افتتاح ہے، ہر خیر کے کام میں ہر باب کا مطلع ہے۔ اور ہمارے درود وسلام کے علم آپ ﷺ پر ہیں۔ اور اللہ تعالی کی سلامتی کے پھول آپ کے صحابہ اور آل پر بکھریں۔

میرا دل پکار رہا ہے اور زبان میری ترجمان ہے۔ اے میرے پروردگار! اے رحمٰن! تیرا فضل سب سے زیادہ معزز ہے۔ اے اللہ! میرا ہر کام تیری پشت پناہی کے لئے مجبور ہے، اے بندہ پر رحم کرنے والے' کیا آپ کے علاوہ بندے کا کوئی اور رب ہے؟

حمد وصلوۃ کے بعد! یہ کتاب جس کا تاریخی نام ''حقیقت السورت'' ہے اور جو سورت اور نواحی سورت اور اس کے اہل علم حضرات کے حالات وسوانح پر مشتمل ہے' جسے کریم خصلتوں والے اچھی عادتوں والے' بحر ذخار سے موتیوں کو نکالنے والے اور تاریک رات میں رشد و ہدایت کا چراغ جلانے والے فن تاریخ کے عالم و فاضل' بلند و بالا فضائل کے حامل' رفیع القدر' عظیم الشان' جامع کمالات' نائب صوبہ' عالی جاہ شیخ بہادر بن شیخ احمد المرحوم سورتی نے جمع کیا ہے، نیک بختی ہمیشہ آپ کی طرف متوجہ رہے' جب تک کہ جھوٹ ہلاکت میں رہے اور سچ نجات دلاتا رہے۔

اگر آپ اس کتاب میں کثرت اژدحام کے باوجود غور وخوض کریں تو اپنی مطلب براری کے لئے' اس کتاب کو ایسا پائیں گے گویا کہ اس کے جامع نے ایک بڑے اونٹ کو

موتی کے سوارخ میں سمو دیا ہے۔

فی الجملہ اس قحط الرجال کے زمانہ میں اس جامع فضائل شخصیت جیسے مناقب بہت ہی کم لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ آپ نے اپنی زبان ترجمانی سے عمدہ ونفیس فوائد کے عمدہ پھولوں سے اس گلدستہ کو بھر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ محترم ومکرم کو نوائب دنیا سے محفوظ رکھے اور انجام کو ابتدا سے بہتر بنائے۔

آپ نے ایک ایسی کتاب لکھی ہے جو ایسے عمدہ ونفیس فوائد پر مشتمل ہے جس سے آپ کے معاصر مؤرخین محروم ہیں۔ جو شخص بھی اسے حفظ کر لے وہ اپنے ہمعصروں میں فصیح وبلیغ سمجھا جانے لگے۔

یہ کتاب ہر پڑھنے والے کے لئے سہل ترین ہے، نعمت کے پارچوں سے زیادہ لذیذ ہے، باذوق حضرات کے لئے بہترین تحفہ ہے، تسنیم کے پانی سے زیادہ خوش گوار ہے، واضح بیانات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، جو بادنسیم کے جھونکوں سے زیادہ اطیب و پاکیزہ ہے۔ نیز یہ کتاب اپنے اندر واضح اشارات اور تلمیحات کو سمیٹے ہوئے ہے۔

بہت ہی کم ایسا پایا جاتا ہے کہ کوئی کتاب اپنے اندر خوبیوں کے ڈھیر سمیٹے ہو، جسے کسی دیکھنے والے نے نہ اس سے پہلے دیکھا ہو اور نہ اس کے بعد دیکھے گا۔ جب تم اس کتاب کو دیکھو گے تو بکھرے ہوئے موتی پاؤ گے، جس کی ملاوٹ کافور سے کی گئی ہو۔

اس کی ترتیب بہت ہی لاجواب ہے کہ موتیوں کی ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے، اس کی تالیف بہترین ہے، گویا کہ باغ کے خوبصورت پھول بکھیر دیئے گئے ہوں۔ اور یہ شہر کے شعراء کی کہی ہوئی تاریخی تالیف ہے، تا ابد اس کے حالات کو بیان کرتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو قائم ودائم رکھے اور ان کو ہمیشگی بخشے۔

عربی منظوم تقریظ

بسم الله الرحمن الرحيم

بحمد الله قد هبت الينا ریاح العلم بالطبع المزکی

من الشيخ البهادر قد تبين مرام العلم بالتاريخ هذا

وقد طالعتها بالجد والكد وجدت كلها احرى واسنا

الا يا ايها القاضی المحرر قل التاريخ بالوجه المعلی

قصدت رقمه من غير نقص فانشدت لتاريخ مجلا

۲۵ ۱۳

ترجمہ:

(۱)......اللہ تعالی کی تعریف سے شروع کرتا ہوں کہ ہم پر پاکیزہ نفوس کی جانب سے علم و ہدایت کی ہوائیں چلائے۔

(۲)......(یعنی) شیخ بہادر کی جانب سے، تحقیق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ علم بالتاریخ کا مقصد اس تالیف سے واضح ہوگیا۔

(۳)......اور میں نے اپنی کدوکاوش سے حتی المقدور اس کتاب کا مطالعہ کیا، اور میں نے اس پوری کتاب کو لائق وفائق پایا۔

(۴)......اے قاضی! آگاہ ہو اور بالوجہ المعلا تاریخ کہہ۔

(۵)......میں نے اسے بغیر کسی نقص کے لکھنے کا ارادہ کیا، چنانچہ کہا: تاریخ مجلّا۔

(۱۳۱۵)

فارسی منظوم تقریظ

حبذا نامۂ کہ ہر ورقش صفحۂ آفتاب را روکش
بر ورقہاش جدول زنگار صفت سبزہ بر لبِ انہار
سر لوحش نگار خانۂ چین نقش پرواز معنی رنگین
نقطہ اش نجم آسمان کمال مد او بر سپہر صفحۂ ہلال
بلکہ ہر مد زبان پر توصیف از ثناہائے صاحب تالیف
آنکہ طبعش گل بہار سخن نطق او آفرید گار سخن
یعنی شیخ بہادر عالی ذات صانہ ربہ عن الآفات
نام تاریخی او چہ خوش صورت خوب گفتہ حقیقت السورت

۱۵ ۱۳

ترجمہ:

(۱)......بہترین ہے یہ کتاب، جس کا ہر ورق آفتاب کے چہرہ کا مقابل ہے۔

(۲)......اس کے اوراق پر بنی ہوئی سنہری جدول، پانی کی نہروں کے کناروں پر اگے ہوئے سبزہ کی صفت رکھتی ہے۔

(۳)......اس کا سرِلوح (سرخی، عنوان) نگارخانۂ چین کے مانند اور معنی رنگین کی پرواز کی تصویر جیسا لگتا ہے۔

(۴)......اس کا ہر نقطہ کمال کے آسمان کے ستارے کی طرح اور اس کا ہر مد آسمان پر ہلال کے مانند نظر آتا ہے۔

(۵)......بلکہ اس کا ہر مد مصنف کی تعریف کرنے والی زبان کی طرح ہے۔

(٦)......اس کا باطن بہار سخن کے پھول جیسا اور اس کا ظاہری نطق شعر کی تخلیق کرنے والا ہے۔

(٧)......یعنی (مصنف) عالی ذات شیخ بہادر کی' اللہ تعالی تمام آفتوں سے حفاظت کرے۔

(٨)......اس کتاب کا تاریخی نام بھی کتنا خوبصورت ہے۔کتنا خوب کہا گیا: حقیقت السورت۔

اردو منظوم' تقریظ

گرامی منزلت عالی نسب ہے — بہادر شیخ وہ عالی حسب ہے
ہر اک علم و ہنر میں ہے وہ یکتا — نظیر اس کا کہاں ہم جاہ کب ہے
بیاں کیا کر سکوں تعریف ان کی — کہ طولِ گفتگو ترکِ ادب ہے
لکھی وہ ان دنوں تاریخ سورت — کہ ہر اک قصہ جس کا منتخب ہے
نرالے لفظ ہیں معنی عجیبہ — قیامت ہے بیاں مضموں غضب ہے
کوئی تاریخ اس تحقیق کے ساتھ — کہیں پہلے ہوئی تھی اور نہ اب ہے
سرِ اعدا قلم کر لکھ دے قاضی — سنہ ہجری یہ تاریخ عجب ہے

۱۵ ۱۳

التقريظ على " مسلم الثبوت فى نسخ القنوت "

بسم الله الرحمن الرحيم

فاقول ان الطاعون وان كان من اشد النوازل الا انه رحمة و شهادة ، و دعاء نبينا محمد صلى الله عليه وسلم فلا يطلب رفعهن فيلزم الانكار ، فان قيل ان الطاعون والوباء واحد ، والدعاء برفع الوباء ثابت عن النبى صلى الله عليه وسلم كما هو مصرح فى البخارى بعقد الباب خاصة له ، اقول فيه ان الطاعون غير الوباء وانما عُبّر بالوباء لكونه يكثر فى الوباء كما فى العينى شرح البخارى ، ووجهه ان الوباء وهو من المرض العام والطاعون ليس مرضا بل هو من وخذ الجن كما ثبت فى الاحاديث الصحيحة المتداولة ، وقال فى الاشباه : وصرح به ابن حجر : بان الاجتماع للدعاء برفعه بدعة ، وقال صاحب الحموى تحته : اقول ما قاله ابن حجر' هو الحق الذى لا مرية فيه ، فان تعريف البدعة صادق عليه ، فان قيل ان القنوت والاجتماع للدعاء والصلوة عند النوازل مشروع ، ولا شك ان الطاعون من اشد النوازل وهو كالخسوف ، اقول هذا قياس فاسد فغير صحيح ' لعدم وجود الشرائط وعلى تسليم وجود الشرائط فباب القياس مسدود فى زماننا ، انما لِلعلماء اَلنقل عن صاحب المذهب من الكتب المعتمد ، وعلى انه صرح فى بعض الرسائل بان القياس بعداربع مأة منقطع فليس لاحد ان يقيس مسئلة على مسئلة كما هو مصرح فى الحموى ، والاركان الاربعة وغاية الامر انه مختلف فيه هل يجوز الدعاء برفع الطاعون ام لا ؟ فالصحيح انه لايجوز كما مر،

حرره عبد مسكين من عباد الله ' خادم الطلباء

محى الدين القاضى رحمت الله عفا الله عنه

التقريظ على كتاب " بستان العارفين "

الحمد لله على نواله والصلوة والسلام على رسوله وعلى اصحابه و اٰله ، اما بعد ، فهذا كتاب مطلوب الطالبين ومرغوب السالكين ' المسمى ب " بستان العارفين " قد طالعت بعض المواضع منه ، فوجدت فيه من كلام الناس المحفوظ حروفا فيها عون على عمارة القلوب وصقا لتها وتجلية ابصرها وحياء للتكفير واقامة للتدبير ودليل على محامد الامور ومكارم الاخلاق بلا فتور ' ان شاء الله تعالى ، فلله در المؤلف لان الواصفين له اكثر من العارفين ' والعارفين له اكثر من الفاعيلن ؎

فان العلم علم فى الجنان   وليس العلم علم باللسان

هنيئا للمؤلف علم هذا   بريئا من خطاياه و ذى ذا

حرره عبد من عباد الله ' خادم الطلبة '

القاضى رحمت الله عفى عنه

ترجمہ:......تمام تعریف ثابت ہے اللہ تعالی کے لئے کہ اس نے ہم کو نعمتیں دیں اور رحمت کاملہ اور سلام نازل ہو اس کے رسول اور اصحاب اور آل پر۔ امابعد!

پس یہ کتاب جو طالبوں کی مطلوب اور سالکوں کی مرغوب ہے اور جس کا نام ''بستان العارفین'' ہے' بعض مواضع سے میں نے مطالعہ کی ، پس اس میں لوگوں کے کلام کو حرف بحرف محفوظ پایا، یہ معاون ہے قلوب کی عمارت اور اس کی صقالت کی اور معاون ہے آنکھوں کی روشنی اور فکر کی احیاء اور تدبیر کی اقامت کی، اور دلیل ہے عمدہ کام اور مکارم اخلاق پر بدون نقصان کے' انشاءاللہ تعالی۔ خداوند کریم مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے،

اس لئے کہ اس کے واصفین زیادہ ہیں، عارفین سے اور عارفین زیادہ ہیں عاملین سے۔

پس بیشک علم وہ ہے جو قلب میں ہے اور وہ علم، علم نہیں جو زبان سے پڑھا جائے۔

مؤلف کے لئے یہ علم مبارک ہے۔ اور ان کے خطایا سے برائت کا سبب بنے۔

''نعرۂ اسد اللہ الغالب'' پر حضرت کی تقریظ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله على نواله والصلوة والسلام على رسوله وعلى آله وصحبه واهله۔

امابعد! پس یہ رسالہ کتاب فیضِ انتساب ہے کہ اس کو اکثر جگہ سے میں نے پڑھ کے اور پڑھوا کے سنا ہے، الحمد للہ والمنۃ للہ کہ مطالعہ سے اس کے رہنمائی اور ہدایت کج روانِ بادیۂ غفلت و نادانی کو مفید اور کافی ہوگا۔ اور ایسا عمدہ رسالہ میں نے پایا کہ تعریف سے باہر ہے، کیونکہ سمجھنا مضامینِ مندرجہ عالیہ اس کا تیرگی باطنی و وساوس شیطانی کا معالج شافی و وافی۔ حق یہ ہے کہ آج تک کوئی کتاب نادر اور عمدہ اور حاوی اور جامع فن کلام ومناظرہ میں، اس شرح وبسط کے ساتھ زبان گجراتی میں، بدلائلِ معتمد و براہین مستند تصنیف و مروج نہیں ہوئی کہ جس کے مطالعہ سے مبتدی، کم علم بھی وجوہات باطلہ مختلفہ اہل تشیع کا عالم ہوکر بحثیں اس فن میں، عوام کو کیا رتبہ، بلکہ خواص شیعۂ ذی علم کو بھی تحریر وتقریر میں الزام دے کر لا جواب معقول کرسکیں۔

للہ در المؤلف کہ کس قدر تحقیق و تدقیق و تفتیش کتب متفرقہ اہل تشیع سے چن چن کر عبارات اور ان کے خرافات کو نقل فرما کر دریا کو گویا کوزہ میں بھر دیا ہے۔

تذییل:...... مخفی نہ رہے کہ مدار مخالفت کا درمیان شیعہ وسنی کے مسئلہ امامت ہے۔ اور یہ مسئلہ موقوف ہے پانچ اصلوں پر، ہر ایک ان میں سے غیر ثابت ہے از روئے ایسی دلیل

کے کہ قابل سماعت ہو۔

اصل اول:......خلیفہ بلافصل ہونا جناب امیر (حضرت علی رضی اللہ عنہ)۔

اصل دوم:......منحصر ہونا ائمۂ ہدی کا ایک عدد میں کہ نہ اس سے زیادہ ہوں نہ کم۔

اصل سوم:......طویل العمر و مختفی ہونا امام اخیر کا، یا رجعت بعد الموت علی اختلاف فرقھم فی ذلک۔

سو یہ تینوں اصلیں از روئے کتاب اللہ و اخبار متواترہ کے کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتیں ﴿ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا﴾۔

اصل چہارم:......ارتداد و کفر و کتمان حق و اظہار باطل و اجتماع کرنا صحابہ کا امور شنیعہ پر، حالانکہ آیات بینات واضح الدلالت ناطق ہیں ان کے حسن حال و مآل پر۔

اصل پنجم:......اعتقاد تقیہ ہے حق میں ائمۂ ہدی کے، جو چیزیں واسطے شیعہ کے ظاہر کرتے تھے ان کو اوروں سے چھپاتے تھے، حالانکہ وہ دوسرے بھی ان کے شاگرد و تلامذہ تھے۔ اور انہوں نے ان ہی سے علم و طریقہ حاصل کیا تھا، اور بے وجہ و باعث جھوٹ بولنا ائمۂ ہدی کو کیا ضرور تھا؟

سو ہر ایک بات ان پانچوں باتوں سے کہ نزدیک امامیہ کے حکم ارکانِ خمسہ اسلام رکھتے ہیں۔ مخالف بداہت عقل و دلالت نقل کتاب و سنت مشہورہ نبوی ہیں، بلکہ منافی و مناقض جمیع شرائع سابقہ و لاحقہ، بہتان سے مخترع و مبتدع ہونا اس دین مستحدثہ کا اور ماخوذ نہ ہونا اس کا خاندان نبوت سے ظاہر و باہر ہے۔

چنانچہ اس لئے دلائل ان اصول پنجگانہ کے دو حال سے خالی نہیں، یا اخبار ہیں کہ مجاہل وضعفاء و مستورین سے مروی ہیں کہ اصلاً قرون سابقہ میں بین العلماء مذکور نہ تھے، اور

رجال ان اخبار کے کاتبۂ عندالامامیہ مجروح، مقدوح، وبے دیانتی ہیں، یا آیات قرآنی ہیں کہ تمسک ساتھ صریح ان آیات کے ہرگز مطلوب تک نہیں پہونچاتا، بلکہ باستعانت اسباب نزول وتخصیص وقائع کہ اکثر ان میں اخبار ضعیفہ، موضوعہ ومفتری ہیں، مع ذلک اصل مدعی پر منطبق نہیں ہوتی، مگر بزعم مقدمات مخترعہ ممنوعہ، پس جو عاقل ادنی تأمل ان امور میں کرے گا اور حقیقت کار پر مطلع ہوگا اس پر حال اس مذہب نیرنگ کا مثل مہر نیمروز واضح ہوجاوے گا۔

اور نیز مخفی نہ رہے کہ جب ملت اسلام میں بمفاد قول مخبر صادق ﷺ: ’’ستفرق امتی علی ثلث و سبعین فرقة، کلهم فی النار الا واحد‘‘

(الحدیث اخرجه احمد و الترمذی وابو داؤد والحاکم)

بہتر فرقۂ ضالہ زائغہ قرنا بعد قرن، جن کی تفصیل کتب عقائد کلامیہ میں مبسوط ہے، پیدا ہوئے تو اس وقت بحکم استثنائے مذکور اور مصداق: ’’هم الذین علی ما انا علیه واصحابی، وفی روایة: ’’الا وهی الجماعة‘‘ گروہ اہل سنت ناجیہ ٹھہرا اور موسوم بجماعت ہوا، اور دین مرضئ حق نے ان کے طریقے میں انحصار پایا اور سارے فرقے اہل باطل و زیغ کہلائیں، وما ذا بعد الحق الا الضلال۔

چنانچہ عہد نبوی میں طبقۃً بعد طبقۃٍ جب کسی فرقۂ ضالہ نے سر اٹھایا اور زبان کھولی، اسی وقت فرقۂ ناجیہ نے جواب صواب ان کا برہان وبیان، وتیغ وسنان سے دیا، یہاں تک کہ اس زمانے میں ہمارے سورت کے بڑے ملا صاحب نے حد اعتدال سے خارج ’’کلام مالا مرام‘‘ لکھا، جس کے مطالعہ سے اہل اسلام حق کا دل چورا چورا ہوا، بنابریں اس کے سید علی اکبر نے بقلم ہدایت جواب دے کر ان کے حملۂ زائغہ کی چول ڈھیلی اور سست کردی، کسی

زمانہ میں ’’تحفہ‘‘ (’’تحفۂ اثنا عشریہ‘‘ تصنیف حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ) شاہ صاحب نے سرکوبی کر کے جواب دندہ شکن سے بیخ و بنیاد ان عقیدوں کی اکھیڑ دی تھی، تو اس زمانہ میں گجراتی زبان میں سید موصوف نے اپنی اس کتاب ’’نعرۂ اسد اللہ الغالب‘‘ میں باجوبۂ مسکتہ خبر لی ہے، جزاہ اللہ بالخیر۔

کتبہ عبد من عباد اللہ، خادم الطلباء، القاضی رحمت اللہ

مہتمم مدرسہ اشرفیہ، راندیر

الكلام على وفات شيخه و مرشده

لقد صبّتْ علينا الدهر — وفات الشيخ مرشدنا مُحباً

فكان جامعا گلزار شاهی — جزاه الله فی الفردوس قُربا

وصار وفاته فی شهر ذيقعدة — لتسع قد مضت رغبا و رهبا

ونادی هاتف تاريخ رحله — شهير قادر قد صار قطبا

۲۷ ھ ۱۳

حضرت کے چند فتاوے

حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے چند فتاوی موصول ہوئے، ان کو نقل کرتا ہوں، اللہ کرے حضرت کے اور فتاوی بھی محفوظ ہوں اور کسی قدردان تک پہنچیں

(۱)......رویت ہلال کے سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالحئی صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ نے ایک طویل استفتاء علماء اور ارباب افتاء کی خدمت میں ارسال کیا تھا، بعد میں ان فتاوی کو حضرت مولانا ابراہیم صاحب راندیری نے ایک کتابی شکل میں بنام ’’البیان الکافی فی حکم الخبر التلغرافی‘‘ شائع کیا تھا، اس میں سے حضرت کا جواب یہاں نقل کرتا ہوں:

ٹیلغراف سے رویت ہلال کی خبر معتبر ہے یانہیں؟

السوال

بسم الله الرحمن الرحيم

ماقولكم (متع الله المسلمين بعلومكم) فی اختلافٍ جری بین علمائنا فی هلال رمضان والفطرحين غم ' انه اذا ورد فی بلدة تلغراف زائد على الخمسة الى العشرة من بلدة أو بلاد متباينة مختلفة المطالع ' ومتفقتها على رجل أو رجال ' مكتوب فيه رأينا أو رأى عندنا الهلال ' أو ذكر فيه كلمة على حسب اصطلاح وقع بين الطرفين بانه اذا ترى الهلال نذكر كلمة مثلا بغد اوليامن من التخليط والتغيير والاشتباه ' فمنهم من يقول بالتعويل على هذا الخبر مستدلا انه خبر مستفيض يعول عليه امرالهلال ، فقد ذكر فی الدر المختار : نعم لو استفاض الخبر فی البلدة لزمهم على الصحيح من مذهب ، وقال ابن عابدين فی حاشيته ناقلا عن شمس الائمة الحلوانی الصحيح من مذهب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فيما بين اهل البلدة الاخرى يلزمهم حكم هذه البلدة على انه قد تعارف بين الناس التعويل عليه فی معاملاتهم حتى فی الموت والولادة وامثالهما من الامور المهمة ، وهذا يدل على انه يفيد غلبة الظن لاسيما اذا كان متعدد أو غلبة الظن موجبة للعمل۔

وخالفهم آخرون وقالوا : لا يعول على هذا الخبر مع تسليم استفاضته وشيوعه بوجوه ، اما :

اولا :...... فلانه يشترط فی الخبرالمستفيض الاسلام ، لان اهل الاصول عدوه فی الاخبار الآحاد ، والخبر الواحد لا يقبل الا بنقل عدل ، والعدل ماخوذ فی تعريفه الاسلام كما لا يخفى۔

قال ابن عابدين فى رد المحتار : وفى عدم اشتراط الاسلام نظر لانه ليس المراد هنا بالجمع العظيم ما يبلغ مبلغ التواتر الموجب للعلم القطعى ' حتى لا يشترط له ذلك ' بل ما يوجب غلبة الظن كما يأتى ، وعدم اشتراط الاسلام له لا بد له من نقل صريح ، انتهى۔

وخبر التلغراف انما يتلقاه من مخبره ' من هو قائم بدق السلك و نقره فيخبربه من كان فى الجانب الآخر بنقراته ، فيستنبط منها هذا الخبر ويكتبه ويؤديه الى من ضرب له التلغراف ، وهولاء غالبهم من المخالفين لملة الاسلام۔

ثانيا:...... فلان الخبر المستفيض انما يكون حجة ' لكونه نقلا عن قضاء القاضى، وحكمه كما قال ابن عابدين فى حاشيته على الدر : ان هذه الاستفاضة ليس فيها شهادة على قضاء قاض ولا على شهادة ' لكن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر ، وقد ثبت بها ان اهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها ، لان البلدة لا تخلو عن الحاكم شرعى عادة ، فلا بد من ان يكون صومهم مبنيا على حكم حاكمهم الشرعى فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور، انتهى۔

ولا يخفى عليكم ان هذه البلاد ليس فيها حاكم شرعى ولا قاضٍ ، فلا يكون الحكم المستفاد من التلغراف نقلا عن قضاء القاضى وحكمه ، بل انما هو حكاية عن الرؤية والاعتماد عليها لا يجوز ، كما فى الدر : لا لو شهدوا برؤية غيرهم لانه حكاية ، قال ابن عابدين : فانهم لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وانما حكوا رؤية غيرهم كذا فى فتح القدير ، قلت : وكذا لو شهدوا برؤية غيرهم وان القاضى تلك المصر امرالناس بصوم رمضان ' لانه حكاية لفعل القاضى ايضا و ليس بحجة بخلاف قضائه وقال فى ا لبحر : لو شهد جماعة ان اهل بلد كذا رأو هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا وهذا اليوم ثلا ثون بحسابهم ولم يرؤا هؤلاء

الهـلال لا يبـاح فـطـر ولا تتـرک التراويح هذه الليلة ، لان هذه جماعة لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وانما حكوا رؤية غيرهم۔

وثـالثـا:...... فـقال ابن عابدين : فى حواشيه على البحر : اعلم ان المراد بالاستفاضة تـواتـر الـخبـر مـن الـواردين مـن بـلدة الثبوت الى البلدة التى لم يثبت بها لا مجرد الاستفاضة ' انتهى۔

ولا اظـنـكـم شـاكـيـن ان الـخـبـر الـمستـفيـض الحاصل بالتلغراف لا يكون من الواردين من بلدة الثبوت بل من جهة الكتاب المكتوب على التلغراف المعهود بين اهـلـه ، وقـد ذكـر الـفـقهـاء ان كتـاب الشهـادة لا يعول عليه ما لم يكن له شاهدان عالمان بما فيه من الشهادة۔

فـى الهـداية : لا يقبل الكتاب الا بشهادة رجلين أو رجل وامرأتين لان الكتاب يشبه الكتاب ' فلا يثبت الا بحجة تامة ، و هذا لانه ملزم ' فلا بد من الحجة۔

ورابـعـا:...... فـلان العوام وان كانوا يثقون فى معاملا تهم بالتلغراف ' لكن الحكومة البرطانية مع مخالتفها للديانة الاسلامية لا تعتمد عليه فى امر الشهادة ، ولعل ذلک بسبـب احتـمـال تـطـرق الـخـطاء اليه وعدم الانكشاف التام عن احوال الشهود به والتنقب عن كيفية شهادتهم۔

هـذا اذاكـان التـلغراف زائد على الخمسة الى العشرة ، واما اذا كان واحدا فى هـلال رمـضان واثنين فى الفطر وقد غم الهلال ' فهل يكفى كفاية الواحد العدل فى رمـضـان الـحـريـن الـعـدلين فى الفطر ؟ وهل يقاس الكتاب المرسل بالواسطة على التـلـغراف فيما ذكر من الصور ؟ وهل ينزل امام المسجد أو غيره منزلة القاضى فى الـقـضـاء بثبـوت الهـلال خـاصة بتـراضـى المسليمن فى بلاد لا يوجد فيها الحاكم الشـرعـى ولا القاضى ؟ فما كان الحق عندكم ؟ افيدوه بالتى تطمئن بها القلوب ' و

تثلج بها الصدور ' ليزول النزاع من البين ويتيسر العمل بالصحيح من القولين ، ولكم الحسنى وزيادة۔ كتبه : عبد الحئى ، خطيب جامع مسجد رنگون

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده ' والصلوة والسلام على من لا نبى بعده ، اللهم انى اسألک هدايةً للصواب وتحقيقاً فى الجواب،

اعلم رحمک الله ان ائمتنا الحنفية رحمهم الله صرحوا فى كتبهم مسائل الصيام ' وذكر شروطه بالكمال التمام ، مستدلين بالكتاب والسنة ' وبالادلة القياسية الحسنة ، وها انا انقل اليک ما اطلعت عليه فى كتب ساداتنا الحنفية ' مما يتعلق بهذه المسئلة ' وان كان ذلک فضولا منى' وحملنى عليه الرغبة فى زوال الاشتباه ، فقد قال الله تعالى :﴿ يسئلونک عن الاهلة ﴾ نزلت فى معاذ بن جبل و ثعلبة بن غنم الانصارى رضى الله عنهما ' قالا : يا رسول الله ! ما بال الهلال يبدو رقيقا ' ثم يزيد حتى يمتلى نورا ' ثم يعود رقيقا كما بدأ ' ولا يكون على حاله ؟ فانزل الله تعالى : ﴿ يسئلونک عن الاهلة ﴾۔

وهى جمع هلال ' مثل رداء و اردية ' سمى هلالا ' لان الناس يرفعون اصواتهم بالذكر عند رؤيته ' من قولهم : استهل الصبى اذا صرح حين يتولد ، واهل القوم بالحج اذا رفعوا اصواتهم بالتلبية ﴿ قل هى مواقيت للناس والحج ﴾ جمع الميقات أى فعلنا ذلک ليعلم الناس اوقات الحج والعمرة والصوم والافطار وآجال الديون وعدة النساء وغيرها ، فلذلک خالف بينه و بين الشمس التى هى دائمة على حالة واحدة ' انتهى مافى معالم التنزيل۔

عن ابن عمر رضى الله عنه قال : ترائ الناس الهلال' فاخبرت رسول الله صلى

الله عليه وسلم انى رأيته ‘ فصام وامر الناس بصيامه۔

(رواه ابو داؤد والدار قطنى ، وقال : تفرد به مروان بن محمد عن ابن وهب ، وهو ثقة)

واخرجه ايضا الدارمى وابن حبان والحاكم وصححاه ‘ والبيهقى وصححه ابن حزم كلهم عن طريق ابى بكر بن نافع عن نافع عنه ، وعن عكرمة عن ابن عباس قال جاء اعرابى الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال : انى رأيت الهلال يعنى رمضان ، فقال اتشهد ان لا اله الا الله ؟ قال : نعم ، قال : اتشهد ان محمدا رسول الله ؟ قال : نعم ، قال : يا بلال اذن فى الناس فليصوموا غد۔(رواه الخمسة الا احمد)

ورواه ابوداؤد ايضا من حديث حماد بن سلمة عن سماک عن عكرمة مرسلا بمعناه ، وقال : فامر بلالا فنادى فى الناس ان يقوموا وان يصوموا۔

واخرجه ايضا ابن حبان والدار قطنى والبيهقى والحاكم ، قال الترمذى : روى مرسلا ، وقال النسائى انه اولى بالصواب۔

وفى الباب عن ابن عباس وابن عمر ايضا عند الدار قطنى والطبرانى فى الاوسط من طريق طاؤس : قال : شهدت المدينة و بها ابن عمر وابن عبا س فجاء رجل الى واليها وشهد عنده على رؤية هلال شهر رمضان ، فسأل ابن عمر وابن عباس عن شهادته ، فامراه ان يجيزه ، وقال : ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اجاز شهادة واحد على رؤية هلال رمضان ، وكان لا يجيز شهادة الافطار الا بشهادة رجلين۔

قال العلامة الشوكانى : والحديثان المذكوران فى الباب يدلان على انها تقبل شهادة الواحد فى دخول رمضان ‘ و الى ذلک ذهب ابن المبارک واحمد ابن حنبل والشافعى فى احد قوليه۔

قال النووى : وهوالاصح ‘ وبه قال المؤيد بالله ‘ وحكى فى البحر عن الصادق وابى حنيفه واحد قولى المؤيد بالله ، انه يقبل الواحد فى الغيم لاحتمال خفاء

الهلال عن غيره لا الصحو ، فلا يقبل الا جماعة لبعد خفائه۔

واختلف ايضا فى شهادة خروج رمضان ، فحكى فى البحر عن العترة جميعا والفقهاء : انه لا يكفى الواحد فى هلال شوال۔

قال النووى فى شرح مسلم : لا تجوز شهادة عدل واحد على هلال شوال عند جميع العلماء۔

وعن ربعى بن حراش عن رجل من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم قال: اختلف الناس فى آخر يوم من رمضان فقدم اعرابيان فشهدا عند النبى صلى الله عليه وسلم بالله لاهلا الهلال امس عشية ، فامر رسول الله صلى الله عليه وسلم الناس ان يفطروا ۔(رواه احمد و ابو داؤد)

وزاد فى رواية : وان يغدوا الى مصلاهم ، سكت عنه ابو داؤد والمنذرى ، ورجاله رجال الصحيح ، وجهالة الصحابى غير قادحة۔

وعن عبيد الله ابى عمير بن انس بن مالک عن عمومة له : ان ركبا جاؤوأ الى النبى صلى الله عليه وسلم فشهدوا انهم رأو الهلال بالامس ، فامرهم ان يفطرواو اذا اصبحوا ان يغدوا الى مصلاهم۔

(اخرجه احمد وابو ادؤد والنسائى وابن ماجة وصححه ابن المنذر وابن السكن وابن حزم)

فهذه الاحاديث تدل على ثبوت الصوم والفطر من الشهود لا الغير من الخطوط ونحوها ، لان الخطوط فيها تزوير ' والخط يشبه الخط ، فينبغى ان لا يعتمد عليه فى الديانات والالزامات الا ان يقيد الخطوط بقيود كتابة القاضى الى القاضى، وشروطه على ما صرح فى الهداية وغيرها۔

وعن ابن عمر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :" اذا رايتموه فصوموا ' واذا رايتموه فافطروا ، فان غم عليكم فاقدروا له "۔(اخرجاهما والنسائى وابن ماجة)

وفی لفظ : الشهر تسع و عشرون ليلة فلا تصوموا حتى تروه ، فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلاثين "۔(رواه البخاری)

وفی لفظ انه ذكر : رمضان فضرب بيديه ، فقال الشهر هكذا وهكذا و عقد ابهاميه فى الثالثة ، صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته ، فان غم عليكم فاقدروا ثلا ثين۔ (رواه مسلم)

وفی رواية انه قال : انما الشهر تسع و عشرون ' فلا تصوموا حتى تروه ولا تفطروا حتى تروه ، فان غم عليكم فاقدروا له۔(رواه مسلم و احمد)

وزاد (احمد) قال نافع : وكان عبد الله اذا مضى من شعبان تسع و عشرون يوما يبعث من ينظر ' فان راى فذاک وان لم ير ولم يحل دون منظره سحاب ولا قتر اصبح مفطرا ' وان حال دون منظره سحاب أو قتر اصبح صائما۔

وعن ابی هريرة قال : قال : رسول الله صلى الله عليه وسلم صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته ' فان غم عليكم فاكملوا عدة شعبان ثلاثين ۔(رواه احمد والبخاری و مسلم)

وقال : فان غم عليكم فعدوا ثلاثين ، وفی لفظ : صوموا لرؤيته فان غم عليكم فعدوا ثلا ثين۔(رواه احمد)

وفی لفظ : اذا رأيتم الهلال فصوموا واذا رايتموه فافطروا ' فان غم عليكم فعدوا ثلاثين يوما۔(رواه احمد و مسلم وابن ماجة والنسائی)

وفی لفظ : صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته ' فان غم عليكم فعدوا ثلاثين ' ثم افطروا۔(رواه احمد والترمذی وصححه)

وفی رواية احمد والنسائی : فان شهد شاهدان مسلمان ، وفی رواية : فان لم نره و شهد شاهدا عدل ، الخ۔

قال العلامة الشوكانی : فيه دليل على انها لا تقبل شهادة الكافر فی الصيام

والافطار۔

فاقول : فكيف تقبل التلغراف فى الصيام والافطار مع انه من الكفار الفجار۔

وقد قال فى جامع الرموز : والى انه يشترط الاسلام والعقل والبلوغ۔

فمن هذه الاحاديث المنقولة والعباراة الفقهية الصريحة علم علما يقينا بانه يشترط فى الخبر المستفيض ' الاسلام لان اهل الاصول عدوه فى الاخبار والأحاد والخبر الواحد لا يقبل الا بنقل عدل ، والعدل ماخوذ فى تعريفه الاسلام ايضا۔

وانه لا يحصل العلم للمرسل اليه بان المرسل فى الواقع هو الذى اظهر اسمه فى الخبر أم غيره ، وانه ربما يقع الغلط فى الفهم من العامل المرسل ، و العامل المرسل لديه أو المرسل اليه نفسه بانه يفهم الانشاء خبرا لحذف اداة الانشاء أو بوجه آخر ، وبان المرسل اليه لايحصل له العلم بعدالة المرسل واسلامه وهما مشروط فى الاخبار والشهادة ، وبان المرسل ربما لا يذهب الى البوسطة بل يرسل مضمون الخبر مع خادمه الغير العدل۔

فهذه الوجوه وامثالها موجودة فى الخبر التلغرافى ، فلا يصح ان يحكم بقبول هذا الخبر مع وجود هذه الشبهة الشنيعة فيه۔

وقد قال فى الدر المختار : فيلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية اولئک بطريق موجب ، انتهى۔

وتحته فى ردا لمحتار : هكذا يتحمل اثنان الشهادة او شهدا على حكم القاضى او يستفيض الخبر ، انتهى۔

وفى الشامى : قال الرحمتى : معنى الاستفاضة ان تاتى من تلک البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن اهل تلک البلدة انهم صاموا عن رؤيته لا مجردالشيوع من غير علم بمن اشاعه ، انتهى۔

فبهذه العبارات صرح ان التلغراف واخباره ليس بطريق موجب ' و ليس فيه تحمل الشهادة ' ولا على حكم القاضى ، وليس بخبر مستفيض ' بل هو هباء منثور واهله قوم بور ' ولا يعبأ بهم ولا بقولهم ' لان الخبر التلغراف انما يتلقاه من مخبره من هو قائم بدق السلك ونقره فيخبر به من كان فى الجانب الآخر بنقراته۔

فيستنبط منها هذا الخبر ويكتبه ويؤديه الى من ضرب له التلغرف ، وهولاء غالبهم من المخالفين لملة الاسلام ، ولان الخبر المستفيض انما يكون حجة لكونه نقلا عن قضاء القاضى، وحكمه كما قال ابن عابدين فى حاشيته على الدر : ان هذه الاستفاضة ليس فيها شهادة على قضاء قاض ' ولا على شهادة ، لكن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر ، وقد ثبت بها ان اهل تلك البلدة صاموا يوم كذا ' لزم العمل بها ، لان البلدة لا تخلو من حاكم شرعى عادة و غالبة ، فلا بد ان يكون صومهم مبنيا على حكم حاكمهم الشرعى ، فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور ، ولا يخفى عليكم ان هذه البلاد ليس فيها حكم شرعى ولا قاض، فلا يكون الحكم المستفاد من التلغراف نقلا عن قضاء وحكمه ، بل انما هو حكاية عن الرؤية والاعتماد عليها لا يجوز۔

واما نزول امام الجامع او الخطيب مقام القاضى فى بلاد ليس فيها حاكم شرعى بتراضى المسلمين ، فامر ثابت حق۔

قال فى الدر المختار : لو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وافطروا باخبار عدلين مع العلة للضرورة ، انتهى۔

وفى عمدة الرعاية : والعالم الثقة فى بلدة لا حاكم فيه قائم مقامه۔

وفى السراجية : رجل رأى هلال رمضان برستاق وليس هناك قاضٍ ولا والٍ' ولم يات المصر ليشهد ' فعليهم ان يصوموا بقول هذ الرجل ، ان كان ثقة ، انتهى۔

وقال فی رد المحتار نقلا عن التاتارخانية : واما بلاد عليهاولاة كفار ‘ فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ‘ ويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين ، فيجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلما منهم ، انتهى۔

وفيه نقلا عن الفتح : واذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو فى بعض بلاد المسلمين كقرطبة الآن ‘ يجب على المسلمين ان يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا ‘ فيولى قاضيا ‘ ويكون هو الذى يقضى بينهم ، وكذا ينصبوا اماما يصلى بهم الجمعة۔

وفى الهندية : بلاد عليها ولاة كفار ‘ يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ‘ ويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين ، ويجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلما ، كذا فى معراج الدراية۔

ومن البين ان المسلمين اذا ولو امرهم رجلا من المسلمين كان هذا موضعة محضة ‘ فان تولية الامارة الحقيقية مع وجود سلطان كافر متغلب ليست بممكنة ‘ ولما صحت تولية الامارة من المسلمين ‘ فاولى ان تصح عنهم تولية القضاء، ودلت عبارة التاتارخانية على الصحة هذا ، فمن افتى بخلاف ذلک فعليه بيان النص والا فقد اخطأ فى فتواه ، هذا ما ظهر لى فى هذه القضية ، والعلم امانة فى اعناق العلماء وليعرض ذلک على العلماء من اهل الهند وغيرهم ليميزوا الخطأ من الصواب، وفوق كل ذى علم عليم ، والله سبحانه وتعالى اعلم وعلمه اتم۔

كتبه : عبد من عباد الله ‘ خادم الطلبة : القاضى رحمت الله

هذا هو البيان الفيصل بين الفريقين ماقاله المجيب اللبيب فهو فيه

وصحيح عندى وحقيق بالا تباع كتبه العبد :

كتبه : نصر الله، مدرس مدرسه اشرفيه محمد اسماعيل عفى عنه

ترجمہ جواب:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده ، والصلوة والسلام على من لا نبی بعده ، اللهم انى اسالک هدايةً للصواب وتحقيقاً فى الجواب۔

جان لے خدا تجھ پر رحم کرے کہ ہمارے ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ نے اپنی کتابوں میں کتاب اللہ اور حدیث رسول اور قیاس شرعی سے نکال کر روزوں کے مسائل اور ان کے شرائط پورے پورے ذکر کر دیئے ہیں۔ میں سادات حنفیہ کی کتابوں میں سے جن امور پر مطلع ہوا ہوں، وہ اس مسئلہ کے متعلق تمہارے سامنے نقل کرتا ہوں، اگر چہ میرا یہ کام فضول ہے، لیکن زوال اشتباہ کی رغبت نے مجھے اس پر برانگیختہ کیا ہے۔

قال الله تعالى : ﴿يسئلونک عن الاهلة﴾ ۔ یہ آیت حضرت معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن غنم انصاری رضی اللہ عنہما کے بارے میں اتری ہے، ان دونوں نے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہے کہ چاند باریک نکلتا ہے، پھر بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ پورا گول نورانی ہو جاتا ہے، پھر گھٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ ابتدائی حالت کی طرح باریک ہو جاتا ہے اور ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتا؟ تو اللہ تعالی نے یہ آیت اتاری کہ لوگ سوال کرتے ہیں آپ سے چاند کے متعلق۔

''اهلة'' ہلال کی جمع ہے، جیسے ''اردية'' ''رداء'' کی جمع ہے۔ ہلال کا نام اس لئے ہلال رکھا گیا کہ لوگ چاند دیکھتے وقت ذکر کے ساتھ آواز بلند کرتے ہیں ۔ یہ عرب کے اس محاورہ سے ماخوذ ہے کہ بچے کے پیدا ہونے کے وقت اس کے رونے کو ''استهل الصبی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور جبکہ لوگ بلند آواز سے تلبیہ کہتے ہیں تو ''اهل القوم بالحج'' کہا

جاتا ہے۔

﴿ قل ھی مواقیت للناس ﴾۔ ''مواقیت'' میقات: کی جمع ہے، یعنی باری تعالی فرماتا ہے کہ: ہم نے چاند کو اس لئے بنایا کہ لوگ اپنے حج اور عمرہ وافطار کے وقت اور قرضوں کی مدت اور عورتوں کی عدت اس کے ذریعہ سے پہچانا کریں اور اسی لئے آفتاب سے جو ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے اس کی حالت جداگانہ کردی۔ (معالم التنزیل)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: فرمایا کہ: لوگ چاند دیکھنے لگے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا، تو آپ نے بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(اس حدیث کو ابوداؤد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے، اور دارقطنی نے کہا کہ: ابن وہب سے روایت کرنے میں مروان بن محمد متفرد ہے اور وہ ثقہ ہے۔ نیز دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور ابن حبان اور حاکم نے روایت کرکے تصحیح بھی کی ہے۔ اور بیہقی نے بھی روایت کیا اور ابن حزم نے اس کی تصحیح کی۔ ان سب نے اس طریقے سے روایت کیا کہ ''ابی بکر بن نافع عن نافع عنه'')

اور عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا کہ: میں نے چاند دیکھا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: تو خدا تعالی کے ایک ہونے کی گواہی دیتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس کی بھی گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ تعالی کے رسول ہیں؟ اس نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے (حضرت) بلال (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا کہ لوگوں کو پکارو کہ: کل روزہ رکھیں۔ (اس کو پانچوں نے سوائے احمد کے روایت کیا ہے)

اور ابوداؤد نے اس طرح روایت کیا کہ: ''حماد بن سلمه عن سماک عن عکرمة''

مگر مرسل ہے اور پہلی روایت کے ہم معنی ہے۔ اور اس میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت) بلال (رضی اللہ عنہ) کو حکم فرمایا: اور انہوں نے لوگوں میں پکار دیا کہ تراویح پڑھیں اور روزہ رکھیں۔

(اس کو ابن حبان، دار قطنی بیہقی اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ: یہ مرسل روایت کی گئی ہے اور نسائی نے کہا کہ: یہی اولی بالصواب ہے)

اور اس باب میں ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی دار قطنی اور طبرانی کے اوسط میں بواسطہ طاؤس رحمہ اللہ کے روایت ہے۔ طاؤس نے کہا کہ: میں مدینہ میں آیا تو وہاں ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم تھے اور ایک شخص حاکم مدینہ کے پاس آیا اور رویت ہلال رمضان کی شہادت دی، حاکم مدینہ نے ابن عمر وابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس کی شہادت کا شرعی حکم دریافت کیا، ان دونوں نے اس سے حکم کیا کہ: وہ شہادت قبول کرلے اور فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے ہلال رمضان میں ایک شخص کی شہادت قبول کی ہے اور فطر میں بغیر دو گواہوں کے شہادت قبول نہیں فرماتے تھے۔

علامہ شوکانی نے کہا کہ: اس باب کی دونوں حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ رمضان کے داخل ہونے میں ایک شخص کی گواہی مقبول ہے۔ عبداللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہم اللہ اپنے ایک قول میں اسی کے قائل ہیں۔ نووی نے کہا کہ: امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی قول اصح ہے، اور اسی کے قائل ہیں موید باللہ۔ اور بحر میں امام صادق اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ اور موید باللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ابر میں ایک شخص کی گواہی مقبول ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ دیکھنے والے کے سوا، دوسروں سے بوجہ ابر کے چاند مخفی رہا ہو اور صاف مطلع میں بغیر ایک جماعت کے شہادت مقبول نہیں ہوگی۔

اور رمضان کے نکلنے یعنی ختم ہونے کی شہادت میں بھی اختلاف ہے، فقہاء سے نقل کیا گیا ہے کہ شوال میں ایک کی گواہی کافی نہیں۔ نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ: تمام علماء کے نزدیک ایک شخص عادل کی گواہی ہلال شعبان کے لئے معتبر نہیں۔

اور ربعی بن حراش ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ: ایک مرتبہ رمضان کے اخیر دن میں لوگوں کا اختلاف ہوا، پس دو اعرابی آئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے گواہی دی کہ: قسم خدا کی ہم نے کل شام کو چاند دیکھا ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو روزہ توڑنے کا حکم دیدیا۔

(اس کو امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور ابوداؤد نے ایک روایت میں اتنا زیادہ بیان کیا کہ عیدگاہ میں کل صبح جانے کا حکم بھی دیا۔ ابوداؤد اور منذری نے اس حدیث پر سکوت کیا اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں، اور صحابی کا نامعلوم ہونا قابل اعتراض نہیں)

اور عبداللہ بن عمر بن انس بن مالک رحمہم اللہ سے روایت ہے: وہ اپنے اعمام سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ سوار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گواہی دی کہ: ہم نے کل شام کو چاند دیکھا ہے، پس آپ ﷺ نے حکم کیا کہ: روزہ کھول ڈالیں اور کل صبح عیدگاہ میں جائیں۔

(اسے احمدؒ ابوداؤدؒ نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور ابن منذرؒ ابن السکن اور ابن حزم نے اس کی تصحیح کی ہے)

پس یہ حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صوم وافطار کا ثبوت گواہوں سے ہوتا ہے، نہ خطوط وغیرہ سے، کیونکہ خطوں میں جعلی ہونے کا احتمال ہوتا ہے، اس لئے کہ ایک خط دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے، پس لائق ہے کہ اس پر دیانات اور الزامات میں اعتماد نہ کیا

جائے ، مگر ہاں جبکہ خط میں وہ قیود لگادی جاویں جو کتاب القاضی الی القاضی میں لگائی ہیں اور وہی شرطیں معتبر ہوں جیسے کہ ہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ: جب چاند دیکھو تو روزہ رکھو اور جب چاند (شوال کا) دیکھو تو افطار کرو، اور اگر چاند کسی مشتبہ حالت میں ہوجائے تو اس کا اندازہ کرلو۔ (اس حدیث کو دونوں اور نسائی نے روایت کیا ہے)

اور ایک روایت میں ہے کہ: مہینہ (کبھی) انتیس کا بھی ہوتا ہے، پس روزہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھو، اور اگر وہ کسی مشتبہ حالت میں ہوجائے تو (شعبان کے دن) پورے تیس گن کر پورے کرلو۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے)

اور ایک روایت میں ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے رمضان کا ذکر کیا تو اپنے دونوں ہاتھوں (کی دسوں انگلیوں) سے اشارہ کیا کہ اس طرح اور اس طرح اور تیسری بار انگوٹھا موڑ لیا، چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، اور اگر چاند مشتبہ حالت میں ہوجائے تو تیس دن پورے کرلو۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

اور ایک روایت میں ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے پس جب تک چاند نہ دیکھو روزہ نہ رکھو اور افطار نہ کرو، اور اگر مشتبہ حالت میں ہو تو اندازہ پورا کرلو۔ (اسے مسلم نے اور احمد نے روایت کیا ہے)

اور احمد نے اتنا زیادہ کیا کہ نافع نے کہا کہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما شعبان کے انتیس دن پورے ہوجانے پر کسی شخص کو بھیجتے تھے کہ چاند جا کر دیکھے، پس اگر اس نے دیکھا تو ویسا کیا، اور نہ دیکھا اور مطلع بھی صاف تھا تو صبح کو بے روزہ اٹھتے اور مطلع صاف نہ ہوا تو صبح کو روزہ دار اٹھتے۔

اورابو ہریرہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کرافطار کرو،اوراگر وہ مشتبہ حالت میں ہوتو شعبان کے تیس دن پورے کرلو۔

(اس کوامام احمدؒ بخاری اورمسلم نے روایت کیا ہے)

اورمسلم نے کہا: اگر چاند مشتبہ ہوتو تیس دن پورے کرلو۔

اورایک روایت میں ہے کہ: چاند دیکھ کر روزہ رکھو،اوراگرمشتبہ حالت میں ہوتو تیس دن گن لو۔(یہ احمد نے روایت کیا ہے)

اورایک روایت میں ہے کہ: جب چاند دیکھوروزہ رکھواور جب اسے دیکھو تو افطار کرو اوراگرمشتبہ حالت میں ہوجائے تو تیس دن گن لو۔

(اسے احمدؒ مسلمؒ ابن ماجہ اورنسائی نے روایت کیا ہے)

اورایک روایت میں ہے کہ: چاند دیکھ کر روزہ رکھواور دیکھ کرافطار کرو،اورتمہارے اوپر مشتبہ ہوجائے تو تیس دن گن لو پھرافطار کرو۔

(اسے احمداور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے تصحیح کی ہے)

اوراحمداورنسائی کی روایت میں ہے: پس اگر گواہی دیں دو مسلمان گواہ۔اورایک روایت میں ہے کہ: اگر ہم چاند نہ دیکھیں اوردوعادل گواہ' گواہی دیں' الخ۔

علامہ شوکانی نے کہا کہ: اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ صوم وافطار میں کافر کی گواہی مقبول نہیں۔پس میں کہتا ہوں کہ: پھرصوم وافطار میں تار کی خبر کیسے معتبر ہوسکتی ہے؟ کیونکہ وہ کفار وفجار کے ذریعہ سے آتی ہے۔

اور''جامع الرموز'' میں کہا ہے کہ: اسلام اوربلوغ اورعقل شرط ہے۔

پس ان احادیث مرویہ اورعبارات فقہیہ صریحہ سے یقینی طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ خبر

مستفیض میں اسلام شرط ہے، کیونکہ اہل اصول نے اسے اخبار وآحاد میں شمار کیا ہے اور اخبار وآحاد بغیر اس کے عدل کہ منقول ہوں، مقبول نہیں۔ اور عدل کی تعریف میں اسلام ماخوذ ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ مرسل الیہ کو اس کا علم حاصل نہیں ہوتا کہ آیا بھیجنے والا وہی ہے جس کا نام ظاہر کیا گیا ہے یا اور کوئی۔ اور ایسا بسا اوقات تار دینے والے یا تار لینے والے حامل یا خود مکتوب الیہ سے سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے کہ بوجہ حرف انشا محذوف ہونے کے، انشا کو خبر سمجھ جاتا ہے یا اور کسی طرح سے۔

اور یہ بھی کہ مرسل الیہ کو مرسل کی عدالت کا علم حاصل نہیں ہوتا، حالانکہ یہ اخبار اور شہادت دونوں میں شرط ہیں۔

اور یہ بھی کہ بھیجنے والا بسا اوقات خود ڈاک تک نہیں جاتا، بلکہ اپنے غیر عادل خادم کے ہاتھ مضمون خبر کا بھیج دیتا ہے۔ پس یہ وجوہ اور ان جیسی اور بھی وجوہ شبہ، تار خبر میں موجود ہیں، پس اس کے مقبول ہونے کا حکم کرنا باوجوہ ان شبہات کے موجود ہونے کے صحیح نہیں۔

درمختار میں کہا: ''پس اہل مشرق پر مغرب والوں کی رویت سے لازم ہو جائے گا جبکہ ان کے نزدیک ان کی رویت طریق موجب سے ثابت ہو جائے''۔

اور اس کے تحت میں ''ردالمحتار'' میں ہے: ''جیسے کہ دو شخص شہادت دیتے ہوئے آئیں یا حکم قاضی پر شہادت یا خبر مستفیض ہو جائے''۔

اور ''شامی'' میں ہے: ''رحمتی نے کہا کہ: استفاضہ کے معنی یہ ہیں کہ بلدۂ رویت سے متعدد جماعتیں آ کر یہ خبر دیں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے، نہ صرف یہ بات کہ خبر شائع ہو جائے اور شائع کنندہ معلوم نہ ہو''۔

پس ان عبارتوں سے یہ بات کھل گئی کہ تار کی خبر طریق موجب میں داخل نہیں ہے اور نہ تو اس میں شہادت رؤیت ہے اور نہ شہادت حکم قاضی اور نہ خبر مستفیض ہے، بلکہ ہباء منثورا ہے اور تار والے تباہ شدہ لوگ ہیں، ان کا کچھ اعتبار نہیں، کیونکہ تار خبر مخبر سے وہ بابو بولتا ہے جو تار دینے کے لئے مقرر ہے اور پھر وہ تار کی کھٹ کھٹ سے دوسری جانب کے تار والے کو خبر دیتا ہے اور وہ اسی کھٹ کھٹ سے، یہ خبر مستنبط کرتا ہے، اور اسے لکھ کر اس شخص کے پاس بھیج دیتا ہے جس کے نام تار دیا گیا ہے۔ اور اکثر یہ لوگ غیر مسلم ہوتے ہیں۔

اور خبر مستفیض اس لئے حجت مانی گئی تھی کہ وہ قضاء قاضی کی نقل ہے جیسا کہ علامہ شامی نے ''درمختار'' کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: ''یہ استفاضہ نہ تو اس میں شہادت علی الشہادت ہے اور نہ قضاء قاضی کی شہادت ہے، لیکن چونکہ یہ بمنزلۂ خبر متواتر کے ہے اور اس سے ثابت ہوگیا کہ اس شہر کے لوگوں نے فلاں دن روزہ رکھا تو اس پر عمل کرنا واجب ہوگیا، کیونکہ اکثری طور پر شہر حاکم شرعی سے خالی نہیں ہوتا، پس ضرور ہے کہ ان کا روزہ اپنے حاکم شرعی کے حکم سے ہوا ہوگا، تو یہ استفاضہ گویا اسی حکم حاکم کی نقل ہے''۔

اور یہ بات تم پر پوشیدہ نہیں کہ ان شہروں میں نہ شرعی حاکم ہے نہ قاضی ہے، پس تار خبر حاکم کے حکم میں یا قضاء قاضی کی نقل نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ محض حکایت رؤیت ہے اور اس پر بھروسہ کرنا جائز نہیں۔

لیکن امام یا خطیب جامع مسجد کا قاضی کے قائم مقام ہونا تو ان شہروں میں جہاں حاکم شرعی نہیں ہے، مسلمانوں کی رضامندی سے درست اور حق ہے۔

''درمختار'' میں ہے کہ: ''اگر مسلمان ایسے شہر میں ہوں کہ وہاں حاکم نہیں تو ایک ثقہ کے قول پر روزہ رکھیں اور دو عادل گواہوں کی گواہی پر افطار کریں، جب کہ مطلع صاف نہ ہو،

بوجہ ضرورت داعیہ کے۔

اور ''عمدۃ الرعایۃ'' میں ہے: ''عالم معتمد علیہ اس شہر میں جہاں حاکم نہیں، حاکم کے قائم مقام ہے''۔

اور ''سراجیہ'' میں ہے: ''ایک شخص نے شہر سے باہر رمضان کا چاند دیکھا اور وہاں کوئی قاضی یا والی نہیں اور وہ شہر میں نہیں آیا کہ گواہی دے تو وہاں کے لوگوں پر اس شخص کے کہنے سے روزہ رکھنا لازم ہے، بشرطیکہ یہ شخص ثقہ ہو۔

اور ''ردالمحتار'' میں ''تاتارخانیہ'' سے نقل کیا ہے کہ:

''جن شہروں پر کفار حاکم ہیں، ان میں مسلمانوں کو جمعہ وعیدین کی نمازیں ادا کرنا جائز ہیں، اور مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی مقرر ہوسکتا ہے، پس مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر کوئی مسلمان والی بنالیں۔

اور ''ردالمحتار'' میں ''فتح القدیر'' سے نقل کیا ہے کہ: ''جبکہ سلطان اور وہ شخص جس کی طرف سے قاضی بنایا جاسکتا ہے نہ ہو جیسے مسلمانوں کے بعض شہروں میں آجکل ہو رہا ہے مثل قرطبہ کے تو مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ متفق ہوکر کسی شخص کو والی بنالیں، پھر وہ قاضی بنادے اور وہ مسلمانوں کے فیصلے کرے اور ایسے ہی ایک امام مقرر کرلیں جو ان کو جمعہ کی نماز پڑھادے''۔

اور ''فتاوی ہندیہ'' یعنی ''عالمگیریہ'' میں ہے: ''جن شہروں میں کفار حاکم ہیں، مسلمانوں کو ان میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے، اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوجاتا ہے، اور ان پر ضروری ہے کہ مسلمان والی مقرر کرلیں، کذا فی معراج الدرایۃ''۔

اور یہ ظاہر ہے کہ اگر مسلمان کسی کو والی بنائیں گے تو یہ محض ایک قرارداد ہوگی، کیونکہ

حقیقی والی بنانا کسی بادشاہ کافر کے متغلب ہوتے ہوئے ممکن نہیں ہے، اور جبکہ ایسی قرارداد والی کے متعلق صحیح ہے تو قاضی کے متعلق بدرجۂ اولی صحیح ہوگی۔

اور ''تاتارخانیہ'' کی عبارت صحت پر دلالت کرتی ہے، پس جس نے اس کے خلاف فتوی دیا ہے اس پر نص کا بیان کرنا لازم ہے، ورنہ وہ اپنے فتوی میں خاطی ہے۔

یہ مضمون میری طبیعت میں اس مسئلہ کے متعلق آیا ہے اور علم، علماء کی گردن پر امانت ہے، اس کو اہل ہندوغیرہ کے علماء پر پیش کیا جائے تاکہ خطا وصواب میں فرق کر دیں اور ہر ذی علم سے دوسرا ذی علم فائق ہے۔ والله سبحانه وتعالى اعلم وعلمه اتم

کتبہ عبد من عباد اللہ خادم الطلبہ

قاضی رحمت اللہ

هذا هو البيان الفصيل بين الفريقين و صحيح عندى وحقيق بالاتباع

کتبہ: نصر اللہ، مدرس دوم مدرسہ اشرفیہ، راندیر

ماقاله المجيب اللبيب فهو فيه مصيب

کتبہ العبد

محمد اسماعیل عفی عنہ، خطیب جامع، راندیر

متولی مسجد کے بارے میں

السوال

بسم الله الرحمن الرحيم

ما قولكم دام فضلكم ايها العلماء العظام والفقهاء الكرام ' زادكم الله تعالى شرفا و تعظيما ' لديه فى شأن المتولى ' بانه قبض غلة الاوقاف وفىٰ دينه بها وتصرفها فى حوائجه وما تصرفها فى حوائج المستحقين ' وباع الاوقاف ورفعها بلا وجه شرعى وترک العمارة مع الحاجة اليها ، هل تثبت خيانة بذلک وتجب اخراجه ام لا ؟

۲:......ومسجد انهدم و خرب و بقيت ساحته وعرصته ' لا ترى فيها خشبا ولا حجرا ولا عمودا وغيرها من الاشياء المقوضة ، هل يجوز بيع اصل المسجد وساحته ام لا ؟

۳:......واذا انقبض المتولى على الاوقاف ، فقبضه عليها قبض المحافظة ام قبض المالكيه ؟ فاذا كان قبضه قبض المحافظة ، فبيعه ورهنه اياها بلا وجه شرعى جائز ام لا ؟ بينوا بيانا شافيا ، توجروا اجركم الله اجرا وافيا،

الجواب الوسيط بغير افراط وتفريط ، حامدا ومصليا ، اما بعد!

قال فى العقود الدرية فى تنقيح فتاوى الحامدية (المطبوعة بطبع مصر فى ص ۲۰۰) نعم تثبت خيانته بذلک و يجب اخراجه ، فقد صرح فى البحر امتناعه من التعمير خيانة ، وصرح فى البزازية : بان عزل القاضى للخائن واجب عليه،

وقال فى الخيرية (فى ص ۱۷۲) : وفى العقود الدرر (فى ص ۲۰۰) قال فى النهر: وينزع المتولى لو خائنا اى يجب على الحاكم نزعه اذا كان غير مامون على الوقف

وكذا لو كان عاجزا نظرا للوقف ، اه ، ومثله فى الدر المختار عن الفتح ،

وفى البزازية : فان كان فى نزعه مصلحة يجب عليه اخراجه دفعا للشرر عن الوقف.......... ....عن الاسعاف ان الولاية مقيد بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لانه يخل بالمقصود ، وكذا تولية العاجز لان المقصود لا يحصل به انتهى،

والجواب عن الثانى :...... بانه لا يجوز بيع اصل المسجد وساحته اى ارض كما ذكر فى الخيرية فى ص ١٨٢ ، وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى : يبقى مسجدا ابدا الى قيام الساعة ' لا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ولا نقل ماله الى مسجد آخر ' سواء كان يصلون فيه أو لا ، وعند محمد رحمه الله تعالى يعود الى صاحبه ان كان حيا والى ورثته ان كان ميتا ' وان كان لا يعرف بانيه أو عرف و مات ولا وارث له ' واجتمع اهل المحلة على بيعه والاستعانة بثمنه فى المسجد الآخر فلا بأس به ، وتصرف اوقافه اليه ، والفتوى على قول ابى يوسف رحمه الله تعالى كما فى الحاوى القدسى،

وفى المجتبى : اكثر المشايخ على قول ابى يوسف رحمه الله تعالى ، ورجحه فى الفتح القدير بانه الاوجه ،

وفى البحر الرائق فى ص ١٧ : وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى : هو المسجد ابدا الى قيام الساعة ' لا يعود ميراثا ولا يجوز نقله و نقل ماله الى المسجد الآخر ' سواء كانوا يصلون فيه أو لا ' وهو الفتوى ' كذا فى الحاوى القدسى ،

وفى المجتبى : واكثر المشايخ على قول ابى يوسف رحمه الله تعالى ، ورجح فى فتح القدير قول ابى يوسف رحمه الله تعالى ، بانه الاوجه ،

وقال صاحب البحر فى ص ١٨ : وقال بعضهم لا يجوز بيع آلات المسجد الا

بـاذن القاضی ‘ وهو الصحيح ‘ وبه علم ان الفتوی علی قول ابی یوسف رحمه الله تعالی تابید المسجد ، وعلی قول محمد رحمه الله تعالی فی آلات المسجد ،

وقـال فـی الدر المختار (المطبوعة للطبع بمبئی ص ٥٢٠) : فـاذا تم ولزم (أی الـوقف) لا یملک ولا یعار ولا یرهن ، اه ، وقال فیه : ولو خرب حوله واستغنی عنه یبقی مسجد عند الامام ، والثانی ابدا الی قیام الساعة ‘ وبه یفتی ،

وقال فی الهدایة ص ٢٥٩ : قال واذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه ،

وقال فی الفتاوی الهندیة (مطبوعة فی دهلی فی ص ١٣٧ فی الجلد الثانی) : وقیل هو المسجد ابدا وهو الاصح ‘ کذا فی خزانة المفتیین ،

وانـا اقول فی التصفیة بین هذه الاقوال ‘ کما هو فی الخیریة (فی ص ١٧) : واما حـکـم الـمسـجد بعد خرابه و تفرق المصلین عنه ‘ فقد اختلف الشیخان فیه ، فقال محمد رحمه الله تعالی : اذا خـرب ولیـس لـه مـا ....بـه وقـد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر أو الخراب القریة أو لم تخرب ، لکن خربت القریة نقل اهلها اوستغنوا عنه ‘ یعود الی ملک الواقف ان کان موجودا ‘ أو ملک ورثته ان لم یکن ، وقال ابو یوسف رحمه الله تعالی : هو المسجد ابدا الی قیام الساعة ‘ لا یعود میراثا ولا یجوز نقله و نـقـل مـالـه الـی الـمسجد الآخر‘ سواء کانوا یصلون فیه أو لا ‘ والفتوی علی قول محمد رحمه الله تعالی فی آلات المسجد...... وعلی قول ابی یوسف رحمه الله تعالی فی ذات المسجد من حیثیة التابید ‘ اه،

وانما القاعدة الکلیة فی بیع انقاض البیع مقیدة .... لا مطلقا ‘ کما هومذکور فـی الـخیریة : لایجوز بیع انقاض ..... من حجر أو طوب أو خشب الا فی ... عند تـعـذر عوده لمحله وعند خوف هلاکه ، صرح به فی البحر قوله ویصرف نقضه الی

عمارته ' فراجعه ان شئت ' اه ،

والجواب عن السوال الثالث : ...... بان قبضته اولى قبضته المحافظه والعمارة فحسب كما ذكره صاحب الخيرية فى : ص ١٣٧ ،

وفى القنية : ضيعة موقوفة ....قبضة الحفظ و العمارة لاقبضة التملک والملک ' اه ، وهكذا موجود فى العقود الدرية فى تنقيح فتاوى الحامدية وغيرها ، وحكم البيع ظاهر بعبارات السابقة ' لا طائل تحت اعادتها مرة بعد مرة : ١٢/ هذا ما ظهر لى ، والله اعلم بالصواب وعنده علم الكتاب،

كتبه المفتقر الى رحمة الله المعين ' خادم العلماء العالمين

محى الدين' المعروف بقاضى رحمت الله عفى عنه

الامر المذكور فكما هو المسطور الجواب صحيح المجيب مصيب

كتبه : اضعف عباد الله الصمد حافظ محمد رقمه العبد الضعيف' عبد العزيزى عفى عنه

ذلک كذلک ' حرره العبد المفتقر الى رب الجليل

خادم العلماء والطلباء ' محمد اسماعيل عفى عنه

ناشزہ عورت کا نفقہ

سوال : ...... جو عورت اپنے شوہر کی نافرمان ہو اور ناشزہ ہو یعنی اپنے شوہر کے مکان سے چلی گئی اور اپنے نفس پر شوہر کو قابو نہیں دیتی' تو وہ عورت ناشزہ مستحق نفقہ کی ہے یا نہیں؟

الجواب' وبہ نستعین: ......صورت مسئولہ میں معلوم ہو کہ جو عورت اپنے شوہر کی نافرمان ہو اور ناشزہ ہو یعنی اپنے شوہر کے مکان سے چلی گئی اور اپنے نفس پر شوہر کو قابو نہیں دیتی تو وہ مستحق نفقہ کی نہیں ہے، چنانچہ کتب فقہ ''ہدایہ'' اور ''فتاوی عالمگیری'' وغیرہ کتب معتبرہ میں

اس بات کی تصریح تام ہے کہ زوجہ کے واسطے شوہر پر نفقہ واجب ہے، جبکہ زوجہ نے اپنی ذات کوشوہر کے مکان میں سپرد کر دیا ہوتو اس کا نفقہ اور لباس اور سکونت شوہر پر واجب ہوجاوے گا۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ ناشزہ اور نافرمان کا نفقہ شوہر پرواجب نہیں ہے، اسی طرح ''شرح وقایہ'' میں ہے:''لا للناشزة خرجت من بيته بغير حق ''اوراسی طرح شرح محمدیہ'' کے امیر علی ترجمہ کے ص: ۳۸ /اورص: ۳۹/ جلد ثانی میں ہے اور اسی طرح ''شرح وقایہ'' میں دوسری جگہ تصریح ہے:'' حتى لو لم توطاء كان المانع من جهتها فلم يوجد تسليم البضع فلا تجب عليه النفقة ''اس سے بھی یہ ثابت ہے کہ جب ناشزہ ہو کرعورت چلی گئی تو تسلیم بضع کا نہیں ہوا، تو نفقہ بھی واجب نہیں ہوا۔ والله اعلم بالصواب وعنده علم الكتاب۔ کتبہ عبد من عباد اللہ، خادم الطلباء

القاضی رحمت اللہ عفی عنہ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد کفایت اللہ غفرلہ	محی الدین	عبدالرحمٰن	عبداللہ عفی عنہ
مدرسہ امینیہ، دہلی	دارالعلوم بلندشہر	گودھرا	مدرس اشرفیہ، راندیر

ذلک کذلک

محمد نورالحسن کان اللہ لہ

ناشزہ کسے کہتے ہیں اوراس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے؟

سوال:......عورت ناشزہ کس کو کہتے ہیں؟ اور ناشزہ عورت کا نفقہ اور سکنی اس کے شوہر پر واجب ہے شرعا یا نہیں؟ اور اگر صورت مذکورہ میں نفقہ وغیرہ واجب نہیں ہے تو پھر کب واجب ہوگا؟

بہ نستعین، الجواب:......صورت مسئولہ میں معلوم ہو کہ ناشزہ وہ عورت ہے کہ خاوند کے مکان سے بدون اجازت کے چلی جاوے، چنانچہ درمختار میں ہے:''والخارجة من بیته بغیر حق وهی الناشزة حتی تعود ''یعنی جو عورت نکل جاوے شوہر کے مکان سے ناحق' وہ ناشزہ ہے' یہاں تک کہ شوہر کے مکان پر آجاوے۔

اور''درمختار''و''ہدایہ''و''فتاوی عالمگیری''وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ عورت ناشزہ کا نفقہ یعنی خوراکی اور لباس اور سکونت کے واسطے مکان' ناشزہ کے واسطے اس کے شوہر پر واجب نہیں ہے۔اور وہ عبارت یہ ہے:

''لا نفقة لاحدی عشرة : مرتدة و مقبلة ابنه و معتدة موت و منکوحة فاسدة وعدته واماة لم تبوء وصغیرة لم توطا والخارجة من بیته بغیر حق وهی ناشزة حتی تعود ''۔

یعنی زوج پر نفقہ واجب نہیں گیارہ عورتوں کا: زوجہ مرتدہ کا اور اس عورت کا جس نے زوجہ کے ولد کا بوسہ لیا ہو اور منکوحہ بنکاح فاسد کا اور منکوحہ عدت فاسد کا اور اس لونڈی منکوحہ کا جس کے مولی نے اس کے واسطے علیحدہ مکان رہنے کو نہیں دیا اور زوجہ صغیرہ کا جو لائق وطی اور خدمت اور موانست کے نہیں، اور نفقہ واجب نہیں اس عورت کا جو نکل گئی زوج کے گھر سے ناحق بلا عذر شرعی اور ایسی عورت کو شرع میں ناشزہ کہتے ہیں' یہاں تک کہ شوہر کے گھر میں پھر آوے۔ کتبہ عبد من عباد اللہ' خادم الطلباء

القاضی رحمت اللہ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد کفایت اللہ	عبداللہ غفرلہ	محمد عبدالمنان	محمد فیض الرحمٰن	وحید حسین

لفظ ’’اولاد‘‘ میں نواسے شامل ہیں یا نہیں؟

سوال:...... زید کے قبضہ اور تصرف میں املاک منقولہ اور غیر منقولہ موقوفہ ہیں اور اس کے دستاویز اور قبالہ میں صریح عبارت یہ ہے کہ:

’’میری اولاد در اولاد فائدہ اس املاک سے حاصل کرے اور طریقہ ہمارے آباء و اجداد کا ہے کہ پیری، مریدی، بیعت کرنی وغیرہ، فقراء اور مریدین جو آویں ان کی خدمت و مدارات کرنی ہے‘‘۔

خاص اپنی اولاد پر ہی مقید کر دیا ہے اور غیر اولاد سے نفی کی، تو صورت مسئولہ میں زید کی اولادِ بنات یعنی نواسے اور نواسیوں کو کچھ بھی حق ہے مثل اولاد زید کے یا نہیں؟

وبہ نستعین، الجواب:...... صورت مسئولہ میں زید کی اولاد بنات یعنی نواسے اور نواسیوں کو اس جائداد منقولہ اور غیر منقولہ میں شرعاً بنا بر قول مفتیٰ بہ کے کچھ حق نہیں ہے، کیونکہ قبالۂ دستاویز میں تصریح کر دی گئی ہے کہ امر انتظام وقف ہماری اولاد ہی میں رہے، اس وجہ سے زید کے نواسوں کو کچھ نہ ملے گا، کیونکہ لفظ ’’اولاد‘‘ سے اولاد بنات بقول مفتیٰ بہ خارج ہیں۔ ’’تنقیح حامدیہ‘‘ کے صفحہ:١٥٦/ جلد اول (طبع مصر) میں مرقوم ہے:

’’ قال الطرطوسی : ماحاصله ان فی دخول اولاد البنات فی لفظ الاولاد اختلاف الراوية ، ففی رواية الخصاف وهلال : يدخلون ، وفی ظاهر الرواية لا يدخلون وعليه الفتوى ، وذكر العلامة البيری : انه اختلف هل يدخل ولد البنت فی قوله : علی ولدی ولد ولدی ؟ قال فی المحيط : لايدخلون فی ظاهر الرواية وعليه الفتوى ، لانهم ينسبون الی الاب دون الام ، واعتمده فی التجنيس وكذا اعتمده المتأخرون منهم الشيخ قاسم الحنفی ، وقال هو الذی يفتی به ‘‘ انتهی ، والله اعلم

بالصواب وعنده علم الكتاب۔

کتبہ عبد من عباد اللہ' خادم الطلباء

القاضی رحمت اللہ عفی عنہ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
عبداللہ گودھروی	عبداللہ عفی عنہ	محمد نورالحسن کان اللہ لہ	محی الدین بلندشہری

قنوت نازلہ کے متعلق ایک اہم فتوی

سوال:......کیافرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

()......جب ہمارے مسلمان بھائیوں پر کافر ظالم لوگ ستم ڈھارہے ہوں، اس وقت ظالموں کے حملوں کو برباد کرنے' ان پر خدا کا غضب اور قہر اتارنے' ان کی طاقت کو برباد کرنے کے لئے جہری نمازوں کی آخری رکعت میں دعائے قنوت (قنوت نازلہ) پڑھنی چاہئے یانہیں؟

()......اگر پڑھی جائے تو امام اور مقتدی ہاتھ باندھ کر رکھیں یا کھلے چھوڑ دیں؟

()......امام دعائے قنوت کب تک پڑھے؟ ایک مہینہ تک یا مصائب کے اختتام تک؟

ان سوالات کے جوابات صحیح احادیث سے ثابت شدہ بیان کرو، اللہ پاک آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے، آمین۔

الجواب:......

(۱):...... یہ بات جان لینی چاہئے کہ سوال میں پوچھے گئے ظالموں' کافروں پر اللہ تعالی کا غضب ہو، اوران کی بربادی اور مسلمانوں کی مدد' فتح یابی کے لئے دعا کرنے کو دعائے قنوت کہتے ہیں۔

(۲)......جن نمازوں میں قرأت جہراً پڑھی جاتی ہے ایسی نمازوں کی اخیر رکعت میں رکوع سے کھڑا ہونے کے بعد (قومہ میں) حنفی مذہب کے بہ موجب ہاتھ باندھ کر زور سے دعائے قنوت پڑھے جیسا کہ علامہ مفتی مولوی کفایت اللہ صاحب اپنے رسالہ میں وضاحت کے ساتھ بیان فرما چکے ہیں۔

(۳)......دعائے قنوت پڑھنے کے لئے ایک مہینہ یا اس سے کم وبیش مدت کی کوئی تعیین نہیں ہے، بلکہ جب تک مسلمانوں پر آفات ومصائب کے بادل چھاتے رہیں تب تک پڑھا کریں، بند نہ کریں۔

''ابوداؤد شریف'' (۲۰۵/۱) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ: آپ ﷺ نے ایک مہینہ تک عشاء کی نماز میں قنوت پڑھی ہے۔ایک مہینہ کے بعد جب آپ ﷺ نے دعائے قنوت پڑھنا بند کردیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ آپ نے دعائے قنوت پڑھنا کیوں بند کردیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ وہ لوگ آچکے ہیں، یعنی ولید سلمہ وغیرہ مکہ سے چھوٹ کر مدینہ آ گئے، اس لئے دعائے قنوت بند کردی۔

اور اسی حدیث کے حاشیہ پر پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ: یہ دعا صحابہ کی رہائی کے لئے تھی، جب ان کو کفار سے رہائی مل گئی اور وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو اب دعائے قنوت پڑھنے کی ضرورت باقی نہ رہی، کیونکہ وہ تو صرف ان کی رہائی کے لئے ہی پڑھی جا رہی تھی۔

اسی طرح 'بخاری شریف'' کی شرح ''شرح قسطلانی'' (۵۱/۵) میں ہے کہ: ''بخاری شریف'' میں دعائے قنوت کا چالیس (۴۰) دن تک پڑھا جانا مذکور ہے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دعائے قنوت پڑھنے میں ایک مہینہ کی قید لگانا بالکل غلط بات ہے، لہذا جب تک مسلمان مصائب اور فتنوں میں پھنسے ہوئے ہوں تب تک ان کی مدد اور فتح یابی کی دعا ہمیشہ کرتے رہنا چاہئے۔ وہ دعاء قنوت یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِی فِیْمَنْ ھَدَیْتَ، وَعَافِنِی فِیْمَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنِی فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ، وَبَارِکْ لِیْ فِیْ مَا اَعْطَیْتَ، وَقِنِیْ شَرَّمَا قَضَیْتَ، فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَایُقْضٰی عَلَیْکَ، وَاِنَّہٗ لَایَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ، وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ، نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ، وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ، وَاَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ، وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِھِمْ، وَانْصُرْھُمْ عَلٰی عَدُوِّکَ وَعَدُوِّھِمْ، اَللّٰھُمَّ اَنْزِلِ الْکَفَرَۃَ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِکَ، وَیُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ، وَیُقَاتِلُوْنَ اَوْلِیَاءَ کَ، اَللّٰھُمَّ خَالِفْ بَیْنَ کَلِمَتِھِمْ، وَزَلْزِلْ اَقْدَامَھُمْ، وَاَنْزِلْ بِھِمْ بَأسَکَ الَّذِیْ لَا تَرُدُّہٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ۔

دعائے قنوت کا ترجمہ

اے اللہ! ہدایت کا جو راستہ ان کو ملا مجھے بھی عطا فرما، اور ان کے طفیل مجھے بھی سلامتی عنایت کر جن کو تو نے سلامتی دی، اور ان دوستوں کے اندر مجھے شامل فرما جنہیں تو نے دوست بنایا، اور جو چیزیں تو نے مجھے عطا کی ہے ان میں برکت نصیب فرما، مجھے اس برائی سے بچالے جس سے بچنے کا تو نے حکم کیا ہے، بے شک تو حکم فرماتا ہے اور آپ پر کوئی حکم کرنے والا نہیں، جسے تو دوست رکھے وہ ذلیل نہیں ہوسکتا، اور جسے تو دشمن رکھے اسے عزت نہیں مل سکتی۔ اے ہمارے رب! تو بابرکت ہے اور تیرا درجہ سب سے بلند و برتر ہے، ہم تجھ سے بخشش طلب کرتے ہیں اور تیری طرف رجوع ہوتے ہیں، اللہ کی رحمت آپ

ﷺ پر ہو۔ اے اللہ! ہمیں، ایمان والے مردوں، ایمان والی عورتوں، اور تمام تابع دار مردوں اور عورتوں کو بخش دے، ان کے دلوں میں محبت قائم فرما، اور ان کو آپس میں صلح کرادے، اور ان کی تیرے اور ان کے دشمنوں کے خلاف مدد فرما۔ اے اللہ! کافروں پر لعنت فرما جو تیرے راستہ سے روکتے ہیں، اور تیرے پیغمبروں کو جھٹلاتے ہیں، اور تیرے دوستوں سے جنگ کرتے ہیں۔ اے اللہ! ان کی جماعت میں پھوٹ ڈال دے، ان کے قدم کو ڈگمگا دے اور ان پر مصیبت نازل فرما جو گنہگار قوم سے الگ نہیں ہوتے۔

ائمۂ مساجد سے التماس

اہل ترک وگرگ کے درمیان جنگ جاری ہو چکی ہے، لہذا خدا کے لئے اور اہل اسلام کی فتح اور ترقی کے لئے مذکورہ بالا جواب میں تحریر کردہ قنوت نازلہ پڑھنا شروع کر دینا چاہئے، اور جب تک قتال جاری رہے مذکورہ دعا پڑھنا ترک نہ کرے۔ خدا تعالی حضرات ائمہ کو قنوت نازلہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بقلم:

قاضی رحمت اللہ عفا عنہ

....

نوٹ:......مصنف رحمہ اللہ کی بعض تحریر پر دو تصدیقات ملی، وہ بھی درج ہیں:

تصدیقات

مصنف رسالہ ''النفائس المرغوبہ'' کا جواب نہایت صحیح ہے اور رائے نہایت قوی ہے اور اس کی مؤید ہے یہ حدیث، جس کو حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنے ''مصنف'' میں روایت کی ہے: عن الاسود العامری عن ابیه : قال : صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ

علیه وسلم الفجر فلما سلم و رفع یدیه و دعا''الحدیث۔

اسود عامری رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی تو جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا اور ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی۔

اس حدیث سے نماز فجر کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہوگیا اور جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، ان میں بھی فرض نماز کے بعد متصل ہی دعا مانگنا افضل اور مستحب ہے، اگر فرض نماز کے بعد متصل دعا مانگ لی جائے تو سب لوگ شریک ہوجائیں، ورنہ جو لوگ اٹھ کر چلے جاتے ہیں وہ دعا سے محروم رہ جائیں گے، جیسا کہ رسالہ مذکور میں مفصل ثابت کیا گیا ہے۔

کتبہ عبد من عباد اللہ، خادم الطلباء
القاضی رحمت اللہ عفی عنہ
مہتمم مدرسہ اشرفیہ راندیر
الجواب صحیح والمجیب نجیح
(حافظ) محمد صالح، خطیب مسجد راندیر

اصاب من اجاب

اس فتوی کی عبارت من اولہ الی آخرہ میری نظر سے گذری۔ جناب مولوی سید مہدی حسن صاحب نے خوب عمدہ جواب دیتے ہوئے جہالت طرف ثانی کی بھی ظاہر کردی۔ ولایتی آدمی غریب کیا حدیث کو جانے اور کیا تطبیق کو جانے۔

باقی رہا یہ مضمون مولوی صاحب نے جانا کہ میں جہلاء میں بڑے مولوی صاحب کے

نام سے مشہور نزدیک و دور ہوں تو اہل علم کے نزدیک بھی عالموں کے زمرہ میں شمار کیا جاؤں، یہ سمجھ کر قدم فتوی نویسی میں بڑھایا، مگر اس سے مولوی صاحب نے اپنی جہالت اور ضلالت ظاہر کی۔''فافتو بغیر علم فضلوا و اضلوا''

کتبہ عبد من عباد اللہ خادم الطلباء
القاضی رحمت اللہ عفی عنہ

تحقیق المسائل

من عمدة الوسائل

اس رسالہ میں: ۱۴/۱ اہم اور مشہور اختلافی مسائل کو مع دلائل لکھا گیا ہے، اور متن وحاشیہ میں تقریبا: ۶۵/ احادیث ذکر کی گئی ہیں، اور آثار صحابہ مزید۔ الغرض مفید اور قابل مطالعہ رسالہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے کئی غلط فہمیاں دور ہوسکتی ہیں۔

حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری‘ راندیری

ترتیب‘ عنوانات‘ حواشی واضافہ

مرغوب احمد لاجپوری

عرض مرتب وتعارف کتاب

حضرات مجتہدین، خصوصا ائمۂ اربعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے امت پر جو احسانات ہیں ان سے یہ امت تا قیامت ان کی مرہون منت رہے گی، کوئی بھی انصاف پسند ان کا احسان فراموش نہیں ہوسکتا۔ ان حضرات نے قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں (اور بوقت ضرورت اجماع اوراجتہاد وقیاس سے) مسائل فقہیہ کا استنباط کر کے قیامت تک آنے والی نسل کو ایک عظیم تحفہ عنایت فرمایا کہ جب بھی کوئی دینی رہنمائی کی ضرورت پڑے ان حضرات کے مستنبط مسائل سے راہ پکڑی جاسکے۔ اللہ تعالی ان حضرات پر رحمتوں کی بارش نازل فرمائے اور پوری امت مسلمہ کی طرف سے ان کو بہتر سے بہتر بدلہ نصیب فرمائے، آمین۔

ادھر کچھ حضرات ناواقفیت کی وجہ سے اور کچھ ضد وعناد کے سبب ان کے ساتھ سوء ظن میں مبتلا ہو رہے ہیں، اور بعض محروم تو ان کی برائی کر کے اور ان پر تنقید کر کے اپنی آخرت برباد کر رہے ہیں ۔ اللہ تعالی انہیں صحیح سمجھ نصیب فرمائے اور ان کی غلط فہمیوں کو دور فرمائے۔ ہم پوری ہمدردی اور نصح و خیر خواہی کے ساتھ ان حضرات کی خدمت میں درخواست کرتے ہیں کہ برائے کرم ان حضرات ائمۂ کرام رحمہم اللہ کے ساتھ برائی اور سوء ظن کر کے اپنی آخرت کو تباہ وبرباد کرنے سے احتراز کریں۔

ان حضرات میں سے بعضوں نے ایک ظلم تو یہ کیا کہ فقہاء کے مسائل کو اور خصوصا حضرت امام ابوحنیفہ کے مسلک کو حدیث کے خلاف بتلا کر امت کو شکوک وشبہات میں ڈالنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالی جزاء خیر عطا فرمائے علماء امت کو جنہوں نے بر وقت ایسی کتابیں لکھ کر ان حضرات کے غلط نظرئے کی اصلاح فرمائی۔ اس موضوع پر بے شمار کتابیں

لکھی گئیں اور برابر لکھی جا رہی ہیں جن کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فقہاء کرام اور مسلک حنفی کے مستنبط مسائل عین قرآن وحدیث کے موافق ہیں۔حضرت مولانا قاضی سید رحمت اللہ صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے بھی خیر خواہی امت کے جذبہ سے چند رسائل تصنیف فرمائے تاکہ حنفی عوام اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ ان کا مسلک احادیث کے خلاف ہے۔

یہ رسالہ ''تحقیق المسائل من عمدۃ المسائل'' بھی ان ہی کی ایک کڑی ہے، اس میں مؤلف نے: ۱۴؍مسائل کو سوال وجواب کی طرز پر احادیث کی روشنی میں لکھا۔شروع میں حدیث کی تعریف اور اس کے اقسام کو بیان کیا۔ممکن ہے حضرت کے پیش نظر یہ بھی رہا ہو کہ معترض کی اکثریت خود حدیث اور اس کے اقسام سے ناوقف ہوگی، اس فصل سے وہ بھی حدیث کی تعریف اور اقسام سے واقف ہو جائے۔پھر صحاح ستہ اور ان کی احادیث کا حکم کیا ہیں؟ اس کو بتلایا۔فائدۂ جلیلہ کے عنوان سے ایک قابل غور بات یہ بھی لکھی کہ صحاح ستہ کے علاوہ کتابوں کی احادیث بھی قابل اعتماد ہیں۔عوام کو یہ بھی غلط بات بتائی جا رہی ہے کہ صحاح ستہ کے علاوہ کی احادیث کی کوئی اہمیت نہیں، حالانکہ صحاح ستہ کے علاوہ اور بھی بے شمار احادیث درجۂ صحت کو پہنچی ہوئی ہیں۔اس الزام کو بھی دور کیا ائمہ قرآن وحدیث کے خلاف قیاس آرائی سے کام لیتے ہیں، قرآن وحدیث میں جو حکم صراحۃً! مذکور ہو وہاں قیاس واجتہاد کی ہرگز ضرورت نہیں، جب احادیث میں تعارض نظر آئے اور قرآن کریم کے الفاظ کے معانی میں ایک سے زائد معانی کا احتمال ہوں تب اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس بات کی وضاحت بھی ضروری سمجھی کہ کیا محدثین کسی حدیث کو ضعیف کہیں تو وہ حدیث تمام طرق سے ضعیف ہوتی ہے؟ اور صاف لکھا کہ ائمۂ مجتہدین پر خلاف حدیث کرنے کا

الزام لگانا دھوکہ ہے۔اس کے بعد بعض اہم اور مشہور اختلافی مسائل مثلا:

(۱)......استنجاء کے وقت قبلہ کی جانب منہ یا پشت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲)......مسواک وضو کی سنت ہے یا نماز کی؟

(۳)......گردن پر مسح کرنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

(۴)......وضو میں صرف عمامہ پر مسح کر لینا کافی ہے یا نہیں؟

(۵)......سر کا مسح ایک مرتبہ ہے یا تین مرتبہ؟

(۶)...... پاؤں پر بغیر موزہ پہنے مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۷)...... قے، نکسیر اور پیپ، خون سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

(۸)......قہقہہ سے وضو اور نماز دونوں ٹوٹ جاتے ہیں یا صرف نماز؟

(۹)......عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

(۱۰)......شرمگاہ کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

(۱۱)...... پیشاب کے بعد ڈھیلے سے استنجاء کرنے کی تاکید ہے؟

(۱۲)......منی پاک یا ناپاک؟

(۱۳)......ناپاک زمین خشک ہو جانے سے پاک ہو جاتی ہے؟

(۱۴)......تیمّم میں دو ضربیں اور کہنیوں تک مسح کرنے کی کوئی دلیل ہے؟

وغیرہ مسائل کو بڑے عمدہ اور آسان انداز سے احادیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں لکھا۔

ان مسائل کے تحت تقریبا: ۲۷/احادیث نقل فرمائیں اور آثار ان کے علاوہ۔ کئی جگہوں پر احادیث کی صحت اور ان پر کئے جانے والے اعتراضات اور ان کے جوابات بھی دیئے۔

ایک مسئلہ کے تحت اس اہم موضوع کو بھی بیان کیا کہ دوسرے مسلک کی رعایت نہ

کرنے والے امام کی اقتدا کا کیا حکم ہے؟

ایک ضروری وضاحت

مؤلف رحمہ اللہ نے اس رسالہ کے آخر میں ''فائدۂ جدیدہ جلیلہ'' کے عنوان سے ایک سوال کا جواب دیا تھا۔ کسی معترض نے آپ کے رسالہ ''سبع سنابل'' پر یہ اشکال کیا تھا کہ نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کی دلیل میں ''ابن ابی شیبہ'' کی جو حدیث ہے اور اسی پر حنفی مسلک کا دارومدار ہے، اس کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے حضرت علقمہ رحمہ اللہ کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں، مؤلف رحمہ اللہ نے پوری وضاحت سے اس بات کو ثابت کیا کہ حضرت علقمہ رحمہ اللہ کا سماع اپنے والد سے ثابت ہے۔ اس بحث کو یہاں سے ہٹا کر رسالہ ''سبع سنابل'' کے آخر میں رکھنا مناسب سمجھا گیا۔

دوسرا عنوان ''مختصر تذکرہ مناقب امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمہ اللہ'' کا تھا، اس میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا ایک مختصر مضمون حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے متعلق تھا، اس کو بھی یہاں کے بجائے حضرت رحمہ اللہ کے دوسرے رسالہ ''تلک عشرۃ کاملۃ'' جو امام صاحب کے مناقب ہی مشتمل ہے میں شامل کرنا مناسب سمجھا گیا۔

راقم الحروف نے اس رسالہ میں جہاں مناسب سمجھا عنوانات لگائے تا کہ مطالعہ وتلاش میں آسانی ہو جائے۔ کئی جگہوں پر مزید احادیث کا اضافہ کیا، اور تقریبا: ۳۷/ احادیث بڑھا کر دلائل کو اور زیادہ مبرہن کر دیا۔ اکثر احادیث ''حدیث اور اہل حدیث'' نامی کتاب سے لی گئی ہیں، جہاں اور کتابوں سے اضافہ کیا وہاں ان کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ اللہ تعالی اس خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے، اور ذخیرۂ آخرت وذریعۂ نجات بنائے، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

تقریظ از: جناب مولانا مولوی محمد امین الدین صاحب

مہتمم مدرسہ عربیہ امینیہ دہلی سنہری مسجد

الحمد للّٰہ العلیم الرحیم ، والصلوٰۃ علی رسولہ الامی الکریم ، وعلیٰ اٰلہ وصحبہ الذین اشاعو الدّین القویم،

امابعد! بندہ نے اس رسالہ کو اکثر مواضع سے دیکھا، دلائل قویہ سے مزین اور ہر دعوے کو براہین قاطعہ سے مبرہن پایا۔ برادران حنفیہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے اور مخالفین کے لئے اگر وہ انصاف سے دیکھیں تو راہِ حق وصواب کا رہنما ہے۔

مصنف علامہ کو خدائے تعالیٰ اس کی جزاء خیر دے اور ان کی سعی وجانفشانی کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

عرض مؤلف وغرض تالیف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد للّٰہ رب العٰلمین، والصلٰوۃ والسلام علٰی سید المرسلین، وعلٰی اٰلہ واصحابہ اجمعین، لاسیّما علی المجتهدین الیٰ یوم الدین، امّا بعد!

واضح ہو کہ آج کل اکثر[1] ابناءِ زمانہ کا یہ طریقہ دیکھا جاتا ہے کہ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے مسائل اجتہادیہ پر طعن وتشنیع کرتے ہیں اور ''مشکوٰۃ'' وغیرہ کی چند معدود حدیثیں دیکھ کر اپنے کو حدیث نبوی کا بڑا ماہر عالم سمجھنے لگے ہیں اور ان کا مُأوّل[2] یا منسوخ یا ضعیف احادیث پر عمل کرنے کو بھی عمل بالحدیث کہتے ہیں، اور عوام حنفیہ کو اس طرح بہکاتے ہیں کہ دیکھو تمہارے امام کا فلاں مسئلہ حدیث کے خلاف ہے اور فلاں حکم سنت نبوی کے مخالف ہے۔

ادھر حنفیہ مقلدین چونکہ اپنے امام کے مسائل کی دلیلوں سے اور ان حدیثوں سے جو امام کے مسائل کا ماخذ تھیں واقف نہیں تھے (ہیں) اس لئے ان کے دھوکے میں آ کر خود اپنے مذہب سے بدظن ہونے لگے، اس لئے بنظر خیرخواہی اخوانِ مقلدین مناسب معلوم ہوا کہ ایک رسالہ جامعہ جس میں اختلافی مسائل کے متعلق جو احادیث کہ حنفیہ کی دلیلیں تھیں جمع کردی جائیں تاکہ مقلدین امام اعظم (رحمہ اللہ) ان حدیثوں کو یاد کرلیں اور مخالفین کے اعتراضوں کے ترکی بہ ترکی جواب دے سکیں۔ نیز حدیثوں کے علاوہ قرآن مجید یا آثار صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں جو اُس مذہب کی دلیل ہو وہ بھی بیان کردی جائے اور جو

---

[1]...... کچھ ہی حضرات ہیں، اکثر تو الحمدللہ فقہاء مجتہدین رحمہم اللہ کے متبعین ہیں۔

[2]...... مُأوّل: جس میں تاویل کی گئی ہو۔

احادیث وغیرہ نقل کی جائیں ان کا سلیس اردو ترجمہ بھی کردیا جائے تا کہ عوام آسانی سے سمجھ سکیں۔

رسالہ کے چندفوائدوخصوصیات

اس رسالہ میں خاص طور پران چندفوائد کالحاظ رکھا گیا:

فائدۂ اولیٰ:......اس رسالہ میں جس قدر حدیثیں لکھی گئی ہیں ان کے ضعف وصحت وحسن سے بھی اکثر بحث کی گئی ہے۔اور جوحدیثیں مقام استدلال میں ذکر کی گئی ہیں ان کی صحت بوجہ احسن ثابت کردی گئی ہے۔

فائدہ ثانیہ:......مذہب حنفی کے متعلق جوحدیثیں ہیں ان کو بوضاحت پورے حوالوں کے ساتھ درج کیا ہے تا کہ اس رسالہ کو دیکھنے والا مذہب حنفی کی دلیلوں سے پورے طور پر واقف ہوجائے۔

فائدہ ثالثہ:......اس میں باوجود وضاحت کے اختصار کا لحاظ رکھا گیا ہے تا کہ لوگوں کو اس کے دیکھنے سے تنگ دلی نہ ہو۔

فائدہ رابعہ:......اس میں کوئی موضوع حدیث ذکر نہیں کی گئی اوراحادیثِ مذکورہ کی صحت کو ثابت کرنے کا التزام کیا گیا ہے۔

حدیث کی تعریف اوراس کے اقسام

حدیث:......آنحضرت ﷺ کے قول وفعل کو اور ہر اس بات کو جس کی آپ نے تقریر فرمائی ہو کہتے ہیں۔آپ کے فرمان کو حدیث قولی اور فعل کو حدیث فعلی اور جس پر آپ نے سکوت فرمایا ہو اس کو حدیثِ تقریری کہتے ہیں۔[١]

حدیث کی دو قسمیں ہیں: متواتر اور آحاد۔

متواتر اس کو کہتے ہیں: جس کے راوی ہر زمانے میں اس قدر ہوں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہو جانا عقلاً محال ہو۔

اور آحاد وہ ہے کہ: اس کے راوی اس قدر نہ ہوں۔

پھر آحاد کی تین قسمیں ہیں: مشہور، عزیز، غریب۔

---

[١]......حدیث کے لفظی معنی: بات اور گفتگو کے ہیں۔علامہ جوہری ''صحاح'' میں لکھتے ہیں: ''الحدیث: الکلام قلیله و کثیره'' حدیث بات کو کہتے ہیں چاہے وہ مختصر ہو یا مفصل۔

عربی میں لفظ ''حدیث'' 'قدیم' کے مقابلے میں بھی ہے۔قدیم 'پرانے کو کہتے ہیں۔اسلامی عقیدے میں قرآن پاک کلام الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اور کلام قدیم ہے۔یہ مخلوق نہیں، لیکن حضور اکرم ﷺ کا کلام حدیث ہے قدیم نہیں۔آپ بھی اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں، آپ کی ذات حادث ہے قدیم نہیں، ذات قدیم کا کلام قدیم ہوگا اور ذات حادث کے کلام کو حدیث کہیں گے۔قرآن پاک کا غیر مخلوق ہونا اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، سو ضروری تھا کہ علم اسلامی کا دوسرا سرچشمہ حدیث کہلائے، تاکہ کلام خالق اور کلام مخلوق میں فرق عنوان میں بھی باقی رہے۔

مسلمان کلام قدیم اور کلام حدیث دونوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور دونوں کو دین میں حجت اور سند سمجھتے ہیں، ان دونوں کی اصل اللہ رب العزت کی ذات ہے۔حضور اکرم ﷺ نے خدا تعالیٰ کے نام سے جو کتاب پیش کی وہ قرآن کریم اور کلام قدیم ہے، اور اللہ تعالیٰ کی جس ہدایت کو آپ ﷺ نے اپنے الفاظ یا عمل سے ظاہر فرمایا اسے حدیث کہتے ہیں۔(آثار الحدیث ص ۳۴/۳۵/۳۶ ج١)

مشہور وہ ہے......جس کو ہر زمانے میں تین یا زیادہ آدمیوں نے روایت کیا ہو۔

عزیز وہ حدیث ہے......جس کو ہر زمانے میں دوراویوں نے رویت کیا ہو۔

غریب اس کو کہتے ہیں......جس کی سند میں کسی جگہ فقط ایک ہی راوی رہ گیا ہو۔

واضح ہو کہ حدیث متواتر سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے جس میں شک اور تردد کا دخل نہیں ہوتا۔ اور احادیث آحاد سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے۔ ہاں کسی خاص صورت میں جن لوگوں کو معرفتِ حدیث اور بصیرت حاصل ہوتی ہے، ان کو آحاد سے بھی علم یقینی حاصل ہو جاتا ہے،

آحاد میں بعض روایتیں مقبول ہوتی ہیں بعض غیر مقبول۔ مقبول کی دو قسمیں ہیں: صحیح اور حسن۔

صحیح وہ ہے......جس کے تمام راوی نیک اور پرہیزگار پختہ حافظہ والے ہوں۔ اور اس میں کوئی پوشیدہ علت اور ثقہ کی مخالفت نہ ہو۔

صحیح کے مراتب مختلف ہیں:

اول درجہ یہ ہے کہ......شیخین یعنی ''بخاری'' اور ''مسلم'' دونوں نے اس کو اپنی کتابوں میں روایت کیا ہو۔

دوسرا درجہ......فقط ''بخاری'' کی کتاب میں ہو۔

تیسرا درجہ......فقط ''مسلم'' کی کتاب میں ہو۔

چوتھا درجہ......''بخاری'' اور ''مسلم'' دونوں کی شرط کے موافق ہو۔

پانچواں درجہ......فقط ''بخاری'' کی شرط کے موافق ہو۔

چھٹا درجہ......جو صرف ''مسلم'' کی شرط کے موافق ہو۔

ساتواں درجہ......''بخاری'' و ''مسلم'' کے سوا اور ائمہ حدیث نے اس کی تصحیح کی ہو۔

حسن وہ حدیث ہے...... جس کے راوی صحیح حدیث کے راویوں جیسے ہوں، مگر حافظہ اس قدر نہ رکھتے ہوں۔

صحیح اور حسن، معمول بہ اور حجت ہونے میں برابر ہیں، یعنی صحیح حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی طرح حسن پر، اور جیسے صحیح حجت ہوتی ہے، اسی طرح حسن بھی حجت ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ صحیح کا مرتبہ حسن سے زیادہ ہے اور وہ حسن پر ترجیح رکھتی ہے۔

ضعیف حدیث وہ ہے...... جو صحیح اور حسن کے خلاف ہو۔

اور مخالفت کی بہت سی قسمیں ہیں: مثلاً اس کے راویوں کے حافظہ میں نقصان ہو یا دینداری میں قصور ہو یعنی فسق یا بدعت میں مبتلا ہوں وغیرہ۔

اگر سند میں سے کوئی راوی رہ جائے تو ابتداء میں سے رہ گیا ہے تو اس حدیث کو معلق کہیں گے۔

اور اخیر میں سے رہا ہے، یعنی تابعی رسول اللہ ﷺ سے روایت کرے، صحابی کا ذکر نہ ہو تو وہ مرسل ہے۔

اور اگر دو راوی برابر ساقط ہو جائیں تو وہ حدیث معضل ہے۔ اور نہیں تو منقطع۔ اور کبھی منقطع کو مرسل بھی کہہ دیتے ہیں۔

طعن سے مراد یہ ہے کہ...... راوی یقیناً جھوٹا ہو تو اس کی حدیث موضوع ہوگی، یا جھوٹ کی تہمت اس پر لگائی گئی ہو تو اس کی حدیث متروک کہلائے گی، یا غلطی اور غفلت سے روایت کرتا ہو یا اس کو وہم بہت ہو یا ثقہ کے خلاف روایت بیان کرتا ہو یا فاسق یا بدعتی ہو تو اس کی روایت منکر ہوگی۔

فائدہ:...... راویوں کی توثیق یا تضعیف محدثین بیان کرتے ہیں، مگر صحابی تمام ثقہ ہیں اور

''الصحابة کلهم عدول'' محدثین میں مسلم ہے۔

فائدہ:......حدیث مُدلّس وہ حدیث ہے: جس کا راوی اپنے استاد کے نام کو نہ ظاہر کرے، کسی مصلحت سے چھپا ڈالے۔

حدیثِ مضطرب وہ ہے کہ......اس کے راوی حدیث کے متن یا سند میں باہم اختلاف کریں۔

حدیثِ مدرج وہ ہے......جس میں راوی نے الفاظِ حدیث کے علاوہ کچھ اپنا کلام بھی شامل کر دیا ہو۔

حدیث معنعن وہ ہے......جس میں راوی بغیر تصریح سماع کے عن کے ساتھ روایت کریں۔

حدیث شاذ اس کو کہتے ہیں......جو ثقات کی روایت کے خلاف ہو۔

حدیثِ معلول......جس میں کوئی علت خفیہ ایسی ہو جس سے حدیث کی صحت میں نقصان آئے۔

متابع اس کو کہتے ہیں کہ......ایک راوی حدیث کو دوسرے کے موافق روایت کرے۔ اسی کو شاہد بھی کہتے ہیں۔

مرفوع وہ حدیث ہے......جو آنحضرت ﷺ کے قول یا فعل کو بیان کرے۔

موقوف وہ ہے کہ......صحابی کے قول یا فعل پر منتہی ہو جائے۔

صحاح ستہ اور ان کی احادیث کا حکم

فائدہ:......حدیث کی چھ کتابیں مشہور ہیں ان کو ''صحاح ستہ'' کہتے ہیں: (۱): صحیح بخاری، (۲): صحیح مسلم، (۳): جامع ترمذی، (۴): سنن ابوداؤد، (۵): سنن نسائی، (۶): سنن ابن ماجہ۔

اور بعض کے نزدیک ''ابن ماجہ'' صحاح میں داخل نہیں ہے۔ بجائے اس کے ''مؤطا امام مالک'' (رحمۃ اللہ علیہ) داخل ہونے کے لائق ہے۔ [۱]

''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' میں جس قدر حدیثیں ہیں صحیح ہیں یا حسن، ضعیف نہیں الا ماشاء اللہ۔ اور باقی چار کتابوں میں سب قسم کی حدیثیں ہیں۔ اور ان کو صحاح میں اس لئے داخل کیا گیا ہے کہ اکثر احادیث ان کی صحیح ہیں۔

ان چھ کتابوں کے علاوہ اور کتابیں بھی بہت ہیں، جن میں بہت سی صحیح حدیثیں موجود ہیں، مثلاً ''معجم طبرانی'' کے تینوں حصے ''سنن دار قطنی'' ''مستدرک حاکم'' ''مصنف ابن ابی شیبہ'' ''مصنف عبدالرزاق'' ''مسند دارمی'' وغیرہا، واللہ اعلم۔ [۲]

---

[۱]...... صاحب جامع الاصول علامہ ابن الاثیر نے ''صحاح ستہ'' میں ''مؤطا'' کو شامل کیا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ: ''دارمی'' زیادہ لائق ہے کہ اس کو چھٹی کتاب قرار دیا جائے ''ابن ماجہ'' اور ''مؤطا'' سے چونکہ ''دارمی'' میں بڑی عالی سندیں ہیں، اور اس میں ''بخاری'' سے بھی زیادہ ثلاثیات ہیں، نیز اس کے رجال بہت کم ضعف والے، اور احادیث منکرہ اور شاذ اس میں نادر الوجود ہیں۔

(الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح ص۱۳۹ ج۱)

[۲]...... ان کے علاوہ بھی کئی کتابیں احادیث کی اور ہیں، جیسے: صحیح ابن خزیمہ: محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیساپوری (م:۳۱۱ھ)۔ صحیح ابن السکن: حافظ ابوعلی سعید بن عثمان ابن السکن (م:۳۵۳ھ)

صحیح ابن حبان: ابوحاتم محمد بن حبان البستی (م:۳۵۴ھ)۔ صحیح ابن حبان کی احادیث کی ترتیب اور کتابوں سے قدرے مختلف تھی کہ اس میں فقہی احادیث ایک جگہ، قصص واخبار کی احادیث ایک جگہ، اوامر ونواہی کی ایک جگہ، اس لئے اس سے استفادہ مشکل تھا، چنانچہ اور کتب کی طرح ابواب کی ترتیب اس کو علی بن بلبان فاسی (م:۷۳۹ھ) نے ''الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان'' کے نام سے مرتب کیا، اس سے استفادہ آسان ہوگیا۔

مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، مسند امام اعظم ابوحنیفہ، مسند احمد بن حنبل، مسند ابی داؤد طیالسی، مسند حمیدی، مسند بزار، مسند فردوس، شرح معانی الآثار، الجامع الصغیر، کنز العمال وغیرہ۔

فائدہ جلیلہ: صحاح ستہ کے علاوہ حدیثیں قابل اعتماد نہیں‘ یہ دھوکا ہے

بعض غیر مقلدین عوام حنفیہ کو دھوکا دینے کی غرض سے کہتے ہیں کہ: صحاح ستہ میں جو حدیثیں ہیں وہ صحیح ہیں اور باقی اور کتابوں کی حدیثیں قابل اعتماد نہیں، مگر واضح رہے کہ یہ محض دھوکا ہے۔ کسی محدث نے حدیثِ صحیح کا معیار یہ نہیں بتایا ہے کہ صحاح ستہ میں جو حدیث ہو وہ صحیح، باقی غیر معتبر اور عقل ونقل کے بھی خلاف ہیں، کیونکہ اگر کوئی معتبر محدث ایسے راویوں سے روایت کرے جو صحاح ستہ کے راوی ہوں یا جن کی عدالت وغیرہ مسلم ہو اور سند میں کوئی علت خفیہ وغیرہ بھی نہ ہو تو اس کی صحت میں کیا کلام ہے۔ اس قسم کی ہزار ہا حدیثیں کتبِ حدیث میں موجود ہیں اور ائمہ حدیث نے ان کی صحت کا حکم لگایا ہے۔ محض اس وجہ سے کہ صحاح ستہ میں وہ روایتیں بیان نہیں کی گئیں کسی نے ان کو مجروح یا ضعیف نہیں کہا۔[۱]

---

[۱]...... خود حضرات شیخین امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ ہم نے استیعاب کا قصد نہیں کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”خرجت الصحيح من ستة مأة الف حديث“

یعنی میں نے چھ لاکھ احادیث سے میں سے منتخب کر کے بخاری مرتب کی ہے۔

اور فرماتے ہیں: ” لم اخرج فی هذا الكتاب الا صحيحا وما تركت من الصحيح اكثر “۔

یعنی میں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث کی تخریج کی ہے اور جن حدیثوں کو چھوڑ دیا وہ ان سے زیادہ ہیں۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۷)

اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ نے صراحت فرمائی ہے کہ:

” ليس كل شئى عندى صحيح وضعته ههنا ، انما وضعت ههنا ما اجمعوا عليه “۔

یعنی میں نے ساری وہ احادیث جو میرے نزدیک صحیح تھیں جمع نہیں کی ہیں، بلکہ صرف ان احادیث کو جمع کیا ہے جن کی صحت پر محدثین کا اجماع ہے۔ (مسلم، باب التشهد فی الصلوة)

اگر کوئی حکم قرآن مجید یا حدیث نبوی میں ملے تو ہرگز قیاس نہ کیا جائے

یہ بھی واضح رہے کہ مجتہدین اربعہ اور تمام ائمہ مجتہدین خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس قاعدہ کے قائل اور اس پر نہایت مضبوطی سے قائم ہیں کہ جب تک کوئی حکم قرآن مجید یا حدیثِ نبوی میں ملے ہرگز قیاس نہ کیا جائے۔ اور جب کہ ان دونوں میں نہ ملے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کے اقوال کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے ہیں اور احادیث میں تعارض ہونے کے وقت جہاں تک ہوسکتا ہے تطبیق دیتے ہیں اور جب تطبیق ممکن نہ ہوتو قواعد ترجیح کے موافق ترجیح دیتے ہیں۔ [۱]

غرض کہ کوئی مجتہد حدیث یا قرآن کے مقابلہ میں ہرگز قیاس سے کام نہیں لیتا۔ اس بنا پر کسی عامی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی مجتہد پر بمقابلۂ حدیث وقرآن کے قیاس کرنے کا الزام لگائے۔ ماہرین قواعد واصول فقہ پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے۔

---

[۱]...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے اصول اجتہاد ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آخذ بكتاب الله ' فما لم اجد فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ' فان لم اجد فى كتاب الله ولا سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم اخذت بقول اصحابه ' آخذ بقول من شئت منهم وادع من شئت منهم ' والا اخرج من قولهم الى قول غيرهم ، فاما اذا انتهى الامر وجاء الى ابراهيم والشعبى وابن سيرين والحسن و عطاء و سعيد بن المسيب و عدد رجالا ، فقوم اجتهدوا فاجتهد كما اجتهدوا''۔

یعنی میں کتاب اللہ کو لیتا ہوں، اگر اس میں حکم نہیں پاتا تو سنت رسول اللہ ﷺ کو لیتا ہوں، اور اگر کتاب وسنت میں حکم نہیں پاتا تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کو لیتا ہوں، ان میں سے جس قول کو چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کا قول چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، لیکن سب حضرات صحابہ کے قول کو چھوڑ کر کسی اور کے قول کو نہیں لیتا، اور جب معاملہ ابراہیم' شعبی' ابن سیرین' حسن' عطاء اور سعید بن مسیّب (رحمہم اللہ) تک -ان کے علاوہ کچھ اور نام بھی گنے- پہنچتا ہے تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔ (تاریخ بغداد ص ۳۶۸ ج ۱۳۔ حدیث اور اہل حدیث ص ۸۷)

محدثین کسی حدیث کوضعیف کہیں، تو کیا یہ حدیث بجمیع طرق ضعیف ہے؟

نیز اگر محدثین متاخرین کسی حدیث کو ضعیف کہیں تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ حدیث بجمیع طرق ضعیف ہے۔ ممکن ہے کہ اس خاص طریقہ سے ضعیف ہو مگر اس کے اور طریقے صحیح ہوں، ایسا بہت ہوتا ہے۔ اور اسی لئے شیخ عبدالحق صاحب (رحمہ اللہ) نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی حدیث کو ''بخاری، مسلم، ترمذی'' وغیرہ ضعیف کہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی ضعیف ہو، بلکہ ہوسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کو صحیح طریقے سے پہونچی اور نیچے کے کسی راوی کے ضعیف ہونے سے ''بخاری، مسلم'' کے نزدیک وہ حدیث ضعیف ہوگئی۔

ائمہ مجتہدین پر حدیث کے خلاف کرنے کا الزام لگانا دھوکا بازی ہے

امام اعظم اور اسی طرح اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کا تقویٰ اور احتیاط اور علم وفضل جب کہ یقینی طور پر ثابت ہے تو پھر ان پر حدیث کے خلاف کرنے کا الزام لگانا محض عناد اور بے با کی اور دھوکا بازی نہیں تو اور کیا ہے؟ خدائے تعالیٰ انصاف عنایت فرمائے اور بدظنی اور سبّ سلف سے مسلمانوں کو بچائے، آمین۔

استنجاء کے وقت قبلہ کی جانب منھ یا پشت کرنا جائز نہیں

سوال: ......کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شوافع وغیرہ قائل ہیں کہ: بول وبراز کے وقت قبلہ کی جانب منھ یا پشت کرنا مکانوں میں یا اور کسی پردے کی جگہ جائز ہے۔ اور حنفی کہتے ہیں کہ: قبلہ کی جانب منھ یا پشت کرنا کسی جگہ جائز نہیں۔ تو کیا حنفیہ کے پاس اس بارے میں کوئی حدیث ہے یا نہیں؟ بینوا توجرا۔

الجواب:...... حنفی مذہب کے موافق اس بارے میں بہت سی صحیح حدیثیں وارد ہیں۔ منجملہ ان کے (حضرت) ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو کتبِ صحاح میں موجود ہے، اور وہ یہ ہے:

عن ابی ایوب الانصاری عن النبی صلی الله علیه وسلم قال : إذا أتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ، ولکن شرّقوا أوغرّبوا ، قال ابو ایوب : فقدمنا الشام فوجدنا مراحیض قد بنیت نحو الکعبة فننحرف عنها ونستغفر اللّٰه تعالیٰ، متفق علیه۔[۱]

ترجمہ:...... (حضرت) ابو ایوب انصاری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تم قضاء حاجت کو جاؤ تو قبلے کی جانب نہ منھ کرو نہ پشت، لیکن مشرق یا مغرب کی جانب ہو جاؤ (یہ خطاب اہل مدینہ کے لئے ہے، کیونکہ مدینہ قبلہ سے جانب شمال میں واقع ہے، تو مشرق یا مغرب کی طرف منھ کرنے سے اہل مدینہ کے لئے استقبال واستدبار قبلہ نہ ہوگا۔ اوراسی طرح تمام وہ لوگ جو خانہ کعبہ سے شمال وجنوب میں رہتے ہیں۔(حضرت) ابوایوب انصاری (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: پھر ہم شام میں گئے، تو وہاں پاخانوں کے قدمچے قبلہ رخ بنے دیکھے، تو ہم ان سے پھر جاتے تھے اور خدا سے استغفار کرتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکان میں بھی قبلہ کی جانب منھ کرنا بول و براز کے وقت ممنوع ہے۔

ف:...... یہی مذہب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اور یہی اعتقاد (حضرت) ابو

[۱]...... یہ حدیث ''منتقیٰ'' سے نقل کی گئی ہے، اوراس میں متفق علیہ سے مراد ''بخاری''، ''مسلم''، ''مسند احمد'' کی حدیث ہوتی ہے۔ (از مؤلف رحمہ اللہ)

ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور مجاہد اور ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری اور ابوثور اور احمد (رحمہم اللہ) کا ہے، جیسا کہ (امام) نووی (رحمہ اللہ) نے ''شرح مسلم'' میں بصراحت بیان کیا ہے۔

اور ابن حزم (رحمہ اللہ) نے ''محلی شرح مؤطا'' میں ذکر کیا ہے کہ: (حضرت) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور (حضرت) ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور (حضرت) سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ اور عطاء اور اوزاعی اور سلف صالحین صحابہ وتابعین (رحمہم اللہ) کا بھی یہی قول ہے۔

اور جو حدیثیں کہ اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہیں، اور ان میں رسول اللہ ﷺ سے قبلہ کی جانب منھ یا پیٹھ کرنا منقول ہے، ان کا ''عینی'' اور ''فتح القدیر'' اور ''نیل الاوطار'' اور ''زادالمعاد'' اور ''فتح الباری'' اور ''مرقات'' میں تفصیل سے جواب دیا ہے۔

خلاصہ ان جوابوں کا یہ ہے کہ: (حضرت) ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں عام طور پر ممانعت ہے، قولی حدیث ہے اور وہ حدیثیں جن سے آنحضرت ﷺ کا قبلہ رخ ہوکر قضاء حاجت فرمانا معلوم ہوتا ہے، فعلی حدیثیں ہیں۔ اور قولی اور فعلی حدیث میں تعارض کے وقت ترجیح قولی حدیث کو ہوتی ہے، کیونکہ فعل میں احتمال تخصیص وغیرہ کا ہوتا ہے اور یہ بات قواعد اصول میں ثابت ہوچکی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول حدیث مرفوع اور اقوال صحابہ وتابعین کے موافق ہے نہ مخالف۔ اور مذہب راجح یہی ہے۔[۱]

---

[۱]...... چند اور احادیث یہ ہیں:

(۱)...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی تم میں سے قضاء حاجت کے لئے بیٹھے تو وہ ہرگز ہرگز قبلہ کی طرف رخ کرے نہ پیٹھ۔ (مسلم ص۱۳۱ ج۱)

(۲)...... حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع فرمایا کہ: ہم پاخانہ پیشاب کرتے وقت منہ قبلہ کی طرف کریں، یا ہم دائیں ہاتھ سے استنجاء کریں، یا تین پتھروں سے کم میں استنجاء

مسواک وضو کی سنت ہے یا نماز کی؟

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ شافعی ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کو سنت کہتے ہیں۔ اور حنفی وضو کے وقت سنت بتاتے ہیں' نہ نماز کے وقت۔ تو کیا حنفیوں کے پاس کوئی حدیث ان کے مدعیٰ کے موافق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

کریں، یا گوبر یا ہڈی سے استنجاء کریں۔ (مسلم۔ توضیح السنن شرح آثار السنن ص۱۹۶ ج۱)

(۳)...... حضرت معقل بن ابی معقل اسدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پیشاب' پاخانہ کرتے وقت دونوں قبلوں کی طرف رخ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد ص۳ ج۱)

(۴)...... حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے انہیں قاصد بنا کر بھیجا تو فرمایا: میرے قاصد بن کر اہل مکہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا ہے، وہ تمہیں سلام کہتے ہیں اور تین چیزوں کا حکم دیتے ہیں: (۱): غیر اللہ کی قسم نہ کھاؤ۔ (۲): جب بیت الخلاء جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پیٹھ۔ (۳): ہڈی اور مینگنی سے استنجا نہ کرو۔ (مسند احمد ص۴۸۷ ج۳)

(۵)...... حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ان سے کسی مشرک نے استہزاء کہا کہ: تمہارے صاحب تو تمہیں ہر چیز سکھلاتے ہیں' حتی کہ پیشاب' پاخانہ کا طریقہ بھی، آپ نے کہا: ہاں! نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ: ہم قبلہ کی طرف نہ رخ کریں نہ پشت۔ (دار قطنی ص۵۴ ج۱)

(۶)...... حضرت سلمہ بن وہرام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت طاؤس رحمہ اللہ کو سنا کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جب تم میں سے کوئی پاخانے کے لئے آئے تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ کے قبلہ کا اکرام کرے، نہ اس کی طرف رخ کرے نہ پشت۔ (دار قطنی ص۵۷ ج۱)

(۷)...... حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء جائے تو قبلہ کی طرف نہ رخ کرے نہ پشت۔ (مجمع الزوائد ص۲۰۵ ج۱)

(۸)...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے بیت الخلاء میں نہ قبلہ کی طرف منہ کیا' نہ پیٹھ تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک گناہ مٹا دیا جائے گا۔
(مجمع الزوائد ص۲۰۶ ج۱)

الجواب:...... مذہب حنفی کے موافق اس بارے میں صحیح حدیث موجود ہے اور وہ یہ ہے:

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال : لو لا أن اشق علی امتی لامرتهم بالسواک مع کل وضوءٍ ، رواه احمد ومالک والبخاری۔[1]

ترجمہ:...... (حضرت) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر اپنی امت پر دشوار نہ جانتا تو ان کو ہر وضو کے وقت مسواک کرنے کا حکم دے دیتا۔ (یعنی وجوب کا حکم دے دیتا ورنہ سنت تو اب بھی ہے) امام احمد اور امام مالک اور امام بخاری نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[2]

ف:...... ''نیل الاوطار'' میں ہے کہ: یہ حدیث امام نسائی اور ابن خزیمہ نے بھی روایت کی ہے، اور اس بارے میں اور حدیثیں بھی وارد ہیں۔ چنانچہ ''ترمذی'' اور ''ابوداؤد'' نے (حضرت) زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے اور امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اور ''ابونعیم'' نے عبداللہ بن عمر اور سہل بن سعد اور جابر اور انس رضی اللہ

---

[1]......البخاری تعلیقا فی کتاب الصوم۔

[2]...... چند اور احادیث یہ ہیں:

(۱)...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: اگر آپ ﷺ کی امت پر مشقت والی بات نہ ہوتی تو آپ ﷺ انہیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتے۔

(رواه مالک و اسناده صحیح ، توضیح السنن ص۲۹۷ج۱)

(۲)...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے لئے اپنی امت کو مشقت میں ڈالنے والی بات نہ ہوتی تو میں انہیں ہر نماز کے وقت وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔ (رواه ابن حبان فی صحیحه ، واسناده صحیح ، توضیح السنن ص۲۹۷ج۱)

(۳)...... حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے لئے اپنی امت کو مشقت میں ڈالنے والی بات نہ ہوتی تو انہیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔

(رواه الطبرانی فی الاوسط ، وقال الهیثمی : اسناده حسن، توضیح السنن ص۲۹۷ج۱)

عنہم سے اور ''طبرانی'' نے ابن زبیر اور ابن عمر اور جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا ہے۔ پس امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اس صحیح حدیث پر عمل ہے۔ جو لوگ ان کے قول کو حدیث کے خلاف بتاتے ہیں ان کا قول مردود ہے۔

گردن پر مسح کرنا حدیث سے ثابت ہے؟

سوال:......کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حنفیہ کے نزدیک گردن کا مسح مستحب ہے۔ اور مخالفین کہتے ہیں کہ گردن کا مسح بدعت ہے، لہٰذا اس بارے میں کوئی حدیث صریح ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:......گردن پر مسح کرنے کے بارے میں حدیث ثابت ہے۔ اور وہ یہ ہے:

عن لیث عن طلحة بن مصرف عن ابیه عن جده : انه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح ، حتى بلغ القذال وما يليه من مقدم العنق ، رواه احمد وابو داؤد۔

ترجمہ:......لیث طلحہ سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ طلحہ کے جد (رحمہم اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ: انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ: سر پر مسح فرماتے تھے یہاں تک کہ سر کے پیچھے تک ہاتھ لے گئے، اور اس کے متصل گردن کے مقدم حصہ پر بھی۔ اس حدیث کو امام احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔[۱]

---

[۱]......یہ حدیث ''طحاوی شریف'' میں بھی ہے، ص ۲۸ ج ۱۔ مسند احمد ص ۴۸۱ ج ۳۔

چند اور احادیث یہ ہیں:

(۱)......حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: حضور اکرم ﷺ نے اپنے چہرہ کو تین مرتبہ دھویا، پھر ڈاڑھی کا خلال کیا اور کانوں کے اندر مسح فرمایا، چھنگلی کان میں ڈال کرتا کہ پانی پہنچ جائے، پھر آپ ﷺ نے گردن (گدی) کا اور ڈاڑھی کے اندر کے حصہ کا مسح کیا چہرہ کے بچے ہوئے پانی سے۔ (معجم طبرانی کبیر ص ۴۲ ج ۲۲)

ف:......اگر کوئی کہے کہ: یہ حدیث ضعیف ہے قابل حجت نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ: فضائل اعمال اور استحباب ثابت کرنے کے لئے حدیث ضعیف بھی کافی ہے۔ جمہور محققین فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کا اعتبار کرتے ہیں اور مستند جانتے ہیں۔ پس حدیث مذکور سے مسح رقبہ کا استحباب ثابت ہونے میں کلام نہیں، بالخصوص جبکہ اس کے مقابلے میں کوئی دوسری قوی روایت معارض بھی نہیں۔

جواب دوم:...... یہ ہے کہ حدیث طرق کثیرہ سے مروی ہے، اس لئے درجۂ حسن کو پہنچ گئی ہے اور حسن لغیرہ سے استدلال کرنا مسلم ہے۔

اگر کوئی کہے کہ امام نووی (رحمہ اللہ) نے گردن کے مسح کو بدعت اور اس کی حدیث کو موضوع کہا ہے، اور موضوع حدیث کسی طرح قابل استدلال نہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ امام نووی (رحمہ اللہ) کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، بالخصوص جبکہ علماء شافعیہ سے بھی مسح گردن کا مستحب ہونا منقول ہے۔ اور ابن سید الناس شارح ترمذی (رحمہ اللہ) نے اس حدیث کو ''بیہقی'' کی جانب منسوب کیا ہے، اور تصریح کی ہے کہ اس میں مسح رقبہ کی زیادتی حسن ہے، اور گو علامہ مقدسی (رحمہ اللہ) نے کہا ہے کہ: لیث ضعیف ہے، مگر جواب اس کا یہ ہے کہ (امام) مسلم (رحمہ اللہ) نے اپنی کتاب میں لیث کی حدیث بیان کی ہے۔

علامہ شوکانی نے اپنی کتاب ''نیل الاوطار'' کی جلد اول ص:۱۵۹ر میں اس مضمون کو

---

(۲)......حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ: اور گردن کے اوپر کے حصہ (گدی) پر مسح کیا۔ ''وظاهر رقبته''۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار ص۱۴۰ج۱)

(۳)......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن (گدی) پر مسح کیا تو وہ قیامت کے دن طوق (پہنائے جانے) سے بچا لیا جائے گا۔ (التلخیص الحبیر ص۹۳ج۱۔ مسند فردوس مع تسدید القوس ص۴۴ج۴)

بصراحت بیان کیا ہے: وعبارته هٰكذا :

”وبجميع هٰذا نعلم ان قول النووى مسح الرقبة بدعة ، وان حديثه موضوع مجازفة ، واعجب من هٰذا قوله ولم يذكره الشافعى ولاجمهور الاصحاب ، وانما قاله ابن القاص وطائفة يسيرة ‘ فانه قال : الرؤيانى من اصحاب الشافعى فى كتابه المعروف بالبحر ، ما لفظه : قال اصحابنا هو سنة وتعقب النووى ايضا ابن الرفعة ، بان البغوى وهو من ائمة الحديث قد قال باستحبابه ، قال : ولاماخذ لاستحبابه الاخبر أو اثر ، لان هذا لا مجال للقياس فيه ، قال الحافظ : ولعل مستند البغوى فى استحباب مسح القفا ماروواه احمد وابوداؤد وذكر حديث الباب ونسب حديث الباب ابن سيدالناس فى شرح الترمذى الى البيهقى ايضا ، قال : وفيه زيادة حسنة ، وهى مسح العنق ، ثم قال : قال المقدسى : وليث متكلم فيه واجاب عن ذلک بان مسلما قد اخرج له “ انتهٰى،

کیا صرف عمامہ پر مسح کر لینا کافی ہے؟

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ مخالفین کے نزدیک فقط عمامہ پر مسح کر لینا کافی اور جائز ہے اور حنفیہ سر پر مسح کرنے کو ضروری کہتے ہیں، فقط عمامہ پر مسح کر لینا ان کے نزدیک کافی نہیں، آیا ان کے پاس کوئی حدیث ایسی ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے؟

الجواب:...... بیشک حنفیہ کے نزدیک فقط عمامہ کا مسح کافی نہیں، بلکہ سر پر مسح کرنا ضروری ہے، اور اس کے اوپر دلالت کرنے والی حدیثیں کتب احادیث میں موجود ہیں۔

عن انس رضى الله عنه قال : رأيت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يتوضا

وعليه عمامة قطريّة ، فادخل يده تحت العمامة فمسح مقدم رأسه ولم ينقض العمامة۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ:...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا۔آپ کے سر مبارک پر قطریہ عمامہ تھا تو آپ نے اپنا مبارک ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل کر کے سر کے اگلے حصے پر مسح کیا اور عمامہ نہیں کھولا۔

وعن المغيرة بن شعبة رضى الله عنه : ان النبى صلى الله عليه وسلم توضا فمسح بناصيته وعلى العمامة والخفين۔ (متفق علیہ)

ترجمہ:...... مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور ناصیہ اور عمامے اور موزوں پر مسح کیا۔ (اس حدیث کو بخاری، مسلم اور احمد نے روایت کیا ہے)

ف:...... گو اس حدیث سے عمامہ پر مسح کرنا معلوم ہوتا ہے، مگر اول تو صرف عمامہ پر نہیں ہے، بلکہ سر پر بھی مسح کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ علماء محققین نے اس کے معنی یوں بیان کئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جب سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا تو عمامہ کے پیچھے ہاتھ لگا لیا اور بعد مسح کے عمامہ کو ہاتھ سے سنبھالا۔ راوی نے خیال کیا کہ آپ (ﷺ) نے عمامہ پر مسح کیا ہے، حالانکہ وہ مسح نہیں تھا، بلکہ عمامہ کو سنبھالنا تھا۔ جیسا کہ علامہ طحاوی اور ملا علی قاری وغیرہ رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے۔ پس ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ سر کا مسح کرنا ضروری ہے، صرف عمامے پر مسح کافی نہیں ہے، کیونکہ صرف عمامے پر مسح کافی ہوتا تو اس کے نیچے ہاتھ داخل کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ جیسا کہ انس کی روایت میں مذکور ہے۔

اگر کوئی کہے کہ بعض حدیثوں سے صرف عمامہ پر مسح کرنا بھی ثابت ہوتا ہے، ان کا کیا جواب ہے؟

تو جواب یہ ہے کہ وہ حدیثیں معلول ہیں۔ابن بطال‘اصیلی (رحمہما اللہ) سے نقل کرتے ہیں کہ: مسح کی حدیث میں عمامہ کا ذکر اوزاعی کی خطا ہے، کیونکہ شیبان (رحمہ اللہ) وغیرہ نے اس حدیث کو یحيٰ (رحمہ اللہ) سے روایت کیا ہے، اور اس میں عمامہ کا ذکر نہیں ہے۔ پس ضروری ہے کہ جماعت کی روایت کا اعتبار کیا جائے، اور اوزاعی کی روایت پر اس کو ترجیح دی جائے۔ اس مضمون کو علامہ شوکانی نے ’’نیل الاوطار‘‘ کی جلد اول :ص۱۶۰/میں بتصریح بیان کیا ہے۔عبارت یہ ہے:

وقد اعل حديث عمرو بن امية المذكور فى الباب بتفرد الاوزاعى بذكر العمامة ، حتّٰى قال ابن بطال : انه قال : الاصيلى ذكر العمامة فى هذا الباب من خطأ الاوزاعى ، لأن شيبان وغيره رواه عن يحيٰ بدونها ، فوجب تغليب رواية الجماعة على الواحد ، الخ۔

اسی واسطے ’’نیل الاوطار‘‘ (جلداول:ص۱۶۱) میں علامہ شوکانی‘ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ: جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ فقط عمامہ پر مسح جائز نہیں۔اور اسی مذہب کو مہدی نے بحر میں اکثر علماء کی جانب منسوب کیا ہے۔اور امام ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں کہ: اکثر اصحاب رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ: فقط عمامہ پر مسح نہ کیا جائے ،اور یہی قول ہے سفیان ثوری اور مالک بن انس اور عبداللہ بن مبارک اور شافعی (رحمہم اللہ) کا اور اسی کو امام ابوحنیفہ نے اختیار کیا ہے۔’’نیل الاوطار‘‘ کی عبارت یہ ہے:

’’وذهب الجمهور كما قاله الحافظ فى الفتح : الى عدم جواز الاقتصار على مسح العمامة ، ونسبه المهدى فى البحر الى كثير من العلماء ، قال الترمذى : وقال غير واحد من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم : لايمسح على العمامة الا ان

یمسح براسه مع العمامة ، وهو قول سفیان الثوری ومالک ابن انس وابن المبارک والشافعی ، والیه ذهب ایضا ابوحنیفة ، واحتجوا بان اللّٰہ فرض المسح علی الرأس ، والحدیث فی العمامة محتمل التاویل ، فلایترک المتیقن للمحتمل، والمسح علی العمامة لیس بمسح علی الراس'' انتھی۔[۱]

سر کا مسح ایک مرتبہ ہے یا تین مرتبہ؟

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شافعی سر کے مسح کی تکرار (یعنی تین مرتبہ کرنے) کے قائل ہیں، اور حنفی صرف ایک مرتبہ مسح کرنے کو کافی کہتے ہیں۔ تو کیا حنفیہ

---

[۱]......قرآن کریم نے وضو میں سر کے مسح کا حکم دیا ''وامسحوا برء وسکم''

چند اور احادیث یہ ہیں:

(۱)......حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا تو اپنی پگڑی کو سر سے اوپر کیا اور سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا۔ (کتاب الام ص ۲۶ ج۱)

(۲)......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب سر پر مسح فرماتے تو ٹوپی سر سے ہٹا لیتے، اور سر کے اگلے حصہ پر مسح فرماتے۔ (دارقطنی ص ۱۰۷ ج۱، وفی التعلیق المغنی : سندہ صحیح)

(۳)......حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے پگڑی پر مسح کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جائز نہیں جب تک بالوں کے پانی سے مسح نہ کرے۔ (مؤطا امام مالک ص ۲۳)

(۴)......حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: وہ سر سے پگڑی ہٹا کر پانی سے سر پر مسح فرماتے تھے۔ (مؤطا امام مالک ص ۲۳)

(۵)......امام نافع رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: انہوں نے ابوعبید کی صاحبزادی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اہلیہ کو دیکھا کہ انہوں نے دوپٹہ سر سے ہٹا کر پانی سے سر پر مسح کیا، نافع ان دنوں بچے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے پگڑی اور دوپٹہ پر مسح کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مرد وعورت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ پگڑی پر مسح کریں، انہیں چاہئے کہ سر پر مسح کریں۔ (حوالۂ بالا)

کے مدعا پر کوئی حدیث دلالت کرتی ہے؟ اگر ہو تو بیان کی جائے۔

الجواب:......ایک بار مسح کرنا صریح وحدیث صحیح سے ثابت ہے، اور تکرار کی روایت متکلم فیہ ہے، اس سے اسدلال کرنا مستقیم نہیں۔ حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

عن ابی حیة قال: رأیت علیا رضی اللّٰہ عنه توضأ، فغسل کفیه حتی انقاهما ثم مضمض ثلاثا وغسل وجهه ثلاثا وذراعیه ثلاثا ومسح براسه مرة ثم غسل قدمیه الی الکعبین، ثم قال: احببت ان اریکم کیف کان طهور رسول اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم، رواه الترمذی وصححه، انتهٰی۔

ترجمہ:......ابوحیہ (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا تو پہلے دونوں ہاتھ دھوئے یہاں تک کہ ان کو صاف کرلیا، پھر تین مرتبہ کلی کی، اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا، اور تین مرتبہ منھ دھویا، اور تین مرتبہ دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے، اور سر پر ایک مرتبہ مسح کیا، پھر دونوں قدم ٹخنوں تک دھوئے، پھر کہا کہ: میں نے یہ چاہا کہ تم کو آنحضرت ﷺ کے وضو کی کیفیت دکھادوں۔

(ترمذی نے یہ حدیث روایت کی اور اس کو صحیح کہا)

ف:......علامہ شوکانی ''نیل الاوطار'' میں فرماتے ہیں کہ: ''ابن ماجہ'' نے یہ حدیث سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اور ابن ابی اوفی (رضی اللہ عنہ) سے بھی روایت ہے، اور ابوداؤد نے ابن ابی لیلیٰ (رحمہ اللہ) کے طریق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اور اسی طرح ابن جریج (رحمہ اللہ) کے طریق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اور اس بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں، اور یہی مذہب ہے مجاہد اور حسن بصری اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا۔ اور مؤید باللہ اور ابونصر اصحاب شافعی میں سے قائل ہیں

کہ تکرار مسح کی مستحب نہیں۔اور''بخاری''اور''مسلم'' کی حدیثیں بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سر کے مسح میں تکرار نہیں ہے، چنانچہ یہی شوکانی''نیل الاوطار''(کی جلد اول صفحہ:۱۵۵) میں تصریح کرتے ہیں۔''والانصاف ان احادیث الثلاث لم تبلغ الی درجة الاعتبار حتی یلزم التمسک بها ، لما فیها من الزیادة ، فالوقوف علی ماصح من الاحادیث الثابتة فی الصحیحین وغیرهما من حدیث عثمان وعبداللّٰہ بن زید وغیرهما هو المتعین ، لاسیما بعد تقیده فی تلک الروایات السابقة بالمرة الواحدة ، وحدیث'' من زاد أو نقص علی هذا فقد اساء وظلم'' الذی صححه ابن خزیمه وغیره قاض بالمنع من الزیادة ؟ قال بعده النبی صلی الله علیه وسلم هذه المقالة کیف وقد ورد فی روایة سعید بن منصور فی هٰذا الحدیث التصریح ، بانه مسح رأسه مرة واحدة ، ثم قال من زاد'' الخ ، انتهٰی،

اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ تین مرتبہ مسح کرنے کی حدیث پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔اور شوکانی کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تین مرتبہ مسح کرنے میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ زیادتی اور تکرار گناہ ہوجائے ، کیونکہ''سعید بن منصور'' کی روایت میں صراحت وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وضوفرمایا اور اس میں ایک مرتبہ مسح کیا اور پھر فرمایا کہ: جوشخص اس پر زیادتی کرے اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔الحاصل حنفیہ کا مذہب اس بارے میں نہایت قوی ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔[۱]

---

[۱]......کئی روایتوں میں سر کے مسح کا حکم مطلق آیا ہے ان میں نہ ایک کی صراحت ہے نہ تین کی، ان روایتوں میں ہاتھ منہ وغیرہ کے بارے میں صراحت ہے کہ تین تین مرتبہ دھویا اور سر کے مسح کے بارے میں تین کا تذکرہ نہیں ہے، ان روایات کا حاصل بھی یہی ہے سر کا مسح ایک مرتبہ ہوگا۔

چند اور احادیث یہ ہیں:

پاؤں پر بغیر موزہ پہنے مسح کرنا جائز نہیں ہے

سوال: ......کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ کہتے ہیں کہ: پاؤں پر بغیر موزہ پہنے مسح کرنا جائز ہے دھونے کی حاجت نہیں۔ اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک پاؤں دھونا ضروری ہے، بغیر موزوں کے مسح کرنا جائز نہیں۔ کیا اس بارے میں کوئی صحیح حدیث ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ......شیعوں کے مذہب کے بطلان اور اہل سنت وجماعت کے مذہب کے ثبوت میں ایک حدیث کیا بہت سی حدیثیں ہیں، جن سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ موزے نہ

(۱)......حضرت طلحہ بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ سر کا مسح ایک مرتبہ فرمایا یہاں تک کہ پیچھے گردن تک۔ (ابوداؤد ص۱۳۳)

(۲)......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ: آپ ﷺ نے تمام اعضاء کو تین تین مرتبہ دھویا اور سر کا مسح ایک مرتبہ فرمایا۔ (ابوداؤد ص۱۳۳)

(۳)......حضرت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے حضور پاک ﷺ کو دیکھا کہ آپ وضو فرما رہے تھے اور آپ نے سر کے اگلے پچھلے حصہ کا، دونوں کنپٹی کا، دونوں کانوں کا ایک ایک مرتبہ مسح کیا۔ (ترمذی ص۱۶ ج۱)

(۴)......حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: میں نے حضور پاک ﷺ کو دیکھا کہ وضو کیا اور سر کا مسح ایک بار کیا۔ (ابن ماجہ ص۳۴۔ شمائل کبریٰ ص۵۱۹ ج۶)

(۵)......راشد بن نجیح ابو محمد الحمانی نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو زاویہ میں دیکھا، تو ان سے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ کے وضو کے بارہ میں بتائیے کہ وہ کس طرح تھا؟ تحقیق مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ انہیں وضو کراتے تھے، انہوں نے کہا: ہاں! تو انہوں نے پانی منگوایا، ایک طشت اور پیالہ لایا گیا اور ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو انہوں نے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈال کر دونوں ہاتھوں کو خوب اچھی طرح دھویا، پھر تین بار کلی کی، تین بار ناک میں پانی ڈالا، اور تین بار چہرہ دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ نکال کر اسے تین بار دھویا، پھر بایاں ہاتھ تین بار دھویا اور اپنے سر کا ایک بار مسح کیا۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط، وقال الھیثمی: اسنادہ حسن، توضیح السنن ص۳۱۷ ج۱)

ہونے کی صورت میں پاؤں ٹخنوں تک دھونا ضروری ہے۔

عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال : تخلف عنا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفرۃ ، فادرکنا وقد ارھقنا العصر ، فجعلنا نتوضأ ونمسح علی ارجلنا ، قال : فنادی باعلی صوتہ" ویل للاعقاب من النار" مرتین أوثلاثا ، متفق علیہ ، ارھقنا العصر اخرناھا۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے، پھر آپ ہم سے آملے ایسے وقت کہ عصر کی نماز میں ہم سے دیر ہوگئی تھی، تو بوجہ جلدی کے ہم وضو کرنے لگیں اور پاؤں کو پونچھنے لگیں، تو آنحضرت ﷺ نے بآواز بلند فرمایا کہ: ایڑیوں کے لئے خرابی ہے عذاب دوزخ سے، دو یا تین مرتبہ یہ لفظ فرمائے۔

ف:......پس یہ حدیث اور اس جیسی بہت سی حدیثیں اس بارے میں وارد ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پاؤں دھونا فرض ہے، اور تمام اہل علم اسی کے قائل ہیں۔

امام نووی (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ: لوگ اس بارے میں چند مذاہب پر مختلف ہوئے ہیں اور تمام فقہاء جو اہل فتویٰ ہیں تمام شہروں کے اسی طرف گئے ہیں کہ پاؤں دھونا فرض ہے، بلکہ ٹخنوں کو دھونا بھی فرض ہے۔

حافظ ابن حجر (رحمہ اللہ) نے "فتح الباری" میں کہا ہے کہ: صحابہ میں سے کسی سے اس کا خلاف مروی نہیں، سوائے حضرت علی اور ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہم کے تو ان حضرات سے بھی رجوع ثابت ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلی (رحمہ اللہ) نے کہا ہے کہ: اصحاب رسول اللہ ﷺ (رضی اللہ

عنہم) کا پاؤں دھونے کے وجوب پر اجماع ہے۔ علامہ شوکانی ''نیل الاوطار'' میں اس مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''والحدیث یدل علیٰ وجوب غسل الرجلین، والیٰ ذٰلک ذھب الجمھور، قال النووی: اختلف الناس علی مذاھب: فذھب جمیع الفقھاء من اھل الفتویٰ فی الاعصار والامصار الیٰ ان الواجب غسل القدمین مع الکعبین، ولا یجزئ مسحھا، ولایحب المسح مع الغسل، ولم یثبت خلاف ھذا عن احد یعتد بہ فی الاجماع، قال الحافظ فی الفتح: ولم یثبت عن احد من الصحابة خلاف ذٰلک الا عن علی وابن عباس وانس رضی اللّٰہ عنھم وقد ثبت عنھم الرجوع عن ذٰلک، قال عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ: اجمع اصحاب رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم علی غسل القدمین، رواہ سعید بن منصور، وادعی الطحاوی وابن حزم ان المسح منسوخ۔

اس عبارت سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ پاؤں دھونا ضروری ہے اور اس پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع ہے۔ پس شیعہ اس بارے میں خارق اجماع، متبع ہوائے نفس ہیں اور بدون موزوں کے پاؤں دھونا ہی فرض ہے، واللہ اعلم۔[۱]

[۱]......قرآن پاک میں پاؤں کے دھونے کا صراحۃً حکم موجود ہے: ''وارجلکم الی الکعبین''۔ اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت (دھوؤ)۔

(۱)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص نے (دوران وضو) اپنی ایڑی نہیں دھوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایڑیوں کے لئے ہلاکت ہے آگ کی۔ (مسلم ص۱۲۵ ج۱)

(۲)......حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: آپ ﷺ نے ایک آدمی کے پیر میں نہ دھلنے کی وجہ سے خشکی دیکھی تو فرمایا: ایسی ایڑیوں پر جہنم کی وعید۔ (طحاوی ص۲۳۔ شمائل کبری ص۵۲۷ ج۶)

قے، نکسیر، پیپ اور خون ناقض وضو ہیں

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ امام شافعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور غیر مقلدین کے نزدیک سوائے اس نجاست کے جو آگے یا پیچھے سے نکلے اور کسی چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ مثلاً: قے، نکسیر، پیپ اور خون جو کہیں سے نکل آئے ان کے نزدیک ناقض نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک ان تمام چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ آیا حنفیہ کا مذہب کسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:...... جو چیز آگے یا پیچھے سے نکلے جیسے: پیشاب، منی، مذی، ودی، خون، پیپ، پائخانہ کیڑا، ریح، اس سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ رہی وہ چیزیں جو قُبل یا دُبر کے علاوہ بدن کے کسی دوسرے حصے سے نکلیں اور ناپاک ہوں حنفیہ کے نزدیک ان سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور حنفیہ کی دلیل یہ حدیثیں ہیں:

عن معدان بن ابی طلحة عن ابی الدرداء ان النبی صلی الله علیه وسلم قاء فتوضأ، فلقیت ثوبان فی مسجد دمشق فذکرت ذلک له، فقال: صدق انا صببت له وضوئه، رواه احمد والترمذی، وقال: هٰذا اصح شئ فی هٰذاالباب۔

ترجمہ:...... معدان بن ابی طلحہ (رحمہ اللہ) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی پس وضو کیا۔ معدان (رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ: پھر میں دمشق کی مسجد میں ثوبان (رضی اللہ عنہ) سے ملا اور ان سے اس قصے کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) نے ٹھیک بیان کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی میں نے ہی ڈالا تھا۔

امام احمد اور ترمذی نے یہ حدیث روایت کی اور ترمذی نے کہا کہ: اس بارے میں سب

سے زیادہ صحیح یہی روایت ہے۔

ف:......''نیل الاوطار'' میں ہے کہ جس طرح امام احمد نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، اسی طرح اصحاب سنن میں ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

اور ابن جارود اور ابن حبان اور دار قطنی اور بیہقی اور طبرانی اور ابن مندہ اور حاکم نے بھی تھوڑے فرق سے روایت کیا ہے۔

وعن اسمٰعیل بن عیاش عن ابن جریح عن ابن ابی ملیکة عن عائشة رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا قالت : قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم : من اصابه قئ أو رعاف أو قلس أو مذیٌّ فلینصرف ولیتوضأ ثم لیبن علی صلوٰة وھو فی ذلک لایتکلم ، رواه ابن ماجة والدار قطنی،

ترجمہ:......اسمٰعیل بن عیاش ابن جریح (رحمہما اللہ) سے اور وہ ابن ابی ملیکہ (رحمہ اللہ) سے اور وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جسے قے یا نکسیر یا کوئی چیز حلق سے آئے یا مذی نکلے تو چاہئے کہ نماز چھوڑ کر وضو کرے اور پھر جہاں سے چھوڑی تھی وہیں سے شروع کرلے، بشرطیکہ اس درمیان میں اس نے کلام نہ کیا ہو۔

ف:......واضح ہو کہ نماز کو بنا کرنا یعنی جہاں سے چھوڑی تھی وہیں سے شروع کرنا اس وقت جائز ہے کہ درمیان میں کلام نہ کرے، اگر کلام کرلیا تو ازسرنو نماز پڑھنی ہوگی، لیکن یہ بنا کرنا جائز ہے واجب نہیں، اگر کسی نے ازسرنو پڑھ لی تو کچھ مضائقہ نہیں، بلکہ عوام کے لئے یہی افضل ہے کہ ازسرنو پڑھ لیا کریں، شرائط بنا کی رعایت رکھنا ان سے کم متوقع ہے۔

ف:......ان حدیثوں سے واضح ہوگیا کہ سوائے ان چیزوں کے جو آگے پیچھے سے نکلیں اور

چیزیں بھی وضوتوڑنے والی ہیں، جیسے کہ پہلی حدیث میں آنحضرت ﷺ کا قے آنے سے وضوفرمانا مذکور ہے، اور دوسری حدیث میں قے' نکسیر وغیرہ سے وضوٹوٹ جانے کا صراحۃً ارشاد ہے۔

اگر کہا جائے کہ ثوبان (رضی اللہ عنہ) کی ایک روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بار قے کی اور پانی منگوا کر وضوکیا، اس پر میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا قے سے بھی وضوٹوٹتا ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ: اگراس سے وضوضروری ہوتا تو تم اس کوقرآن میں ضرور پاتے۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ قے سے وضونہیں ٹوٹتا۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ ثوبان (رضی اللہ عنہ) کی یہ روایت ''دارقطنی'' نے روایت کی ہے، مگراس کی سند میں عتبہ بن سکن ہے، اور وہ متروک الحدیث ہے۔[1] یعنی محدثین کے نزدیک ان کی حدیث لینے کے قابل نہیں ہے۔اور (امام) بیہقی (رحمہ اللہ) نے حدیث وضع کرنے کی بھی ان کی جانب نسبت کی ہے، اوراس کے علاوہ یہ روایت ان حدیثوں کے مخالف بھی ہے جن سے ایسی چیزوں سے وضوٹوٹ جانا ثابت ہوتا ہے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے اقوال بھی اس بارے میں موجود ہیں۔

فقط امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کا ہی یہ مذہب نہیں، بلکہ عشرہ مبشرہ اور عبداللہ بن مسعود اور ابن عمر اور زید بن ثابت اور ابوموسیٰ اشعری اور ابوالدرداء اور ثوبان رضی اللہ عنہم اجمعین کا بھی یہی مذہب ہے۔اور تابعین میں سے ایک جماعت اور اکثر فقہاء بھی اسی جانب گئے ہیں۔

مولوی عبدالحئ صاحب مرحوم لکھنوی (رحمہ اللہ) ''سعایہ'' کے صفحہ:۲۰۴ر میں ''عینی شرح ہدایہ'' سے نقل کرتے ہیں، عبارت یہ ہے:

---

[1]......رجعت الی سنن الدار قطنی فرأیت فیها هذه العبارة لم یروه عن الاوزاعی غیر عتبة ابن السکن وهو منکر الحدیث ، انتهٰی۔کفایت اللہ غفرلہٗ۔

”وقال ایضا : الخارج النجس عن غیر السبیلین ینتقض به الوضوء عند علمائنا، وهو قول العشرة المبشرة وعبداللّٰه بن مسعود وابن عمر وزید بن ثابت وابی موسیٰ الاشعری وابی الدرداء وثوبان وصدور التابعین ، وهوقول اکثر الفقهاء “ انتهٰی۔

اگرکوئی کہے کہ: معدان (رحمہ اللہ) کی روایت میں اضطراب ہے،اس لئے کہ معمر (رحمہ اللہ) اس کو یحیٰ بن کثیر (رحمہ اللہ) سے اور یحیٰ (رحمہ اللہ) خالد بن معدان (رحمہ اللہ) سے اور وہ ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں۔اور اوزاعی (رحمہ اللہ) کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ اور راویوں نے اس میں اوزاعی (رحمہ اللہ) کو بھی ذکر کیا ہے۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ: کسی روایت کا بعض طریقوں سے مضطرب ہونا اصل روایت کے اضطراب کو مستلزم نہیں، بلکہ اس اضطراب کا اثر اسی طریقہ پر رہے گا۔

اور علامہ جوزی (رحمہ اللہ) نے اپنی کتاب ”تحقیق“ میں لکھا ہے کہ اثرم (رحمہ اللہ) نے امام احمد بن حنبل (رحمہ اللہ) سے کہا کہ: یہ روایت مضطرب ہے،تو امام احمد (رحمہ اللہ) نے جواب دیا کہ: حسین معلم (رحمہ اللہ) نے اس روایت کو بہت خوب بیان کیا ہے۔

اسی طرح امام ترمذی (رحمہ اللہ) نے بھی اپنی ”جامع“ میں بیان کیا ہے۔عبارت ان کی یہ ہے:

” قد جود حسین المعلم هذا الحدیث ، وهو اصح شئ فی هذاالباب ، وروی معمر هذا الحدیث عن یحيٰ فاخطأ فیه ، فقال : عن یعیش بن الولید عن خالد بن معدان عن ابی الدرداء ، ولم یذکر فیه الاوزاعی ، وقال : عن خالد بن معدان ، وانما هومعدان بن ابی طلحة“۔

پس امام احمد اور ترمذی (رحمہما اللہ) کی اس قدر تصحیح سے حدیث مذکور درجۂ قبول پر پہنچ

گئی۔اسی طرح ’’سعایہ شرح وقایہ‘‘ میں مذکور ہے۔

اگر کوئی کہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جو اوپر گذری اس میں ایک راوی اسمٰعیل بن عیاش (رحمہ اللہ) ہے، جس نے اس روایت کو سند متصل سے روایت کیا ہے، مگر ’’دارقطنی‘‘ نے کہا ہے کہ: ابن جریج (رحمہ اللہ) کے شاگردوں میں سے حفاظ نے اس حدیث کو ابن جریج (رحمہ اللہ) سے اس طرح روایت کیا ہے کہ: ابن جریج (رحمہ اللہ) اپنے باپ سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، اور یہ طریق مرسل ہے۔پس اسمٰعیل بن عیاش کی روایت ان حفاظ کی روایت کے خلاف ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ علماء محدثین نے اسمٰعیل بن عیاش (رحمہ اللہ) کی توثیق کی ہے۔اور علی بن مدینی (رحمہ اللہ) نے فرمایا ہے کہ: یہ دونوں صاحب اپنے اپنے شہر میں صاحب حدیث ہیں، یعنی اسمٰعیل بن عیاش اور عبداللہ ابن لہیعہ (رحمہما اللہ) اور اسی طرح اسمٰعیل بن عیاش (رحمہ اللہ) کو یعقوب بن سفیان (رحمہ اللہ) نے بھی ثقہ کہا ہے، بلکہ عادل اور اعلم الناس بالحدیث بتایا ہے۔اور جبکہ اسمٰعیل بن عیاش (رحمہ اللہ) کا ثقہ ہونا ثابت ہوگیا تو اب ان کی روایت کی قبولیت میں کیا کلام رہا، کیونکہ ان کی روایت میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیادتی ہے، اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔

’’انهم وثقوا اسمٰعيل بن عياش ، فقد نقل عن ابن المديني انه قال : رجلان هما صاحبا حديث ببلدهما : اسمٰعيل بن عياش وعبدالله بن لهيعة ، وقال يعقوب بن سفيان : تكلم قوم في اسمٰعيل ، واسمٰعيل : ثقة عدل واعلم الناس بحديث اهل الشام ، وقال يزيد بن هارون : مارأيت احفظ من اسمٰعيل بن عياش ، ما ادرى ما سفيان الثورى ، كذا في تهذيب الكمال ، واذا ثبت توثيقه ‘ ومن المعلوم ان زيادة

الثقة مقبولة فاي قدحٍ فی زیادة عائشة فی الاسناد ، ولوسلمنا انه حدیث مرسل کما هو الاصح عند المحدثین ' فالمرسل مقبولة عندنا کذا فی البنایة'' ۱؎

قہقہہ سے وضواور نماز دونوں ٹوٹ جاتے ہیں یا صرف نماز؟

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ امام شافعی کے نزدیک رکوع سجدے والی نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنے سے فقط نماز جاتی ہے وضونہیں جاتا۔اور حنفی کہتے ہیں کہ وضواور نماز دونوں جاتے رہتے ہیں۔تو کیا حنفیہ کے دعوے پر کوئی حدیث دلیل ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب:...... واضح ہو کہ یہ مسئلہ معرکۃ الآراء ہے، اوراس میں حنفیوں کے مخالفین نے حنفیہ کو بہت کچھ خلاف شان باتیں کہی ہیں۔منجملہ اس کے ایک یہ بھی ہے کہ حنفیہ کے پاس اس مسئلہ میں کوئی حدیث نہیں ہے اور یہ مسئلہ خلاف عقل ونقل ہے،اس لئے ہم حنفیہ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ: یہ محض دھوکہ دہی ہے، آپ مخالفین کے ان دھوکوں میں نہ آئیں، اوراپنے مذہب کو چھوڑ کر اپنی عبادت ضائع نہ کریں۔اس بارے میں حدیثیں موجود ہیں۔

۱؎...... چنداوراحادیث یہ ہیں:

(۱)......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: جب کبھی ان کی نکسیر پھوٹ جاتی تو لوٹ کر وضوکرتے اور بات چیت نہ کرتے، پھرواپس آکر پڑھی ہوئی نماز پر بنا کرلیتے۔(بیہقی ص ۲۵۹ ج ۱)

(۲)......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: آپ نے فرمایا کہ: جب کسی کی نماز میں نکسیر بہہ پڑے یا قے غالب آجائے یامذی پائے تو وہ جاکر وضوکرے اورواپس آکر باقی نماز کو پڑھی ہوئی نماز پر (بنا کرتے ہوئے) پوری کرے جب تک کہ اس نے کلام نہ کیا ہو۔(مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۹ ج ۲)

(۳)......حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بہنے والے خون (کے نکلنے) سے وضو(لازم ہوجاتا) ہے۔(کامل ابن عدی ص ۱۹۳ ج ۱)

(۴)......حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ہر بہنے والے خون (کے نکلنے) سے وضو(لازم ہوجاتا) ہے۔(دارقطنی ص ۱۵۷ ج ۱)

بعض مرفوع متصل ہیں اور بعض مرسل ہیں۔اس کے علاوہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں متفرد بھی نہیں ہیں، بلکہ ایک جماعت صحابہ وتابعین کی بھی اس کی قائل ہے، جن میں حضرت ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) اور حسن بصری اور ثوری اور محمد بن سیرین اور اوزاعی اور عبید اللہ اور نخعی (رحمہم اللہ) بھی داخل ہیں۔ یہ سب علامۂ عینی (رحمہ اللہ) نے ''شرح ہدایہ'' میں بصراحت بیان کیا ہے۔

پس تعجب ہے کہ مخالفین اس مسئلہ میں حنفیہ کو حدیث کے خلاف عمل کرنے کا الزام دیتے ہیں، باوجودیکہ وہ خود حدیث کے خلاف کررہے ہیں، اور حدیث کے مقابل اپنی رائے اور قیاس کو دخل دیتے ہیں۔قہقہہ سے وضو اور نماز ٹوٹنے کی حدیث کو ایک جماعت صحابہ نے روایت کیا ہے، اور وہ حدیث یہ ہے:

عن حفصة بنت سيرين عن ابی العالية عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال : بينما رسول اللّٰه صلی الله عليه وسلم يصلی بالناس اذ دخل رجل فتردی فی حفرة كانت فی المسجد وكان فی بصره ضرر ، فضحک كثير من القوم ' وهم فی الصلوٰة ، فامر رسول اللّٰه صلی الله عليه وسلم '' من ضحک ان يعيد الوضوء والصلوٰة ''، رواه الطبرانی فی معجمه بسنده عن حفصة۔ [1]

ترجمہ:...... حفصہ بنت سیرین (رحمہا اللہ) ابوالعالیہ (رحمہ اللہ) سے اور وہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ

---

[1]...... یہ روایت مختلف طریقوں سے مروی ہے، ایک روایت میں ہے آپ ﷺ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے اور یہ واقعہ پیش آیا تو بعض حضرات زور سے ہنس پڑے۔

(طبرانی فی الکبیر مجمع الزوائد ص ۲۴۶ ج ۱۔ مصنف عبدالرزاق ص ۳۷۶ ج ۱۔ کتاب الآثار للامام ابی حنیفۃ بروایت الامام محمد ص ۳۵۔ کتاب الآثار للامام ابی حنیفۃ بروایت الامام ابی یوسف ص ۲۸)

ایک شخص مسجد میں آیا، اس کی نگاہ میں کچھ نقصان تھا، اس لئے وہ ایک گڑھے میں جو مسجد میں تھا گر گیا، اس پر بہت سے لوگ نماز میں ہنس پڑے، تو رسول اللہ ﷺ نے ہنسنے والوں کو حکم فرمایا کہ: وضو اور نماز دونوں کا اعادہ کریں۔

ف:...... اگر کوئی کہے کہ اس روایت کو ''بیہقی'' نے خلافیات میں مرسل روایت کیا ہے، اور ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) کو ذکر نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک حدیث مرسل مقبول ہے، خاص کر جب کہ ارسال کرنے والا ثقہ ہو، اور ابو العالیہ (رحمہ اللہ) ثقہ ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے طریقوں سے مرفوعاً بھی روایت کی گئی ہے۔ اور تعدد طرق سے حدیث میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ ''سعایہ'' میں مولوی عبدالحی صاحب (رحمہ اللہ) ''بنایہ'' سے نقل کرتے ہیں:

''وروی الدارقطنی عن ابی هريرة مرفوعاً : اذا قهقه اعاد الوضوء والصلوٰة''۔

یعنی ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مرفوعاً روایت ہے کہ جو نماز میں قہقہہ مار کر ہنسے وہ وضو اور نماز لوٹائے۔ ''دارقطنی'' نے اس کو روایت کیا ہے۔

ف:...... اگر کوئی کہے کہ اس کی سند میں عبدالعزیز بن حصین اور عبدالکریم بن ابی امیہ (رحمہما اللہ) ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں، تو جواب یہ ہے کہ گو یہ دونوں ضعیف ہیں، مگر اس کا جبر دوسرے طریقوں سے ہو گیا۔ اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ تعدد طرق سے حدیث درجۂ حسن کو پہنچ جاتی ہے اور دلیل بننے کی صلاحیت اس میں آ جاتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس کی اسناد میں بقیہ (رحمہ اللہ) بھی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ بقیہ (رحمہ اللہ) اگر مشہور شخصوں سے بلفظ ''حدثنا'' روایت کرے تو حدیث مقبول ہوتی ہے۔ اور (امام) مسلم (رحمہ اللہ) نے اس کی متابعت کو روایت کیا ہے، پس اس حدیث میں اب کوئی خلل نہیں رہا،

عورت کے چھونے سے وضوٹوٹ جاتا ہے یانہیں؟

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام شافعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک عورت کو چھونے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔اور حنفیہ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔تو حنفیہ کی اس مسئلہ میں کیا دلیل ہے؟ بینوا توجرا۔

الجواب:...... حنفی مذہب کے ثبوت میں صحاح ستہ وغیرہا میں صحیح حدیثیں موجود ہیں،اور وہ یہ ہیں:

عن ابراهيم التيمى : عن عائشه رضى اللّٰه عنها : ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يقبّل بعض ازواجه ثم يصلى ولا يتوضاً، رواه احمد والترمذى وابوداؤد والسنائى،

ترجمہ:...... ابراہیم تیمی (رحمہ اللہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ بعض ازواج کا بوسہ لیتے اور وضو نہ کرتے ویسے ہی نماز پڑھ لیتے۔امام احمداور ترمذی اور ابوداؤداور نسائی نے اس حدیث کوروایت کیا ہے۔

ف:...... اس حدیث سے عورت کو چھونا اور وضو نہ کرنا خودآنحضرت ﷺ سے ثابت ہوگیا۔اگرکوئی کہے کہ یہ حدیث مرسل ہے،کیونکہ ابراہیم تیمی (رحمہ اللہ) کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں ہے۔تو جواب یہ ہے کہ مرسل ہونا اس کا مضرنہیں ہے۔ ہمارے یہاں حدیث مرسل حجت ہے۔اس کے علاوہ اور حدیثیں بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔منجملہ ان کے یہ حدیث ہے:

عن عائشة رضى اللّٰه عنها قالت : ان كان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ليصلى وانى لمعترضة بين يديه اعتراض الجنازة ، حتى اذا أراد ان يوتر مسني

برجله، رواه النسائي،

ترجمہ:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے اور میں آپ کے سامنے جنازے کی طرح لیٹی رہتی تھی، پھر جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو مجھے پاؤں سے چھودیتے۔

ف:......قاضی شوکانی ''نیل الاوطار'' (جلد اول کے صفحہ:١٩١ میں) ''تلخیص'' سے نقل کرتے ہیں کہ: یہ حدیث صحیح ہے، اور اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ عبارت یہ ہے:

''قال الحافظ فی التلخیص : اسناده صحیح ، وفيه دليل على ان مس المرأة لاينقض الوضوء''۔

حافظ ابن حجر (رحمہ اللہ) کی اس عبارت سے ثابت ہوگیا کہ حنفیہ کا مذہب حدیث صحیح سے ماخوذ ہے، اور اس مسئلہ میں بھی ان کا مذہب مخالفین کے طعن غیر ملایم سے مبرّا ہے۔

عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت : فقدت رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة من الفراش فالتمسته ، فوضعت يدى على باطن قدميه وهو فى المسجد وهما منصوبتان ، رواه مسلم والترمذى وصححه۔

ترجمہ:......حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ: ایک رات میں نے آنحضرت ﷺ کو بستر پر نہ پایا، تلاش کیا تو میرے ہاتھ آپ کے تلووں کو لگے۔ آپ مسجد میں تھے اور پاؤں کھڑے تھے، یعنی آپ سجدہ میں تھے۔

(مسلم اور ترمذی نے اسے روایت کیا اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے)

ف:...... دیکھو یہ حدیث بھی صحیح ہے، اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر بصراحت دلالت کرتی ہے۔ اب کیا کوئی مخالف کہہ سکتا ہے کہ حنفیہ کا مذہب بے دلیل ہے؟

شرمگاہ چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ وضو کی حالت میں بغیر پردے کے شرمگاہ چھونے سے امام شافعی صاحب وغیرہ کے نزدیک وضوٹوٹ جاتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ اس مسئلہ میں حنفیہ کی دلیل کیا ہے؟ بینوا توجرا۔

الجواب:...... بیشک حنفیہ کے نزدیک شرمگاہ چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس مسئلہ میں بہت سے صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین حنفیہ کے ساتھ ہیں۔

علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی اور سعد اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم سے روایت کی ہے کہ: شرمگاہ چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور عمار اور حذیفہ اور سعید بن المسیب اور عطاء اور عکرمہ اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کا یہ ہی مذہب ہے۔

اور امام محمد بن الحسن شیبانی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت علی اور ابن عباس اور حذیفہ اور عمران بن حصین (رضی اللہ عنہم) سے روایت کی ہے کہ: یہ سب حضرات فرماتے تھے کہ: ہمیں کچھ پروا اور خیال نہیں ہوتا، خواہ ہم ذکر کو چھوئیں یا ناک کو۔ یعنی دونوں کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

اسی طرح ابن ابی شیبہ نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے کہ: ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو، انہوں نے فرمایا کہ: اس میں یعنی ذکر چھونے میں کوئی حرج نہیں (یعنی وضو نہیں ٹوٹتا)۔

اور ابن ابی شیبہ نے عمار (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے کہ: ان سے نماز میں ذکر چھونے کا حکم پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ: وہ بھی تیرے بدن کا ایک ٹکڑا ہے (یعنی جیسے بدن کے اور حصوں کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اسی طرح ذکر کے چھونے سے بھی وضو

نہیں ٹوٹے گا)۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔اورسعید بن مصنور نے بھی حضرت ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

غرض اس بارے میں بہت سی روایات موقوفہ اور مرفوعہ ہیں۔موقوفہ روایتیں بھی حکماً مرفوع ہیں، کیونکہ ایسے احکام میں جو قیاس سے باہر ہوں موقوف روایت بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔" کماصرح الامام الرازی فی المحصول وجلال الدین السیوطی فی بعض تصانیفه"۔

مرفوع روایتوں میں سے بعض روایتیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

عن ابی امامة رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال : سئل رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم عن مس الذکر، فقال : ((انما هو جزء منک)) ، رواه ابن ماجة وابن ابی شیبة۔

ترجمہ:......(حضرت) ابوامامہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ سے ذکر چھونے کا حکم پوچھا گیا،تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: وہ بھی تیرے بدن کا ایک جزو ہے، (یعنی جیسے بدن کے کسی اور جزو کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ،ایسے ہی ذکر چھونے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا)۔اس حدیث کوابن ماجہ اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

وعن قیس بن طلق : ان اباه حدثه ان رجلا سأل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن رجل مس ذکره أیتوضأ ؟ قال : هل هو الا بضعة من جسدک، رواه محمد فی الموطأ۔

ترجمہ: ......(حضرت) قیس بن طلق (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ: ان کے والد یعنی

(حضرت) طلق (رضی اللہ عنہ) نے ان سے حدیث بیان کی کہ: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص ذکر کو چھوئے تو کیا وضو کرے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: وہ بھی تو تیرے بدن کا ایک ٹکڑا ہے۔اس حدیث کو امام محمد نے ''مؤطا'' میں روایت کیا ہے۔

وعن قيس بن طلق عن ابيه قال : سمعت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم سئل عن مس الذكر ؟ قال : ليس فيه وضوء انما هو منكر ، رواه ابن ماجه۔

ترجمہ:......(حضرت) قیس بن طلق (رضی اللہ عنہ) اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ: انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کئے جاتے ہوئے سنا کہ ذکر چھونے سے وضو آتا ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ: اس میں وضو نہیں آتا وہ بھی تو تیرے بدن میں سے ہی ایک حصہ ہے،

وعن طلق بن علي قال : خرجنا وفدا حتى قدمنا رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم فبايعناه وصلينا معه ، فلما قضى الصلٰوة جاء رجل كأنه بدوي ، فقال : يا رسول اللّٰه ! ماترى فى رجل مس ذكره فى الصلٰوة ؟ قال : وهل هو الامضغة منك او بضعة منك ، رواه النسائى۔

ترجمہ:......(حضرت) طلق بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم ایک جماعت بن کر نکلے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بیعت کی اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک بدوی جیسا آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو اپنا ذکر نماز میں چھوئے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ: وہ تیرے بدن کا ٹکڑا ہی تو ہے۔

اس حدیث کو ''نسائی'' نے روایت کیا۔اسی طرح ''ترمذی'' نے بھی یہ حدیث روایت

کی ہے، اور روایت کر کے کہا کہ: عمدہ سے عمدہ حدیث اس بارے میں یہی ہے۔

اور بہت سے صحابہ اور بعض تابعین سے منقول ہے کہ وہ ذکر چھونے سے وضوٹوٹنے کے قائل نہ تھے۔ اور عبداللہ ابن مبارک (رحمہ اللہ) اور اہل کوفہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ''ترمذی'' کی عبارت یہ ہے۔

قد روی عن غیر واحد من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم و بعض التابعین انھم لم یروا الوضوء من مس الذکر، وھو قول ابن المبارک واھل الکوفۃ، وھذ الحدیث احسن شیءٍ روی فی ھذا الباب، وقدروی ھذا الحدیث أیوب بن عتبۃ ومحمد بن جابر عن قیس، وقد تکلم بعض اھل الحدیث فی ایوب ومحمد، وحدیث ملازم بن عمرو عن عبداللہ بن بدر اصح واحسن۔

اسی طرح ''ابوداؤد'' نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''بلوغ المرام'' میں علی بن مدینی (رحمہ اللہ) سے نقل کیا ہے کہ: انھوں نے اس حدیث کو اصح کہا ہے۔

پس حنفیہ کا قول ان روایات مرفوعہ صریحہ سے ثابت ہوگیا اور مخالفین کو مجال طعن وتشنیع کی نہیں رہی۔ یہ تمام باتیں ''عینی' حاشیہ ہدایہ' اور'' سعایہ حاشیہ شرح وقایہ'' اور'' نیل الاوطار'' میں بصراحت مذکور ہیں۔ ۱

پیشاب کے بعد ڈھیلے سے استنجا کرنے کی بہت تاکید ہے

سوال: ......حنفیہ کے یہاں پیشاب کے بعد ڈھیلے سے استنجا کرنے کی بہت تاکید کی جاتی

۱......حکیم بن سلمہ بنوحنیفہ کے ایک شخص سے جسے جری کہا جاتا ہے روایت کرتے ہیں کہ: ایک صاحب نبی ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! بسا اوقات میں نماز میں مشغول ہوتا ہوں اور میرا ہاتھ شرمگاہ پر پڑ جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نماز جاری رکھا کرو۔ (اعلاء السنن ص۱۱۹ ج۱)

ہے اوراس کے بعد پانی سے استنجا کرنا بھی مسنون کہتے ہیں۔ آیا اس بارے میں آنحضرت ﷺ یا خلفاء راشدین یا دیگر صحابہ کرام سے کچھ ثابت ہے؟ اگر ثابت ہوتو بیان کیا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: ......اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے نہایت احتیاط اور تاکید کا حکم ثابت ہے۔ ''دارقطنی'' اور ''حاکم'' وغیرہما نے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے کہ: آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ: پیشاب سے بہت بچا کرو، کیونکہ اکثر عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔

یہ حدیث چند صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے۔ اور ''حاکم'' نے اس حدیث کو روایت کر کے کہا ہے: ''ھذا حدیث صحیح علی شرطھما ''یعنی یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرائط کے موافق صحیح ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے: ''ولا اعرف بہ علّۃ ''یعنی میں اس میں کوئی علت نہیں سمجھتا۔

اور یہ حدیث تو صحاح ستہ میں موجود ہے کہ: آنحضرت ﷺ دو قبروں کے پاس سے گذریں اور فرمایا کہ: ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہورہا ہے، اور کچھ بڑی مشکل بات نہ تھی جس میں عذاب ہوا ہے: ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا' اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا،

غرض کہ ان حدیثوں سے پیشاب کے بارے میں نہایت احتیاط اور اس سے بچنے کی تاکید شدید سمجھ میں آتی ہے، اور اس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ پیشاب سے بچنے میں بہت غور اور خیال سے کام لیا جائے۔ اور ڈھیلے سے استنجاء کرنا ظاہر ہے کہ احتیاط پر مبنی ہے، کیونکہ فقط پانی پر اکتفا کرنے سے بسا اوقات کچھ دیر میں قطرہ آکر بدن اور کپڑوں کو ناپاک کرے گا۔ اور خاص کر ضعیف القویٰ اور ضعیف المثانہ کے حق میں تو پانی پر اکتفا کرنا خلاف عقل ونقل ہے، ایسے شخص پر جس کو جلد جلد قطرہ آتا ہو یا پیشاب کے بعد کچھ دیر تک قطرہ آتا رہتا ہو

واجب ہے کہ ڈھیلے سے خوب تنقیہ کرکے پانی سے استنجا کیا کرے، ''مظاہر حق'' میں ملا علی قاری (رحمہ اللہ) اور مولانا عبد الحق (صاحب رحمہ اللہ) سے اس طرح منقول ہے۔

''جامع ترمذی'' میں ہے کہ: اگر ڈھیلے اور پتھر سے اس طرح استنجا کرلے کہ پیشاب و پاخانہ کا اثر جاتا رہے تو پانی سے استنجا کرنے کی حاجت نہیں، فقط ڈھیلے سے استنجا کرلینا کافی ہے۔ عبارت یہ ہے:

واکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم ومن بعدھم رأوا أن الاستنجاء بالحجارۃ یجزی وان لم یستنج بالماء اذا انقی اثر الغائط والبول۔

یعنی صحابہ اور ان کے بعد اکثر اہل علم فقط ڈھیلے سے استنجا کرلینا کافی سمجھتے ہیں، جبکہ پاخانہ' پیشاب کا اثر صاف کردیا جائے، اگرچہ اس کے بعد پانی سے بھی استنجاء نہ کیا جائے،

اور فتاویٰ مولوی عبد الحی صاحب مرحوم لکھنوی کی جلد ثالث صفحہ: ۳۵ر میں ہے کہ:

''بیہقی'' نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے کہ وہ بعد پیشاب کے پتھر یا اس جیسی کسی شے سے استنجاء کرتے تھے۔ پس بمقتضائے: ''**علیکم بسنّتی وسنّة الخلفاء الراشدین من بعدی**'' اس پر عمل کرنا اور خلیفۂ دوم کی سنت کو لازم پکڑنا ثابت ہوگیا۔

وفی شرح النقایة لعلي القاری : رواہ البیھقی ، وقال : انه اصح ما فی الباب واعلاہ أی سندا عن مولی عمر، قال : کان عمر اذا بال قال : ناولنی شیئا أستنجي به فأناوله العود أو الحجر أو یأتی حائطا یمسح به أو یمسه الارض ، انتھٰی۔

ترجمہ:...... ملا علی قاری (رحمہ اللہ) ''شرح نقایہ'' میں لکھتے ہیں کہ: ''بیہقی'' نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ: یہ حدیث اس بات میں ازروئے سند اعلیٰ درجہ کی ہے کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے مولیٰ کہتے ہیں کہ: جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) پیشاب کرتے، تو فرماتے :

مجھے کوئی چیز دے دو کہ میں اس سے استنجا کروں، تو میں ان کو لکڑی یا پتھر دے دیتا، یا وہ خود دیوار سے رگڑ دیتے، یا زمین سے پونچھ دیتے۔

اوراسی طرح ''رسائل الارکان'' میں ہے:

ففی البول الاستنجاء بالحجر ألزم ، وقد روی البیهقی عن مولی امیر المومنین عمر قال : کان عمر اذا بال قال : ناولنی شیئا استنجی به ، فأناوله العود أو الحجر أو یأتی حائطا یمسح به أو یمسه الارض، قال البیهقی : هذا أصح مافي الباب۔

ترجمہ:...... پس پیشاب کے بعد پتھر سے استنجا کرنا زیادہ ضروری ہے۔اور ''بیہقی'' نے حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے مولی سے روایت کی ہے،انہوں نے بیان کیا کہ: جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) پیشاب کرتے تو مجھ سے فرماتے کہ: مجھے کوئی چیز دیدے کہ اس سے استنجا کروں، میں آپ کو لکڑی یا پتھر دے دیتا، یا وہ خود دیوار کے پاس جا کر رگڑ دیتے، یا زمین سے پونچھ دیتے۔ ''بیہقی'' نے اس کو روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس باب میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان سب میں یہ زیادہ صحیح ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے ثابت ہوگیا کہ پیشاب کے بعد پتھر یا اس جیسی کسی دوسری چیز سے استنجاء صحابہ کا فعل ہے،اور چونکہ پیشاب کے بارے میں شریعت میں بہت سختی اور نہایت احتیاط اور تاکید فرمائی گئی ہے، اس لئے تمام مسلمانوں کو لازم ہے کہ ڈھیلے سے استنجا کرنے کو لازم کرلیں اور اس کا خلاف کر کے خوف عذاب میں مبتلا نہ ہوں۔

منی' پاک ہے یا ناپاک؟

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ مذہب حنفی میں منی ناپاک ہے اور کپڑے یا بدن پر منی خشک ہوجائے تو بشرط اس قدر غلیظ ہونے کے کہ رگڑنے سے اس کا

اثر زائل ہوجائے تو رگڑ دینے سے کپڑا اور بدن پاک ہوجاتا ہے۔ ہاں اگر منی رقیق ہو یا ابھی تر ہو تو بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتی۔ اور مخالفین کے نزدیک منی پاک ہے خواہ غلیظ ہو یا رقیق، تر ہو یا خشک۔ تو مذہب حنفی کے موافق کوئی حدیث ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:...... بیشک حنفیہ کے نزدیک منی جب تک تر ہو یا اس قدر پتلی ہو کہ رگڑنے سے اس کا اثر زائل نہ ہو تو بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتی۔ ہاں گاڑھی منی بعد خشک ہوجانے کے رگڑ دینے اور اثر زائل ہوجانے سے پاک ہوجاتی ہے۔ اور اس مذہب پر دلالت کرنے والی حدیثیں یہ ہیں۔

عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت : كنت اغسله من ثوب رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ثم يخرج الى الصَّلٰوة واثر الغسل فى ثوبه بقع الماء ، متفق عليه۔

ترجمہ:...... حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ: میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پر لگی ہوئی منی کو دھوتی تھی، پھر آپ اس کپڑے کو لے کر نماز کو تشریف لے جاتے تھے، حالانکہ دھونے کا نشان یعنی پانی کے دھبے کپڑے پر باقی ہوتے تھے۔

اسی طرح علامہ امام طحاوی (رحمہ اللہ) نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ اور ''ابوداوٗد'' وغیرہ میں بھی دھونے کی روایت موجود ہے۔ اور خشک منی کو رگڑ دینے سے پاک ہوجانا اس حدیث میں صراحۃً موجود ہے۔

عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت : كنت أفرك المني من ثوب رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ثم يذهب فيصلى فيه ، رواه الجماعة الا البخاري۔

ترجمہ:...... حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ: میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پر سے منی کو رگڑ دیتی تھی پھر آپ تشریف لے جاتے اور اسی کپڑے میں نماز

پڑھتے ۔روایت کیا اس کو امام احمد اور مسلم اور ترمذی اور ابو داؤد اور نسائی اور ابن ماجہ نے ۔
ف:......اگر کسی کو شبہ ہو کہ دھونے کی حدیث میں تر ہونے اور رگڑنے کی حدیث میں خشک ہونے کا ذکر نہیں ہے، پھر حنفیوں نے یہ قیدیں کہاں سے لگائی ہیں؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ قیدیں بھی حدیث میں موجود ہیں، اور وہ حدیث ''نیل الاوطار'' میں ''دار قطنی'' سے اس طرح نقل کی گئی ہے:

وللدار قطني عنها قالت كنت افرک المنی من ثوب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یابسا واغسله اذا کان رطبا،

ترجمہ:......''دارقطنی'' نے (حضرت) عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس طرح روایت کی ہے کہ: انہوں نے کہا: میں آنحضرت ﷺ کے کپڑے پر سے منی کو جبکہ خشک ہوتی رگڑ دیتی اور جب تر ہوتی تو دھوڈالتی ۔

اور ''نیل الاوطار'' میں ہے (حضرات) امام مالک اور عترت اور لیث (رحمہم اللہ) اور صحابہ میں سے حضرت عمر بن الخطاب اور ابو ہریرہ اور انس اور سعید بن المسیب رضی اللہ عنہم منی کی نجاست کے قائل ہیں ۔پھر لکھتے ہیں: ''فالصواب ان المنی نجس ''یعنی ٹھیک بات یہ ہے کہ منی نجس ہے۔

اور مسند ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شرح میں ملا علی قاری (رحمہ اللہ) لکھتے ہیں:

والاصح من مذهب الشافعی واحمد طهارة المنی مستدلا بما رواه الدار قطنی موقوفاً علی ابن عباس ، ورُوي مرفوعًا ولایثبت ، واخرجه البیهقی من طریق الشافعی موقوفا ، وقال : هو الصحیح،

یعنی امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے مذہب میں اصح یہ ہے کہ منی پاک ہے، اور ان کی دلیل وہ روایت ہے جو ''دار قطنی'' نے (حضرت) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے موقوفاً

روایت کی ہے، اور مرفوعاً بھی روایت ہے، مگر وہ ثابت نہیں۔ اور ''بیہقی'' نے بھی امام شافعی (رحمہ اللہ) کے طریقہ سے موقوف روایت کرکے اس کو صحیح کہا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تو منی کا دھونا بیشک ثابت ہے، مگر آنحضرت ﷺ سے دھونا یا دھونے کا حکم فرمانا ثابت نہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ: اول تو یہ بات ظاہر کے خلاف ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں بتصریح ثابت ہے کہ کپڑا دھونے کے بعد آنحضرت ﷺ اسی کپڑے کو اوڑھ کر اور پہن کر نماز کو جاتے اور پانی کے نشان اس میں باقی ہوتے۔ پس ایسی حالت میں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو خبر نہ ہوئی ہو کہ یہ کپڑا کیوں دھویا گیا ہے؟ اس کے علاوہ خود آنحضرت ﷺ سے بھی منی کا دھونا ثابت ہے۔ ''شرح مسند ابی حنیفہ'' میں ملا علی قاری (رحمہ اللہ) لکھتے ہیں:

وفي مسلم : انه عليه الصلٰوة والسلام كان يغسل المني ثم يخرج الى الصلٰوة فى ذالک الثوب وانا انظر الى اثر الغسل فيه۔

ترجمہ:...... ''صحیح مسلم'' میں ہے کہ آنحضرت ﷺ منی کو دھوتے، پھر اسی کپڑے میں نماز کو تشریف لے جاتے اور میں دھونے کا نشان کپڑے میں دیکھتی ہوتی۔

اگر کوئی کہے کہ: اچھا منی کا دھونا تو ثابت ہوگیا، مگر اس کی نجاست کہاں سے ثابت ہوئی؟ دھونا اس کے نجس ہونے کو مستلزم نہیں، ممکن ہے کراہت طبعی اور نفرت کی وجہ سے دھوئی جاتی ہو، چنانچہ بعض روایتوں سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ اس میں منی کو بمنزلۂ ناک وتھوک کے کہا گیا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ جن روایتوں سے یہ بات سمجھی جاتی ہے وہ سب موقوف ہیں۔ کسی حدیث مرفوع صحیح سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی اور اس کے خلاف

پر دلیل موجود ہے۔ ''شرح مسند امام ابی حنیفہ'' میں ملا علی قاری (رحمہ اللہ) کہتے ہیں۔

وروی الدار قطنی عن عماربن یاسر قال : اتی علي رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم وانا علی بیر ادلو فی ماء رکوة ، فقال : یا عمار ما تصنع ؟ قلت : یا رسول اللّٰہ بابی وامی اغسل ثوبی من نخامة اصابته ، فقال : یا عمار ! انما یغسل الثوب من خمس : من الغائط ' والبول ' والقیٔ ' والدم ' والمنی، یاعمار ! ما نخامتک ودموع عینک والماء الذی فی رکوتک الاّسواء ، فھذه کله یدل علی کون المنی نجسًا وان یابسه یطھر بالفرک ورطبه بالغسل ، وھو قول ابی حنیفة۔

ترجمہ:...... ''دار قطنی'' نے (حضرت) عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی، (حضرت) عمار (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میں کنوئیں پر پانی کھینچ رہا تھا، آپ (ﷺ) نے فرمایا: عمار! کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہوں، میرے کپڑے میں بلغم لگ گیا ہے اسے دھوتا ہوں، آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ: اے عمار! کپڑا ان پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے: پاخانہ' پیشاب' قے' خون' منی، اے عمار! بلغم اور آنکھوں کے آنسو اور یہ پانی جو تمہارے برتن میں ہے یکساں ہیں۔

پس یہ حدیث اور اس سے پہلا مضمون اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ منی نجس ہے اور تر دھونے سے اور خشک رگڑ ڈالنے سے پاک ہو جاتی ہے اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ [1]

---

[1]...... چند اور روایتیں یہ ہیں:

(۱)...... حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: جنابت سے غسل کرنے کے لئے میں نے رسول اللہ ﷺ کے قریب پانی کیا، تو آپ نے دونوں ہاتھوں کو دو یا تین بار دھویا، پھر برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا

ناپاک زمین خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہے

سوال:...... حنفی مذہب میں ناپاک زمین خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہےاور جب خشک

اور پانی ڈال کر بائیں ہاتھ سے استنجاء فرمایا، پھر بایاں ہاتھ مٹی پر رکھ کر زور سے ملا، اس کے بعد وضوفرمایا جیسا نماز کے لئے کیا جاتا ہے، پھر اپنی ہتھیلی بھر کر اپنے سر مبارک پر تین چلو پانی ڈالا، پھر تمام جسد اطہر پر پانی ڈالا، پھر اپنی اس جگہ سے ہٹ کر اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔(متفق علیہ۔توضیح السنن ص۱۱۲ج۱)

(۲)...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر فرمایا کہ: مجھے رات کو جنابت ہوجاتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: وضوکرواوراستنجاء کرو پھر سو جاؤ۔(متفق علیہ۔توضیح السنن ص۱۱۳ج۱)

(۳)...... ابو سائب مولی ہشام بن زہرہ سے روایت ہے کہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی جنابت کی حالت میں رکے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے، تو (شاگرد نے) کہا: اے ابو ہریرہ! وہ کیسے کرے؟ تو انہوں نے کہا: وہ اس سے پانی لے لے، اور باہر غسل کرے، برتن یا چلو بھر کر اپنے اوپر ڈالے پانی میں داخل نہ ہو۔(مسلم شریف۔توضیح السنن ص۱۱۳ج۱)

(۴)...... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں ان کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہوں جو میں نے بیوی سے صحبت کے وقت پہنے ہوئے ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ہاں، لیکن اگر تمہیں ان میں منی لگی ہوئی نظر آئے تو پھر انہیں دھولو۔

(مواردالظمئان ص۸۲ج۱)

اس طرح کی روایات بکثرت ہیں۔ مؤطا امام مالک ص ۳۶۔ طحاوی ص۴۳ج۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص۸۵ج۱۔ دارقطنی ص۱۲۵ج۱۔ صحیح ابی عوانہ ص۱۰۴ج۱۔

(۵)...... حضرت ابن وہب رحمہ اللہ بروایت افلح بن جبیر رحمہ اللہ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: انہوں نے فرمایا کہ: (ایک دفعہ) میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مقام ابواء میں رات گذاری، ہم نے جب فجر کی نماز پڑھ لی تو وہاں سے چل پڑے یہاں تک کہ دن بلند ہوگیا، میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ: جس کپڑے میں میں نے نماز پڑھی ہے اس میں منی لگی تھی اور میں اسے دھو نہیں سکا تھا، آپ میری وجہ سے رک گئے اور فرمایا کہ: اتر کر کپڑے بدلو اور دو رکعت سنت پڑھ کر نماز کی اقامت کہو اور فجر کی نماز پڑھو، میں نے ایسا ہی کیا۔(المدونۃ الکبری ص۲۲ج۱)

ہوکر نجاست کا اثر زائل ہوجائے تو اس پر نماز پڑھنا جائز ہوجاتا ہے۔اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ ناپاک زمین کو دھونے کا حکم فرماتے ہیں۔اس مسئلہ میں مذہب حنفیہ کی کیا دلیل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:......واضح ہو کہ اس بارے میں فقہاء حنفیہ ایک حدیث نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے: ”زکوٰۃ الارض یُبسُھا“ یعنی زمین کا خشک ہوجانا زمین کے پاک ہوجانے کے لئے کافی ہے، مگر یہ حدیث مرفوع نہیں ہے اور محدثین اس کے مرفوع ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ علامہ محمد طاہر (پٹنی رحمہ اللہ) ”مجمع البحار“ میں لکھتے ہیں: ”لااصل لہ فی المرفوع“ یعنی مرفوع ہونا اس کا بے اصل ہے۔اور ”نیل الاوطار“ میں ہے:

لااصل لہ فی المرفوع، وقد رواہ ابن ابی شیبة من قول محمد بن علی الباقر، ورواہ عبدالرزاق من قول ابی قلابة بلفظ: ”جفاف الارض طهورها“۔

یعنی حدیث کا مرفوع ہونا تو بے اصل ہے۔ ہاں ”ابن ابی شیبہ“ نے امام محمد بن علی باقر (رحمہ اللہ) کے قول کے طور پر روایت کی ہے، اور ”عبدالرزاق“ نے ابوقلابہ (رحمہ اللہ) کا قول روایت کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ”جفاف الارض طهورها“ یعنی زمین کا خشک ہوجانا اس کو پاک کردیتا ہے۔ پس یہ حدیث امام محمد باقر اور ابوقلابہ (رحمہما اللہ) کا قول ہے۔

اس کے علاوہ اس مدعا پر ایک دوسری حدیث بھی دلالت کرتی ہے اور وہ یہ ہے۔

عن حمزة بن عبید اللّٰہ قال: کانت الکلاب تبول وتقبل وتدبر فی المسجد فی زمان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یرشوہ شیئا من ذلک، رواہ البخاری تعلیقا، وابوداؤد والاسماعیلی فی صحیحهما وابو نعیم والبیهقی۔

ترجمہ:......(حضرت) حمزہ بن عبید اللہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں کتے آتے جاتے اور پیشاب کرتے تھے اور اس پر پانی نہیں ڈالا جاتا تھا۔ اس روایت کو بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے، اور ابو داؤد اور اسمٰعیلی نے اپنی اپنی صحیح میں اور ابو نعیم اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

ف:......مولوی وحید الزماں صاحب نے یہ حدیث ترجمہ شرح وقایہ میں بیان کی ہے، اور قاضی ثناء اللہ صاحب نے بھی اسے بیان کر کے مسئلہ مذکورہ اس سے استنباط کیا ہے۔ پس اس مسئلہ کے حدیث سے ثابت ہونے میں کوئی اشکال نہیں رہا۔ پس اس پر طعن کرنا یا اس کو خلاف حدیث کہنا تعصب ہے۔

دوسرے مسلک کی رعایت نہ کرنے والے کی اقتدا میں نماز کا حکم

تنبیہ:......کتب فقہ حنفیہ سے واضح ہوتا ہے کہ حنفی مذہب میں چوتھائی سر کا مسح فرض ہے اور مذہب شافعی میں فقط دو تین بالوں کا مسح کافی ہے۔ حنفیہ کے یہاں سوائے پاخانہ اور پیشاب کے اور نجس چیزوں کے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے خواہ بدن کے واجب الغسل کسی حصہ سے نکلیں، اور امام شافعی (رحمہ اللہ) کے نزدیک سوائے قبل یا دبر کے دوسری جگہ سے نکلنے والی چیزوں سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حنفیہ کے یہاں منی ناپاک ہے اور ان کے ہاں پاک۔ پس جن مسئلوں میں ہمارا اور مخالفین کا طہارت' نجاست' حلت' حرمت میں اختلاف ہے، ایسے مسائل میں اگر مخالفین اپنے مذہب کے موافق عمل کریں اور نماز پڑھائیں تو حنفیہ کی نماز ان کے پیچھے جائز نہیں۔ ہاں اگر وہ اس قسم کے مسائل میں احتیاط کرتے ہوں مثلاً منی کو دھو ڈالتے ہوں، خون' قے وغیرہ سے وضو کر لیتے ہوں، کم از کم چوتھائی سر کا مسح کر لیتے ہوں، غرضیکہ اختلافی مسائل میں حنفیہ کے موافق عمل کر لیتے ہوں، تو ایسے

لوگوں کے پیچھے نماز درست ہے۔''رد المحتار''صفحہ:۴۱۵/میں ہے:

''ان تیقن المراعاۃ لم یکرہ أو عدمها لم یصح وان شک کرہ''

یعنی مقتدی حنفی کو اگر یقین ہو کہ امام مواضع اختلافیہ میں ہمارے مذہب کی رعایت کرلیتا ہے تو اس کے پیچھے نماز مکروہ نہیں، اور اگر یقین ہو کہ رعایت نہیں کرتا تو نماز جائز ہی نہیں، اور اگر شک ہو تو ایسی حالت میں نماز مکروہ ہے۔''شامی'' کے صفحۂ مذکورہ میں اس کو قول معتمد لکھا ہے عبارت یہ ہے:

''وھذا ھو المعتمد لان المحققین جنحوا إلیه، وقواعد المذھب شاھدۃ علیه''

اور اسی طرح صفحۂ مذکورہ میں ہے:

وفی رسالة "الاھتداء فی الاقتداء" لملا علی القاري : ذھب عامة مشائخنا الی الجواز اذا کان یحتاط فی موضع الاختلاف والا فلا، والمعنی انه یجوز فی المراعی بلا کراھة وفی غیرہ، ثم المواضع المھمة للمراعاۃ ان یتوضأ من الفصد والحجامة والقیٔ والرعاف ونحو ذلک۔

پس ان عبارتوں سے صاف واضح ہے کہ اس مخالف کے پیچھے بلا کراہت نماز جائز ہے جو مواضع خلاف کی رعایت کرتا ہو اور جو ایسا نہ ہو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اور یہی قول معتمد ہے۔[1]

تیمّم میں دو ضرب اور کہنیوں تک مسح کرنے کی دلیل

سوال:...... بہت سے لوگ تیمّم میں فقط ہاتھ کے گٹوں تک مسح کرتے ہیں اور ایک ضرب پر

[1]...... تفصیل کے لئے دیکھئے!''مرغوب الفتاوی''ص۴۱۴ ج ۲۔اور''مرغوب الرسائل فی عمدۃ المسائل'' ص۲۰۰ ج ۱۔اور''مرغوب الفقہ''ص۲۴۳ ج ۱۔

اکتفا کرتے ہیں۔اور حنفیہ اور بہت سے فقہاء دوضرب اور کہنیوں تک مسح کرنے کے قائل ہیں تو حنفیہ کے موافق کوئی حدیث ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:......مولوی عبدالحئ صاحب مرحوم لکھنوی ''سعایہ'' میں ''عینی'' اور ''فتح القدیر'' سے نقل کرتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی اور سفیان ثوری اور ابن ابی سلمہ اورلیث رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک تیمّم میں دوضربیں ہیں: ایک منھ کے واسطے اور دوسری دونوں ہاتھوں کے لئے۔اور وہ عبارت یہ ہے:

فاعلم ان مالكا وابا حنيفة والشافعي والثوري وابن ابي سلمة والليث ذهبوا الى ان التيمم ضربتان : ضربة للوجه وضربة لليدين يمسحهما الى المرفقين،

(سعایہ:ص۵۰۷)

اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہم سے بھی منقول ہے، مثلاً: عبداللہ بن عمر اور سالم بن عبداللہ اور شعبی اور حسن (رضی اللہ عنہم) سے ''سعایہ'' میں یہ مذہب نقل کیا ہے:

'' وممن روى عنه التيمم الى المرفقين ابن عمر وابنه سالم والشعبى والحسن وغيرهم''

پھراسی ''سعایہ'' میں ''نووی شرح مسلم'' سے نقل کیا ہے:

وقال النووى فى شرح صحيح مسلم : مذهبنا ومذهب الاكثرين انه لابد من ضربتين : ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين ، وممن قال بهذا علي وعبدالله بن عمر والحسن البصرى والشعبى وسالم بن عبدالله وسفيان الثورى ومالك وابو حنيفة واصحاب الرأى وآخرون۔

یعنی نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ: ہمارا اور اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ تیمّم میں

دوضربیں ضروری ہیں: ایک ضرب سے منہ پر مسح کیا جائے اور دوسرے سے ہاتھوں کو معہ کہنیوں کے مسح کرے اور جو لوگ اس کے قائل ہیں ان میں سے حضرت علی اور عبداللہ بن عمر اور حسن بصری اور شعبی اور سالم بن عبداللہ اور سفیان ثوری اور مالک اور ابوحنیفہ اور اصحاب رائے (رحمہم اللہ) اور بہت سے لوگ ہیں۔

اور اس بارے میں مرفوع حدیثیں بھی وارد ہیں۔

عن ابن عمر قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : التيمم ضربتان : ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين ، رواه الحاكم والدار قطني۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیمّم دوضربیں ہیں: ایک ضرب منہ کے لئے اور دوسری کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے۔ اس کو ''حاکم'' اور ''دارقطنی'' نے روایت کیا۔

وقال الحاكم : لااعلم احدا اسنده عن عبيد الله غير علي بن ظبيان وهو صدوق،

یعنی حاکم نے حدیث مذکور کو روایت کر کے کہا کہ: میں نہیں جانتا کہ اس حدیث کو سوائے علی بن ظبیان کے عبیداللہ سے کسی اور شخص نے مرفوع متصل بیان کیا ہو، اور علی بن ظبیان سچا آدمی ہے۔

وعن جابر عن النبى صلى الله عليه وسلم قال : التيمم ضربة للوجه وضربة للذراعين الى المرفقين ، رواه الحاكم والدار قطني ، وقال الحاكم : صحيح الاسناد ، وقال الدار قطني : رجاله كلهم ثقات۔

ترجمہ:......(حضرت) جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تیمّم ایک ضرب منہ کے لئے اور ایک ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے

ہے۔ ''حاکم'' اور ''دارقطنی'' نے اس کو روایت کیا، اور حاکم نے کہا کہ: اس کی اسناد صحیح ہے، اور دارقطنی نے کہا کہ: اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

ف: ...... یہ حدیثیں صاف طور پر ظاہر کرتی ہیں کہ تیمّم میں دو ضربیں ہیں اور یہ بھی کہ ہاتھوں کا مسح کہنیوں تک کرنا چاہئے، اور یہی امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) اور ایک جم غفیر کا مذہب ہے اور ان احادیث صریحہ صحیحہ کے موافق ہے۔

اگر کوئی کہے کہ: اس حدیث میں ایک راوی عثمان بن محمد انماطی ہے، اور اس کو ابن جوزی (رحمہ اللہ) نے ضعیف کہا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ اول تو یہ جرح مبہم ہے جو پایۂ اعتبار سے ساقط ہے اور اس کے مقابلہ میں حاکم اور دارقطنی کی تصحیح اور توثیق موجود ہے۔

دوسرے یہ کہ ابن جوزی (رحمہ اللہ) حدیثوں کو ضعیف کہنے اور موضوع بتانے میں نہایت جری اور متجاوز عن الحد ہیں، اس لئے ان کی تضعیف معتبر نہیں ہوسکتی، چنانچہ ابن جوزی (رحمہ اللہ) پر علامہ ابن دقیق العید (رحمہ اللہ) نے اسی حدیث کے متعلق اعتراض کیا اور کہا کہ: ابن ابی حاتم (رحمہ اللہ) نے بھی یہ حدیث ذکر کی ہے، اور کوئی جرح نہیں کی، اور حاکم و دارقطنی کا قول تو اوپر گذر چکا جس سے حدیث کی صحت اور اس کے راویوں کا ثقہ ہونا معلوم ہوگیا، کذافی السعایۃ۔ [1]

---

[1] ...... حضرت عبد اللہ بن عمر کی روایت دارقطنی کے علاوہ کئی کتب احادیث میں منقول ہے: مستدرک حاکم ص ۱۷۹ ج ۱، جامع المسانید ص ۲۳۳ ج ۱، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵۸ ج ۱، طحاوی ص ۸۱ ج ۱۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: تیمّم میں دو ضربیں ہوتی ہیں: ایک ضرب چہرہ کے لئے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لئے۔ (مسند امام زید ص ۷۷)

غرض تالیف رسالہ یہ ہے کہ مخالفین مذہب حنفیہ پر طعن سے باز رہیں

تنبیہ:...... بندہ کی غرض اس رسالہ کی تالیف سے یہ ہے کہ مخالفین مذہب حنفیہ حضرت سیدنا الفقیہ الامام الاعظم امام الائمہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسائل اور مذہب پر طعن و تشنیع سے باز رہیں۔ اور منہ اٹھا کر ان کو برا بھلا نہ کہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فضل وکمال اور ان کا زہد وتقویٰ اور ان کا علم واجتہاد دنیائے اسلام پر روز روشن کی طرح واضح ہے۔ ان کو برا کہنے والا درحقیقت اپنی فرومائیگی ظاہر کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آفتاب کو سیاہ کہنے والا سوائے لقبِ کورچشمی کے اور کیا حاصل کرسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) محدثین کے شیخ الشیوخ اور استاذ الاستاذہ ہیں۔ ان کو برا کہنے والا اپنے شیوخ اور شیوخ کے شیوخ پر تبرّا کرتا ہے اور اس کا جو وبال اسے پہنچے گا اس کی تشریح کی حاجت نہیں۔ اگر بالفرض امام کا کوئی مسئلہ حدیث نبوی کے خلاف بھی معلوم ہو تو بہتر تو یہ ہے کہ اپنی سمجھ کا قصور سمجھے اور نہیں تو سکوت اختیار کرے، کیونکہ وہ مجتہد تھے، بلکہ امام المجتہدین، اور اجتہادی خطا پر بھی ایک نیکی ملتی ہے

ربنا لا تجعلنا مع القوم الظالمین ، واحشرنا مع القوم الصالحین ، واجعل شهادتي وموتي في بلد نبيک سيد المرسلين ، اٰمين يارب العالمين ، اللّٰهم اغفر لمؤلفه ولكاتبه ولمعاونيه ولناظريه اجمعين،

حررہ العبد الاواہ

القاضی محمد رحمت اللہ عفا عنہ مولاہ، آمین

کحل العینین فی

ترک رفع الیَدَین

اس رسالہ میں ترک رفع یدین کے متعلق احادیث وآثار اور مختلف اشکالات کے جوابات وغیرہ امور تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری، راندیری

ترتیب وحواشی واضافہ

مرغوب احمد لاجپوری

کحل العینین فی ترک رفع الیَدَین

اس رسالہ میں ترک رفع یدین کے متعلق احادیث وآثار اور مختلف اشکالات کے جوابات وغیرہ امور تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں

از حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری، راندیری

ترتیب وحواشی واضافہ

مرغوب احمد لاجپوری

ساتھ ہی درج ذیل دو رسالے بھی شامل کئے گئے ہیں

"سعی المرغوبین علی ترک رفع الیدین"

"احادیث صاحب الثقلین علی ترک رفع الیدین"

مرغوب احمد لاجپوری

عرض مرتب

صحیح اور انصاف کی بات یہ ہے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ بھی رفع یدین احادیث و آثار سے ثابت ہیں، مگر کچھ حضرات کی طرف سے اس مسئلہ پر اس قدر غلو ہوگیا کہ اس پر بکثرت کتابیں اور مضامین لکھے گئے، مناظرے ہوئے، اور افراط وتفریط سے کام لیا گیا۔ کسی نے رفع کو بدعت تک کہہ دیا، تو بعض نے ترک کو خلاف سنت کہہ کر احناف پر لعن کا دروازہ کھول دیا۔ اسی لئے علماء کو اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسی پس منظر میں لاجپور کے ایک بزرگ عالم اور راندیر کے محدث حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے ایک رسالہ تصنیف فرمایا۔

تعارف رسالہ

حضرت موصوف کی یہ تصنیف لطیف ''کحل العینین فی ترک رفع الیدین'' برسوں سے راقم کے سامنے رکھی تھی، مگر کبھی مطالعہ کی سعادت نصیب نہیں ہوئی، اب جبکہ حضرت کے جملہ رسائل کی اشاعت کا داعیہ پیدا ہوا تو اسے بغور دیکھنے اور اس سے استفادہ کا موقع ملا۔ ماشاء اللہ حضرت کا یہ رسالہ اپنے موضوع پر بہت عمدہ اور خوب مواد لئے ہیں۔

حضرت نے اس رسالہ میں اکیس احادیث وآثار سے اپنے موقف کو ثابت فرمایا ہے۔ شروع میں اس بات کی وضاحت بھی فرمادی کہ ابتداء میں نماز سے متعلق بہت سی باتیں جائز تھیں، مگر بعد میں منسوخ ہوگئیں، جیسے نماز میں بات کرنا، رکوع کے وقت ہاتھوں کو گھٹنوں کے درمیان کرلینا، وغیرہ ذلک، اسی طرح رفع یدین بھی احادیث سے ثابت ہے، مگر آپ ﷺ کا آخری عمل کیا تھا، اس کے لئے ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خصوصا حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل بھی دیکھنا ہوگا، چنانچہ حضرات خلفاء راشدین رضی

اللہ عنہم کا عمل ترک رفع یدین ہی کا رہا۔اس ضمن میں آپ نے تحریر فرمایا کہ میں نے سنن اور مسانید اور معاجم کے علاوہ شروح ومختلف رسائل کے مطالعہ کے بعد یہ علی وجہ البصیرت لکھ رہا ہوں کہ کسی روایت صحیحہ سے حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا رفع یدین کرنا ہرگز ثابت نہیں۔حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے بارے میں بعض آثار میں رفع یدین کا ذکر آیا ہے اس کی وضاحت بھی فرمائی کہ وہ آثار ضعیف ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے رفع یدین کو سنت قرار دیا، اور اس موضوع پر پورا ایک رسالہ ’’جزء رفع الیدین‘‘ لکھا، اور اس میں رفع یدین کا انکار کرنے والوں کی بھرپور تردید کی، لیکن انہوں نے بھی ترک رفع کرنے والوں کی تردید میں حد سے تجاوز کیا ہے، اور ترک رفع کی قطعی گنجائش نہیں سمجھی، اور یہاں تک دعوی کیا کہ ترک رفع حدیث سے ثابت نہیں، حالانکہ یہ بات درست نہیں [۱] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس رسالہ میں کئی آثار لکھے مگر خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے متعلق کوئی روایت سند کے ساتھ نہ لکھ سکے۔

رسالہ کے آخر میں رفع یدین کی احادیث وآثار کے جوابات دئے ہیں۔پھر بعض حضرات نے حدیث کے الفاظ ’’فما زالت تلک صلوته حتی لقی الله ‘‘پر جو یہ دعوی کیا کہ آپ ﷺ کا رفع یدین کا عمل وصال تک رہا، اس کی وضاحت فرمائی۔

پھر حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت رفع کی وجہ سے یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ آپ متاخر الاسلام تھے، اس لئے رفع یدین کا عمل بھی آپ ﷺ کا آخری عمل تھا، اس کا حل فرمایا۔

پھر لکھا کہ یہ عجیب بات ہے کہ اکابر محدثین وتابعین کی اکثریت باوجود رفع یدین کی

---

[۱]......الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح ص۴۰۶ ج۶۔

روایات کے ترک کے قائل و عامل رہی ہیں۔ ۱

بعض حضرات نے حدیث کے الفاظ ''کان یرفع '' سے استمرار و دوام کو ثابت کرنا چاہا ہے، حضرت نے اس پر کلام فرما کر اس کا جواب دیا۔

پھر مسلم شریف کی یہ صحیح روایت: '' مالی ارٰکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس ، اسکنوا فی الصلوٰۃ ''نقل فرما کر اس پر یہ اعتراض کہ اس حدیث کا تعلق رفع یدین سے نہیں ہے، بلکہ یہ روایت منع اشارہ کے متعلق ہے، اس کا جواب دیا۔

پھر بعض حضرات کے اس اعتراض کا جواب دیا کہ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کا دس صحابہ کے سامنے حدیث پیش کرنا اور ان کا ان کی تائید کرنا بھی رفع یدین کے ثبوت کے لئے کافی دلیل ہو سکتی ہے۔

پھر ترک رفع یدین پر امام طحاوی رحمہ اللہ کی عقلی دلیل سے اپنی بات کو مؤکد کیا۔

پھر اس اشکال کو نقل کر کے اس کا جواب دیا کہ رفع یدین کے مدعی مثبت ہیں اور ترک کے نافی، اور مثبت مقدم ہے نافی پر۔

۱......امام ترمذی رحمہ اللہ نے رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں طرح کے باب قائم کئے ہیں، اور رفع یدین کے باب میں تحریر فرماتے ہیں: ''وبھذا یقول بعض اھل العلم من اصحاب النبی ''۔یعنی رفع یدین کے قائل اہل علم صحابہ میں سے کچھ ہی تھے۔ (باب رفع الیدین عند الرکوع ، کتاب الصلوۃ)

اور ترک رفع یدین کے باب میں تحریر فرماتے ہیں: ''وبہ یقول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین ، وھو قول سفیان و اھل الکوفۃ ''۔یعنی عدم رفع یدین اہل علم صحابہ کرام اور تابعین عظام کی بڑی تعداد کا مذہب تھا، اور یہی سفیان ثوری اور تمام کوفہ والوں کا مذہب ہے۔ (باب من لم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ ، کتاب الصلوۃ)

امام ترمذی رحمہ اللہ کی صراحت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حضرات کا مسلک ترک رفع یدین تھا۔

ان تمام بحثوں کے بعد آخر میں تحریر فرمایا کہ:

''اور یہ بھی واضح ہو کہ جو علماء رفع یدین کے اثبات کے قائل ہیں وہ بھی وجوب اور سنت مؤکدہ کے قائل نہیں ہیں، بلکہ مستحب کے قائل ہیں، اور وہی علماء اس کے قائل ہیں کہ رفع یدین کے ترک کرنے والے عند الشرع اور عند اللہ ملامت کے قابل بھی نہیں ہیں''

الغرض یہ رسالہ قابل مطالعہ ہے، اور اس زمانہ میں جبکہ ایک جماعت احناف کی نماز کو خلاف سنت ثابت کرنے پر مصر ہے، ایسے وقت اس رسالہ کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

راقم نے بعض مواقع پر کچھ مفید باتوں کا حاشیہ میں اضافہ کیا ہے، اللہ کرے وہ بھی ناظرین کے لئے مفید ہو۔

رسالہ کے ساتھ حضرت جد امجد مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے فتاوی سے ایک مختصر رسالہ: ''سعی المرغوبین علی ترک رفع الیدین'' کو بھی شامل کرنا مناسب سمجھا، انشاء اللہ مطالعہ کرنے والوں کے لئے وہ بھی مفید و کارآمد ہوگا۔

اسی طرح حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم کی ''تحفۃ الالمعی'' سے ایک مفید مضمون بھی شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔

آخر میں راقم کا ایک رسالہ جس میں صرف احادیث مع حوالہ لکھی گئی ہیں، کو بھی شامل کررہا ہوں تاکہ ایک جگہ زیادہ سے زیادہ مواد مل جائے۔ ویسے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، سب کا احاطہ نہ ضروری ہے اور نہ ممکن۔

اللہ تعالی اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے، اور حضرت رحمہ اللہ اور راقم و طباعت کے جملہ معاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت و ذریعۂ نجات بنائے' آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

پیش لفظ:

از: حضرت مؤلف رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ الّذی جعل صدورنا مشکوۃ لمصابیح الانوار، ونوّر قلوبنا بنور معرفۃ معانی الأثار، والصلوٰۃ والسلام علٰی حبیبہ المجتبی المختار، ورسول المبعوث بصحاح الاخبار، وعلی اٰلہ الاخیار واصحابہ الکبار، ومتبعیھم الذین اختاروا سنن الھدٰی واستمسکوا بأحادیث سید الأبرار،

بعد حمد وصلوٰۃ کے خادم احادیث نبویہ ابوعبدالحق قاضی رحمت اللہ راندیری، حضرات ناظرین پر تمکین [1] کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ ہر چند میں نے اپنے رسالہ ''سبع سنابل'' [2] وغیرہ میں ترک رفع یدین کو بوقت رکوع کرنے اور رکوع سے اٹھنے کے بتصریح تام لکھ دیا ہے، تاہم بعض احباب بالحاح تام مصر ہوئے کہ ایک رسالہ مستقل سلیس اردو زبان میں لکھ دوں۔ ناچار اپنے اوقات عزیز میں سے کچھ تھوڑا سا وقت نکال کر یہ رسالہ لکھ کے پیش کرتا ہوں، [3] وما توفیقی الا باللّٰہ العلی العظیم۔

قاضی رحمت اللہ

---

[1]...... تمکین: مرتبہ، رتبہ، عزت، وقار۔ (فیروز) یعنی عزت ووقار والے ناظرین۔

[2]...... یہ رسالہ اسی مجموعہ کے ساتھ مطبوع ہے۔

[3]......اس کا نام مؤلف رحمہ اللہ نے رکھا ہے: '' کُحل العینین فی ترک رفع الیدین '' کُحل: کے معنی ہے: سرمہ، عینین: یعنی دونوں آنکھیں، گویا یہ رسالہ: ترک رفع یدین کے سلسلہ میں آنکھوں کے لئے سرمہ ہے۔

مقدمہ

ابتداءً نماز میں بہت سی باتیں جائز تھیں، بعد میں منسوخ ہوگئیں

کتب احادیث سے ظاہر ہے کہ ابتداء میں نماز کے متعلق بہتیری ایسی باتیں تھیں کہ پیشتر مروّج تھیں، مگر رفتہ رفتہ متروک کردی گئیں۔ چنانچہ لوگ پہلے نماز میں باتیں کرلیا کرتے تھے۔ اور نماز میں آگے پیچھے کھڑے ہوجاتے تھے، صف بندی کا اہتمام نہ تھا۔ پھر کلام کرنا نماز میں موقوف کیا گیا، اسی طرح پھر اہتمام صف بندی کا بھی کیا گیا۔ پہلے رکوع کرتے تو ہاتھوں کو گھٹنوں کے اندر کرلیتے تھے، پھر گھٹنوں پر رکھنے کا حکم ہوا۔ [۱] غرضیکہ بہتیرے امور ہیں کہ رفتہ رفتہ ان میں اصلاح ہوئی۔

عندالافتتاح رفع یدین پر اجماع ہے، اختلاف دوسرے مواقع پر ہے

اس میں شک نہیں کہ رسول خدا ﷺ نے رفع یدین کیا ہے، اور یہ رفع یدین ایک دو روایت سے نہیں بلکہ بیسیوں روایتوں سے ثابت ہے۔ تحریمہ والے رفع یدین کا ترک تو کسی طرح ثابت نہیں، اور غالباً کل مسلمان متفق ہیں کہ عندالافتتاح ہاتھ اٹھانا چاہئے، اس

---

[۱] ...... پہلے رکوع میں تطبیق کی جاتی تھی، دونوں ہاتھوں کو معافی مانگنے والے کی طرح ملا کر گھٹنوں کے بیچ میں داخل کرنے کا نام تطبیق ہے، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ (تحفۃ القاری ص ۱۱۲ ج ۳)

مصعب بن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے برابر نماز پڑھی، اور میں نے دونوں ہتھیلیاں ایک دوسرے سے ملا کر دونوں رانوں کے بیچ میں رکھیں، پس مجھے میرے والد نے اس سے منع کیا اور فرمایا: ہم (دور اول میں) ایسا کرتے تھے پھر ہمیں اس سے روک دیا گیا اور ہمیں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

(بخاری شریف، باب وضع الاکف علی الرکب فی الرکوع، ابواب صفۃ الصلاۃ۔ تحفۃ القاری ص ۱۱۳ ج ۳)

میں کسی فرقے کو اختلاف نہیں، مگر اختلاف ہے تو دوسرے رفع یدین میں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تابعی مشہود لہ بالخیر اور بقول مشہور امام مالک رحمہ اللہ اس طرف گئے کہ تحریمہ کے سوا رفع یدین مستحب نہیں، چنانچہ جناب ملا علی قاری محدث حنفی رحمہ اللہ نے ''شرح مسند'' میں تصریح کی ہے:

واجتمعت الامة على استحباب رفع اليدين عند تكبيرة الاحرام، وأما فی ماسواها فقال الشافعي واحمد: يستحب ايضاً۔

اور مجوزین میں دو فرقے ہوئے، کچھ تھوڑے سے لوگ اس کے قائل ہوئے کہ کل مواضع مذکورہ میں یعنی سجود میں بھی رفع یدین کرنا مستحب ہے، اور دوسرا فرقہ رفع یدین للسجود کے منسوخ ہونے کا تو قائل ہوا، مگر رکوع کے رفع یدین کے نسخ کا قائل نہ ہوا۔ چنانچہ امام شافعی واحمد (رحمہما اللہ) وغیرہ اور آج کل کے وہ حضرات جو پابند تقلید نہیں ان کا یہی مسلک ہے کہ سجدہ کے سوائے اور مواضع میں ہاتھ اٹھانا چاہیئے، بلکہ اکثر حضرات کے نزدیک مواضع ثلٰثہ کے علاوہ تشہد سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین مستحب ہے۔

رفع یدین کے مسئلہ میں صحابہ کرام وخلفاء اربعہ کا عمل بھی دیکھنا چاہیئے

اب ایسے معرکۃ الآرا مسئلے میں جس میں ایسے امام محدثین مختلف ہیں، ہمیں حضرت ﷺ کی احادیث صحیحہ مرفوعہ دالّہ برترک رفع یدین کے سوا صحابہ رضی اللہ عنہم کے افعال کی طرف رجوع کرنا چاہیئے، اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی مختلف پائیں تو خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کو دیکھنا چاہیئے کہ یہ مقدس حضرات جناب رسالت مآب ﷺ کے بعد کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے، کیونکہ دوسرے اور اصحاب رضی اللہ عنہم تو ادھر ادھر بھی چلے گئے تھے، مگر یہ لوگ تا دمِ وصال نبوی ﷺ حضوری میں رہے، ان کو رفع یدین کرنے اور نہ کرنے کا پورا

حال معلوم ہوگا، کیونکہ نماز کچھ ایسی چیز نہیں کہ احیاناً ادا کی جاتی ہو، شب وروز میں پانچ وقت پڑھی جاتی ہے۔ ان حضرات نے سیکڑوں دفعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ہوگی، اور چونکہ یہ حضرات عاشق سنت تھے اور خلیفہ رسول اللہ ﷺ، ان کی نمازیں ضرور اسی طرح ہوا کرتی ہوں گی جس طرح آنحضرت ﷺ آخر عمر میں پڑھا کرتے تھے۔ یہ ایک ایسی عقلی بات ہے جس سے کوئی ایسا شخص جس کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے حسن عقیدت ہے انکار نہیں کرسکتا۔ پس بعد آنحضرت ﷺ اگر خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے باسناد صحیح رفع یدین ثابت ہے تو ہمیں ضرور ماننا پڑے گا کہ آخر عمر میں بھی آنحضرت ﷺ رفع یدین کیا کرتے تھے، اور منسوخ ہونے کا دعویٰ درست نہیں، اور اگر ان سے ثابت نہیں، بلکہ ترک ثابت ہو تو اب تمہیں انصاف سے کہو کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

صحیح روایت سے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا رفع یدین کرنا ثابت نہیں

اب میں حضرات ناظرین کو ذرا زیادہ متوجہ کرنے کی تکلیف دیتا ہوں، اور دعویٰ کرتا ہوں، ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں اور خوب یاد رکھیں۔ ایک دعویٰ یہ کہ میں نے سنن اور مسانید اور معاجم کے علاوہ شروح ورسائل کی بھی خوب سیر کی، کسی روایت صحیحہ سے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا رفع یدین کرنا ہرگز ثابت نہیں۔ اس باب میں جو دو ایک آثار مروی ہیں وہ بھی صحیح نہیں۔ اب میں پھر زور دے کر کہتا ہوں کہ کوئی شخص انشاء اللہ باسناد صحیح ان مقدس حضرات سے رفع یدین کرنا ثابت نہیں کرسکتا۔ [1]

[1]...... علامہ شوق حسن نیموی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”واما الخلفاء الاربعة رضی الله عنهم فلم يثبت عنهم رفع الايدی فی غير تكبيرة الاحرام“۔
یعنی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے تکبیر تحریمہ کے علاوہ ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے۔

(آثار السنن ص ۱۱۴، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

امام بخاری بھی خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی نسبت کوئی روایت نہ لا سکے

امام بخاری رحمہ اللہ نے رفع یدین کے ثبوت میں خاص ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں بہت زور مارا ہے، اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم بھی لکھے ہیں، مگر خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی نسبت کوئی روایت سند کے ساتھ نہ لکھ سکے۔

خلفاء ثلاثہ کے بارے میں بعض آثار جومروی ہیں، ضعیف ہیں

گوکہ بعض متعصبین نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو شامل کرنے کے لئے ''دار قطنی'' سے روایت کی ہے، مگر اس میں محمد بن جابر متفرد ہے، اور وہ ضعیف ہے۔ اور ایک حدیث ''بیہقی'' کی نقل کی ہے کہ: ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ رکوع وغیرہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، مگر وہ بھی ضعیف ہے۔ وجہ ضعف کی یہ ہے کہ متصل السند نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کی سند میں محمد بن عبداللہ صفار کا سماع محمد بن اسمٰعیل سلمی سے ثابت نہیں ہے۔ اور دوسری ایک حدیث عبدالرزاق سے نقل کی ہے۔ اس میں مواضع ثلٰثہ میں رفع یدین کرنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ثابت کیا ہے، مگر وہ روایت بھی منقطع ہے۔

تیسری روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے باب میں ہے جو''نصب الرایہ'' میں ''بیہقی'' سے منقول ہے۔ اس میں رشید بن سعد کا واسطہ ہے وہ ضعیف ہے۔ ''بیہقی'' نے اپنی تصانیف میں بہت سی روایتیں لکھی ہیں، مگر خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی نسبت بعض ضعیف روایتوں کے سوا کوئی صحیح روایت پیش نہ کر سکے، مگر ''دار قطنی'' نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا سوائے تکبیر تحریمہ کے اور جگہ رفع یدین نہ کرنا ثابت کیا ہے۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا طرز عمل بسند صحیح اس بارے میں ثابت نہیں ہے۔

اور اسی طرح حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح ترک رفع یدین ثابت

ہے۔اور کچھ انہیں پر موقوف نہیں، بلکہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی رفع یدین نہ کرنا صحیح طور پر مروی ہے۔

اب ذرا انصاف سے کام لو! اگر یہ ثابت ہو جائے تو مقتضائے احتیاط کیا ہے، اور درایۃً رفع یدین کو قوت ہوگی یا ترک رفع یدین کو؟ اچھا اب میں وہ روایتیں پیش کرتا ہوں جو اصول حدیث سے بیشک صحیح ہیں، ذرا انصافاً دیکھو کہ ان سے کیا ثابت ہوتا ہے۔

’’ابوداؤد‘‘ کی روایت: حضور ﷺ کی نماز میں رفع یدین ایک مرتبہ تھا

(۱): پہلی روایت:......’’ابوداؤد‘‘ میں ہے:

حدثنا عثمان بن ابی شیبة نا وکیع عن سفیان عن عاصم یعنی ابن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود قال : قال عبداللّٰہ بن مسعود : الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم ، قال : فصلّی ، فلم یرفع یدیه الا مرۃ۔

یعنی عبدالرحمٰن بن اسود سے مروی ہے کہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں تم لوگوں کو وہ نماز پڑھ کر دکھا دیتا ہوں جو رسول خدا ﷺ پڑھا کرتے تھے، یہ کہہ کر انہوں نے جو نماز شروع کی تو رفع یدین ایک مرتبہ کے سوا دوسری بار نہ کیا۔

ف:...... یہ حدیث ’’ابوداؤد‘‘ کی صحیح ہے، اس کے کل راوی ثقہ اور رجال صحیحین کے ہیں۔ جیسے اس کو ’’ترمذی‘‘ وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔اس سے چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

ایک یہ کہ:...... عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو خادم نبوی اور جلیل القدر صحابی تھے، اور برسوں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے تھے، اور باوجود ہجرت مشاہد میں حاضر ہوا کئے، انہوں نے جو نماز پڑھی تو ترک رفع یدین کیا۔

دوسرے یہ کہ:...... چونکہ انہوں نے یہ کہہ کر نماز پڑھائی کہ میں آنحضرت ﷺ کی نماز

پڑھ کر دکھاتا ہوں، اس لئے یہ بھی ثابت ہوا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک سوائے افتتاح کے رفع یدین مسنون نہ تھا، اگر مسنون ہوتا تو ایسی حالت میں وہ لوگوں کو صلوٰۃ نبوی تعلیم کرنے لگیں، پھر بھی ایسی سنت کی رعایت نہ کریں جس کے کرنے میں کچھ بھی دقت نہ ہو، نہایت مستبعد ہے۔

تیسرے یہ کہ:......آنحضرت ﷺ نے رفع یدین کو کبھی کیا ہو، مگر آپ سے ترک بھی ثابت ہے۔ رہی یہ بات کہ ترک رفع یدین آخر عمر میں تھا وہ عبداللہ بن مسعود کی اسی روایت سے ثابت ہے، اور دوسری روایت سے آگے چل کے ہم ثابت کردیں گے۔ سردست اس روایت سے ہم اسی قدر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے رفع یدین ترک بھی کیا ہے۔ ہر چند کہ اس حدیث کے کل راوی امام بخاری اور مسلم کے رواۃ میں سے ہیں۔ اوران کا ثقہ ہونا حافظ ابن حجر کی تقریب سے جس میں اعدل قول لکھنے کا وعدہ کیا ہے ثابت ہے، مگر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ''ترمذی'' نے ابن مبارک سے تضعیف نقل کی ہے، چنانچہ ان کی عبارت یہ ہے:

''عن عبد اللّٰه بن المبارک قال : لم يثبت حديث ابن مسعود ان النبی صلی الله عليه وسلم لم يرفع يديه الا اول مرة''۔

یعنی عبداللہ بن مبارک (رحمہ اللہ) نے کہا کہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ثابت نہیں کہ نبی ﷺ نے اول دفعہ کے سوا رفع یدین نہیں کیا۔ اور ''بیہقی'' نے باسنادہ ''کتاب المعرفة'' میں روایت کیا ہے:

عن عبداللّٰه بن المبارک قال : لم يثبت عندی حديث عبد اللّٰه بن مسعود ان رسول اللّٰه صلی الله عليه وسلم رفع يديه اول مرة ثم لم يرفع۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں ہیں: ایک یہ کہ انہوں نے یہ کہہ کر کہ میں آنحضرت ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھاتا ہوں' نماز پڑھی، اور ایک دفعہ کے سوائے دوسری بار انہوں نے رفع یدین نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ: آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ کے سوائے رفع یدین نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ دونوں روایتوں کے مفہوم میں بہت بڑا فرق ہے۔ ''ترمذی'' نے پہلی حدیث مرفوع کی نسبت جس کی روایات میں ثم ''لایرفع'' یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ ہے، عبداللہ ابن المبارک (رحمہ اللہ) کا وہ قول نقل کیا، پھر حدیث موقوف کہ وہ بھی معنیً مرفوع ہے، اور جس میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فعل مذکور ہے، روایت کر کے یہ لکھا کہ:

''حديث ابن مسعود حديث حسن ،[1] وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم والتابعين ، وهو قول سفيان واهل الكوفة''۔

یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حسن ہے، اور اس عدم رفع یدین کی طرف بہتیرے اہل علم صحابہ اور تابعین میں سے گئے ہیں۔ اور یہی سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے۔

اس عبارت سے دو باتیں مستفاد ہوئیں: ایک یہ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ضعیف نہیں ہے۔ دوسرے: ترک رفع یدین کے قائل صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نہیں، بلکہ بہت سے صحابہ اور تابعین بھی ہیں، اور اگر کوئی یہ کہے کہ عبداللہ بن المبارک (رحمہ اللہ) کا وہ قول حدیث موقوف کے متعلق بھی ہے جیسا کہ بعض حفاظ کے قول سے سمجھا جاتا ہے، تو جواب اس کا وہی ہے جو کہ علامہ دقیق العید نے اپنی ''کتاب الام'' میں دیا ہے کہ:

---

[1]......اور ابوداؤد کا بعد حدیث ''لایعود'' کے کہنا'' هذا حديث لا يصح ''مراد اس سے یہ ہے کہ صحیح لذاتہ نہیں ہے، بلکہ صحیح لغیرہ ہے یا حسن لذاتہ ہے، موضوع ہونا یا ضعیف ہونا مراد نہیں ہے۔ ر (مؤلف)

”عدم ثبوت الخبر عند ابن المبارک لایمنع من النظر فیه وهو یدور علیٰ عاصم بن کلیب وقد وثقه ابن معین کما قدمناه“

علاوہ اس کے ”ترمذی“ (جلد ثانی کے صفحہ:٦٧) میں عاصم [١] کی حدیث کو ”حسن صحیح“ لکھا ہے۔ اسی طرح صفحہ:٧٠ رمیں شریک اور عاصم بن کلیب کی حدیث کو ’حسن صحیح ‘ کہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب سند صحیح سے یہ روایت ثابت ہے تو عبداللہ بن مبارک کے انکار سے یہ حدیث ضعیف نہیں ہوسکتی، بلکہ خود ابن المبارک کے قول اور انکار کا ضعف ثابت ہو گیا۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ: زیادت ”ثم لایعود“ کی غیر محفوظ ہے کسی نے وکیع کا وہم لکھا ہے اور کسی نے سفیان کا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ: غیر محفوظ ہونے کا دعویٰ بلا دلیل اور غلط ہے۔

”نسائی“ میں یہ روایت بسند صحیح بطریق عبداللہ بن المبارک عن سفیان مروی ہے، جس سے وکیع کا تفرد باطل ہوتا ہے، اور سفیان کی متابعت ابو بکر نہشلی اور ابن ادریس نے کی

---

[١]......عاصم ابن کلیب: وثقه ابن معین والنسائی، خلاصہ۔ ر

عاصم بن کلیب:......جس کا ذکر بخاری ص ٨٦٨ ج ٢ رمیں ہے، مسلم شریف ص ١٩٧ ج ٢ وص ٣٥٠ ج ٢ وص ٤١٤ ج ٢ ر پر ہے۔ ترمذی نے اس کی احادیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ (تجلیات صفدر ص ٣٩٦ ج ٢)

عاصم بن کلیب کو ضعیف کہا، مگر اس کا ضعف اسماء الرجال کی کتابوں سے ثابت نہیں۔ حضرت وائل بن حجر کی حدیث رفع یدین کے سلسلہ میں اس کی سند جزء بخاری وابو داؤد میں یہی عاصم بن کلیب ہے۔ جزء بخاری سے بعض حضرات (اہل حدیث) جو نقل کرتے ہیں کہ ایک صحابی بھی ایسا نہ تھا جو رفع یدین کرتا ہو، اس مفروضے کی بنیاد جس سند پر رکھی گئی ہے اس میں بھی عاصم بن کلیب موجود ہے۔ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث جو ابن خزیمہ کے حوالہ سے پیش کی جاتی ہے، اس کی سند کا مدار بھی عاصم بن کلیب پر ہے۔ (تجلیات صفدر ص ٢٥٨ ج ٢)

ہے۔دارقطنی کی ''کتاب العلل'' کے صفحہ:۱۴۳؍۳ میں ہے:

وسئل عن حديث علقمة عن عبد الله قال : الا أريكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فرفع يديه فى اوّل تكبيرة ثم لم يعد ، فقال : يرويه عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمة حدث به الثورى عنه ، ورواه ابو بكر النهشلى عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الاسود عن ابيه ، وعلقمة عن عبدالله وكذلك رواه ابن ادريس عن عاصم بن كليب عن عبدالرحمن بن الاسود عن علقمة عن عبدالله ، واسناده صحيح۔(نسائی ص:١٦٨)

دیکھواس عبارت سے تفرد سفیان کا باطل ہوگیا، جب تفرد باطل ہے تو غیر محفوظ ہونے کا دعویٰ بھی باطل ہوگیا۔اس حدیث کوجس کی ترمذی نے تحسین کی ہے ابن حزم نے ''محلّی'' میں صحیح کہا ہے،اورعلامہ ہاشم سندھی رحمہ اللہ نے ''کشف الرین'' میں لکھا ہے: ''سند ابی داؤد صحيح على شرط الشيخين ''یعنی ابوداؤد کی سند امام بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

(٢):......دوسری حدیث ''نسائی'' کی:

حدثنا محمود بن غيلان المروزى نا وكيع نا سفيان عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمة عن عبدالله انه قال : الا أصلى بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى ولم يرفع يديه الامرةً واحدةً۔

یعنی عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: انہوں نے کہا کہ: میں تم لوگوں کو وہ نماز پڑھ کردکھاؤں جورسول خدا ﷺ پڑھا کرتے تھے۔یہ کہہ کرانہوں نے جونماز شروع کی تو رفع یدین ایک مرتبہ کے سوادوسری بارنہ کیا۔(اس کا مالہ وماعلیہ وہ ہے جوگزرچکا ہے)

(۳):......تیسری حدیث ''ابن ابی شیبہ'' کی:

حدثنا وکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود عن علقمة عن عبداللّٰہ قال : ألا اریکم صلٰوة رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم فلم یرفع یدیه الا مرةً۔

یعنی عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ: میں تم لوگوں کو وہ نماز پڑھ کر دکھاتا ہوں جو رسول خدا ﷺ پڑھا کرتے تھے، یہ کہہ کر جو نماز شروع کی تو رفع یدین ایک مرتبہ کے سوا دوسری بار نہ کیا۔

آپ ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما رفع یدین نہیں کرتے تھے

(۴):......چوتھی حدیث ''دار قطنی'' کی:

حدثنا ابو عثمان سعید بن محمد بن احمد الخیاط وعبد الوهاب بن عیسٰی ابن ابی حیة قال : نا اسحاق بن ابی اسرائیل نا محمد بن جابر عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن عبداللّٰہ قال : صلیت مع النبی صلی الله علیه وسلم ومع ابی بکر وعمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما فلم یرفعوا ایدیهم الا عند تکبیرة الاولیٰ فی افتتاح الصَّلٰوة۔

جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نماز پڑھی ہمراہ نبی ﷺ کے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے تو رفع یدین نہیں کیا انہوں نے مگر وقت شروع کرنے نماز کے تکبیر اولیٰ کے ساتھ۔

(۵):......پانچویں حدیث: طحاوی رحمہ اللہ کی ہے:

حدثنا بن ابی داؤد قال ثنا نعیم بن حماد قال حدثنا وکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود عن علقمة عن عبداللّٰہ عن النبی صلی الله علیه

وسلم : انه کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لایعود۔

یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: حضرت ﷺ رفع یدین کرتے تھے، پہلی تکبیر میں پھر دوبارہ نہ کرتے تھے۔

وحدثنا محمد بن النعمان قال ثنا یحي بن یحي قال حدثنا وکیع عن سفیان فذکر مثله باسناده۔

ف:......اگر کوئی کہے کہ تم یہ حدیثیں نقل کرتے ہو اور بعض رواۃ نے اس کے خلاف روایت کی ہے، تو جواب اس کا امام ابوحنیفہ اور اوزاعی رحمہما اللہ کے مناظرہ سے ظاہر وباہر ہے۔اور یہ مناظرہ مسند ابوحنیفہ کی شرح ملا علی قاری میں اور ''مرقات'' میں اور ''شرح ابی الطیب'' میں بھی مذکور ہے، اور علامہ عینی نے بحوالہ ''مبسوط'' یہ مناظرہ نقل کیا ہے، اور ''عقد الجواہر المنیفہ'' میں ہے کہ حارثی نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے، اور وہ یہ ہے:

امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کا مکالمہ

اجتمع ابوحنیفة مع الأوزاعی بمکة فی دارالحناطین ، کما حکی ابن عیینة فقال الأوزاعی : ما بالکم لا ترفعون ایدیکم عند الرکوع والرفع منه ؟ فقال : لانه لم یصح عن رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم فیه شئ ، فقال الاوزاعی : کیف لم یصح؟ وقد حدثنی الزهری عن سالم عن ابیه : ان رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلٰوة ، وعند الرکوع ، وعند الرفع منه ، فقال : ثنا حماد عن ابراهیم عن علقمة والاسود عن عبداللّٰه بن مسعود : ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلٰوة ثم لایعود لشئ من ذلک ، فقال الاوزاعی : احدثک عن الزهری عن سالم عن ابیه ، وتقول حدثنی حماد عن ابراهیم ؟ فقال ابو حنیفة : کان

حماد افقه من الزهری ' وکان ابراهیم افقه من سالم ' وعلقمة لیس بدون ابن عمر فی الفقه ' وان کان لابن عمر صحبة فله فضل صحبة ' والاسود له فضل کثیر ' وعبدالله عبدالله ، فرجح بفقه الرواة کما رجح الأوزاعی بعلو الاسناد والترجیح بفقه الرواة هو المذهب المنصور عندنا۔

یعنی ابوحنیفہ اور اوزاعی رحمہما اللہ جمع ہوئے مکہ معظّمہ میں دارالحناطین میں جیسا کہ بیان کیا ہے اس کو ابن عیینہ نے۔ پس کہا: اوزاعی نے کیا حال ہے تمہارا نہیں رفع یدین کرتے ہو تم وقت رکوع کے' اور رکوع سے اٹھتے وقت؟ تو ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: رسول خدا ﷺ سے اس بارے میں کچھ صحت کو نہیں پہنچا ہے، پھر اوزاعی نے کہا: کیونکر صحت کو نہیں پہنچا، حالانکہ مجھ سے حدیث بیان کی زہری نے سالم سے' اور انہوں نے اپنے باپ سے کہ رسول خدا ﷺ رفع یدین کرتے جبکہ نماز شروع کرتے تھے' اور وقت رکوع کے' اور اس سے اٹھتے وقت۔ تو امام ابوحنیفہ نے کہا: حدیث بیان کی ہم سے حماد نے ابراہیم سے' اور انہوں نے علقمہ اور اسود سے' اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ ہر آن نبی ﷺ رفع یدین نہیں کرتے تھے، مگر وقت شروع کرنے نماز کے، پھر نہیں عود کرتے تھے کسی شے میں نماز سے، تو اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا کہ: میں تمہارے سامنے حدیث بیان کرتا ہوں: زہری اور سالم اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اور تم ان کے مقابل میں حماد اور ابراہیم اور اسود اور علقمہ سے اور ابن مسعود سے حدیث بیان کرتے ہو۔ تو کہا ابوحنیفہ نے کہ: حماد افقہ ہے زہری سے اور ابراہیم افقہ ہے سالم سے اور علقمہ کم نہیں ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فقہ میں، اگرچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو صحبت حاصل ہے۔ پس ابن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطے فضل صحبت کا ہے تو اسود کو بھی بہت فضیلت ہے، اور عبداللہ تو عبداللہ ہی ہیں، پس ابوحنیفہ رحمہ اللہ

نے ترجیح دی ساتھ فقہ رواۃ کے جیسا کہ ترجیح دی اوزاعی نے ساتھ علو اسناد کے، اور ترجیح دینا ساتھ فقہ رواۃ کے یہ ہی مذہب منصور ہے ہمارے نزدیک۔

یعنی حماد اور ابراہیم اور علقمہ اور اسود ثقہ ہونے کے علاوہ افقہ بھی ہیں، لہٰذا ان کی روایت زہری اور سالم کی روایت پر مقدم ہے۔

پس جو لوگ گمان کرتے ہیں کہ بخاری نے جو حدیثیں رفع یدین کی اپنی کتاب میں تخریج کی ہیں وہ حدیثیں ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب (رحمہم اللہ) کو نہیں پہنچی ہیں، یہ کہنا حد انصاف سے خارج ہو کر سرکشی میں داخل ہو گیا، چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مسند میں لکھا ہے:

قال ابن الهمام فرجح الامام بفقه الرواة كما رجح الاوزاعى بعلو الاسناد وهو المذهب المنصور عندنا ' انتهى ، فمن زعم ان ما اورده البخارى من صحيحه فى بابه لم يبلغ اباحنيفة واصحابه ' خرج عن حد الانصاف ودخل فى باب الاعتساف۔

اور فقاہت فقط تحفظ پر مقدم اور مرجح ہے، چنانچہ اسی کی تائید میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے "شرح مسند" میں تحریر کیا ہے:

نضر اللّٰه امرأ سمع منا شيئًا وبلّغه كما سمعه ، فرب مبلغ اوعٰى من سامع ، رواه احمد والترمذى وابن حبان فى صحيحه عن ابن مسعود مرفوعا ، وفى رواية : رب حامل فقه غير فقيه ، ورب حامل فقه الى من هو افقه منه۔

پس ان احادیث سے درجہ اور مرتبہ بڑھ کر ثابت ہوا ان راویوں پر کہ جن میں فقط تحفظ ہو اور فقاہت نہ ہو اور یہ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی نے زہری اور سالم کو ثقہ کے سوا فقیہ بھی لکھا ہو، لہٰذا ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے رواۃ کو اس باب میں ترجیح اور فوقیت بخاری کے رواۃ پر

ثابت ہے۔

وائل کا رفع کا مشاہدہ ایک مرتبہ،تو ابن مسعود کا ترک کا پچاس مرتبہ

(۶):......چھٹی حدیث طحاوی کی:

حدثنا ابو بکرة قال ثنا مؤمل قال ثنا سفیان عن المغیرة قال : قلت لابراهیم : حدیث وائل انه رأی النبی صلی الله علیه وسلم یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة ' واذا رکع واذا رفع رأسه من الرکوع ، فقال : ان کان وائل راٰه مرة یفعل ذلک فقد راٰه عبد اللّٰه خمسین مرة لایفعل ذٰلک۔

یعنی مغیرہ سے روایت ہے کہ: میں نے ابراہیم رحمہ اللہ سے کہا: حدیث وائل کی ہے کہ: انہوں نے دیکھا نبی ﷺ کو رفع یدین کرتے ہوئے جبکہ شروع کرتے نماز اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے اٹھتے،تو ابراہیم رحمہ اللہ نے کہا: اگر وائل نے حضرت ﷺ کو رفع یدین کرتے ایک مرتبہ دیکھا ہے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پچاس بار دیکھا ہے کہ حضرت ﷺ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

ابراہیم کا غصہ کہ وائل نے رفع کو دیکھا ابن مسعود نے ترک کو نہیں دیکھا؟

(۷):......ساتویں حدیث ''طحاوی'' کی:

حدثنا احمد بن داؤد قال حدثنا مسدد قال حدثنا خالد بن عبداللّٰه قال ثنا حصین عن عمرو بن مرة قال : دخلت مسجد حضرموت ، فاذا علقمة بن وائل یحدث عن ابیه ان رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم کان یرفع یدیه قبل الرکوع وبعده ، فذکرت ذلک لابراهیم ، فغضب وقال : راٰه هو ولم یره ابن مسعود ولااصحابه ۔

یعنی عمرو بن مرہ سے مروی ہے کہ: میں داخل ہوا مسجد حضرموت میں تو ناگہاں وہاں

علقمہ بن وائل اپنے باپ سے حدیثیں روایت کررہے تھے کہ رسول خدا ﷺ رفع یدین کرتے تھے قبل رکوع اور بعد رکوع کے۔ تو یہ میں نے ابراہیم سے ذکر کیا پس غصہ کیا اور کہا ابراہیم نے کہ: وائل نے دیکھا اور عبداللہ اوران کے اصحاب نے نہیں دیکھا۔

یعنی یہ محال ہے کہ وائل ایک دو بار ملاقات والا دیکھے، اور عبداللہ ہمیشہ حضرت ﷺ کے ہمراہ رہنے والے اور خادم خاص صاحب مسواک اور انہوں نے نہ دیکھا۔ جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایتیں جیسی ''ترمذی' ابوداؤد' اور نسائی'' وغیرہ سے اس رسالہ میں درج کی گئی ہیں، اسی طرح دوسرے محدثین بھی اپنی تصانیف اور مسانید اور معاجم میں اس حدیث عبداللہ کو لائے ہیں، اور محدث افخم علامہ محمد ہاشم ''کشف الرین عن رفع الیدین'' میں لکھتے ہیں کہ: سند ابی داؤد کی اور سند نسائی اور سند ابوبکر بن ابی شیبہ کی شیخین کی شرط پر ہے، اور سند امام صاحب کی اوپر شرط مسلم کے ہے۔

(۸):......اورحدیث براء بن عازب کی کہ ترمذی نے اس کی طرف اپنی جامع میں اشارہ کیا ہے، وہ حدیث عبدالرزاق نے اپنی ''جامع'' میں روایت کی ہے اور وہ یہ ہے:

عن ابن عیینة عن یزید عن عبدالرحمن عن ابن ابی لیلی عن البراء بن عازب قال کان رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم اذا کبر رفع یدیه حتی نری ابهامیه قریبا من اذنیه ، ثم لایعود فیه فی تلک الصلٰوة۔

یعنی براء بن عازب (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ: حضرت ﷺ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو رفع یدین کرتے یہاں تک کہ ہم دیکھتے تھے دونوں انگوٹھے آپ کے قریب دونوں کانوں کے، پھر عود نہیں کرتے تھے اس نماز میں۔

(۹):......نویں حدیث ''ابوداؤد'' کی:

تکبیر تحریمہ کے علاوہ آپ ﷺ کو رفع کرتے نہیں دیکھا

حدثنا محمد بن صباح البزار نا شریک عن یزید بن ابی زیاد عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن البراء بن عازب قال : رأیت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ حین افتتح الصلوٰۃ ، ثم لم یرفعھما حتی انصرف۔

یعنی ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا رفع یدین کرتے ہوئے وقت شروع کرنے نماز کے، پھر رفع یدین نہیں کیا یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوئے۔

(۱۰):......دسویں حدیث ''ابوبکر بن ابی شیبہ'' کی:

حدثنا وکیع عن ابن ابی لیلی عن الحکم وعیسی عن عبدالرحمن ابن ابی لیلی عن البراء بن عازب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ ثم لایرفعھما حتی یفرغ ۔

یعنی براء بن عازب سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے تھے، پھر رفع یدین نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ فارغ ہوتے۔

(۱۱):......گیارہویں حدیث ''طحاوی'' کی:

حدثنا ابو بکرۃ قال حدثنا مؤمل قال حدثنا سفیان قال ثنا یزید بن ابی زیاد عن ابن ابی لیلی عن البراء بن عازب قال : کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کبر لافتتاح الصلوٰۃ رفع یدیہ حتی یکون ابھاماہ قریبین من شحمتی اذنیہ ثم لایعود۔

یعنی براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ رفع یدین کرتے تھے وقت تکبیر افتتاح کے یہاں تک کہ دونوں انگوٹھے آپ کے کان کی لو کے قریب

ہوجاتے، پھر عود نہیں کرتے تھے۔

(۱۲):...... بارہویں حدیث ''طحاوی'' کی ہے:

حدثنا ابن ابی داؤد قال ثنا عمرو بن عون قال نا خالد عن ابن ابی لیلی عن عیسی عن عبد الرحمن عن ابیه عن البراء بن عازب عن النبی صلی الله علیه وسلم مثله

(۱۳):...... تیرہویں حدیث ''طحاوی'' کی:

حدثنا محمد بن النعمان قال ثنا یحی بن یحی قال ثنا وکیع عن ابن ابی لیلی عن اخیه وعن الحکم عن ابن ابی لیلی عن البراء بن عازب عن النبی صلی الله علیه وسلم مثله۔

(۱۴):...... چودھویں حدیث ''دار قطنی'' کی:

ثنا احمد بن علي بن علاء ثنا ابو الاشعث نا محمد ابن بکر ثنا شعبة عن یزید بن ابی زیاده قال : سمعت ابن ابی لیلی : یقول سمعت البراء فی هذا المجلس یحدث قوما فیهم کعب بن عجرة قال : رأیت رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم حین افتتح الصلٰوة فیرفع یدیه فی اول تکبیرة ۔

یعنی ابن ابی لیلی براء بن عازب (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے سنا براء بن عازب (رضی اللہ عنہ) کو اس مجلس میں حدیث بیان کرتے ہوئے ایک قوم کے سامنے جن میں کعب بن عجرہ (رضی اللہ عنہ) بھی تھے کہا کہ: میں نے رسول خدا ﷺ کو دیکھا رفع یدین کرتے تھے، وقت شروع کرنے نماز کے تکبیر تحریمہ میں۔

(۱۵):...... پندرہویں حدیث ''دار قطنی'' کی:

حدثنا یحي بن محمد بن صالح ثنا محمد بن سلیمان ثنا اسمٰعیل بن زکریا ثنا

يزيد بن ابی زیاد عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن البراء : انه رأی رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم حین افتتح الصلٰوۃ رفع یدیه حتی حاذی بهما اذنیه ثم لایعود الی شئ من ذلک حتی فرغ من صلا ته۔

یعنی روایت ہے براء رضی اللہ عنہ سے کہ: انہوں نے دیکھا رسول خدا ﷺ کو وقت شروع کرنے نماز کے رفع یدین کرتے ہوئے؛ یہاں تک کہ دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے مقابل کیا، پھر عود نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ فارغ ہوتے نماز سے۔

(۱۶):......سولہویں حدیث ''دار قطنی'' کی:

حدثنا باغد ثنا لوین ثنا اسمٰعیل ابن زکریا عن یزید یعنی ابن ابی زیاد عن عدی بن ثابت عن البراء بن عازب مثله ،

حدثنا ابو بکر الآرمی احمد بن اسمٰعیل نا عبداللّٰه بن محمد بن ایوب الحزمی نا علی بن عاصم نا محمد بن ابی لیلی عن البراء بن عازب قال : رأیت رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم حین قام الی الصلٰوۃ کبر ورفع یدیه حتی حاذٰی بهما ثم لم یعد۔

یعنی براء بن عازب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ: میں نے دیکھا رسول خدا ﷺ کو وقت ادائے نماز کے رفع یدین کرتے ہوئے تو برابر کئے حضرت ﷺ نے دونوں ہاتھ کان تک، پھر عود نہیں کیا۔

ف:......اسی طرح دوسرے محدثین نے ان حدیثوں کو اپنی کتابوں اور مسانید میں روایت کیا ہے۔اور رئیس المحدثین علامہ محمد ہاشم السندی ثم المدنی علیہ الرحمۃ نے ''کشف الرین'' میں تصریح فرمائی ہے کہ اسانید حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی بعض ان میں سے جید اور صحیح اوپر شرط شیخین کے،بعض ان میں سے حسن ہیں شیخین میں سے کسی ایک کی شرط پر،

اورحدیث عبدالرزاق کی سند اوپر شرط شیخین کے ہے۔اور بعض الناس نے عاصم بن کلیب میں قدح کیا ہے، وہ قدح مردود ہے، کیونکہ توثیق کی ہے ان کی ابن معین نے اور تخریج کی ان کی حدیث کی مسلم نے ''ہدی'' وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔اور اوپر گزر چکا ہے کہ ''ترمذی'' نے جلد ثانی میں عاصم کی حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔اور بعض الناس نے کہا کہ: ان حدیثوں میں راوی عبدالرحمٰن کی سماعت علقمہ سے نہیں ہے، یہ بھی باطل ہے، اور اس کو ابن حبان نے ثقات سے شمار کیا ہے جیسا کہ تصریح کی علامہ محقق ابن الہمام نے ''فتح القدیر'' میں۔

ومانقل عن ابن المبارک انه قال : لم یثبت عندی حدیث ابن مسعود ، فغیر صائب بعد ماثبت بالطریق المذکور، والقدح فی عاصم بن کلیب غیر مقبول ، فقد وثقه ابن معین ، واخرج له مسلم حدیثه فی الهدي وغیره عن علی رضی اللّٰه عنه ، والقدح فی عبدالرحمن بانه لم یسمع من علقمة باطل ، وقد ذکره ابن حبان فی الثقات ، وقال : مات سنة تسع وتسعین وسنه سن ابراهیم النخعی فما المانع ح من سماعه عن علقمة ، واتفقوا علی سماع النخعی منه ، واخرج الخطیب فی کتاب المتفق والمفترق فی ترجمة عبد الرحمن انه سمع اباه وعلقمة وما قیل ان الحدیث صحیح ، وانما المنکر فیه علی وکیع زیادة ، ثم لایعود فانما هو ظنه ، وبالجملة زیادة العدل الضابط مقبولة خصوصاً ، وقد توبع علیها فرواه ابن المبارک فیما قدمناه من روایة النسائی۔

اور کہنا ابن القطان کا کہ وکیع کی زیادتی ثم ''لایعود'' کی منکر ہے، مردود ہے بسبب روایت نسائی اور ابوداؤد کے کہ جو اوپر گزر چکی ہیں۔ان سے ثابت ہوتا ہے کہ فقط وکیع لفظ

ثم ’’لایعود‘‘ بیان کرنے میں متفرد نہیں ہیں، بلکہ متابعت کی ہے وکیع کی ابن المبارک وغیرہ نے اصحاب ثوری سے، اوردارقطنی کا کہنا کہ احمد بن حنبل اورابو بکر بن ابی شیبہ نے ’’لایعود ‘‘یا’’لم یعد ‘‘ذکرنہیں کیا ہے مرفوع ہے، کیونکہ احمد نے خود اپنی مسند میں روایت کی ہے۔

حدثنا وکیع ثنا سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمة قال : قال ابن مسعود : الا اصلّی لکم صلاۃ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ، قال : فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ۔

اورمدفوع ہے اس حدیث سے کہ تخریج کی اس کی ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں، اور یہ حدیث بھی اوپر گذر چکی ہے۔اوردارقطنی کا کہنا کہ:وکیع کے شاگردوں میں سے کسی نے’’ثم لم یعد ‘‘نہیں کہا وہ بھی باطل اوردروغ بےفروغ ہے، کیونکہ ابھی گذرچکا ہے کہ احمداورابوبکر بن ابی شیبہ نے اس کووکیع سے روایت کیا ہے،اوراس میں’’ فلم یرفع یدیہ الا مرۃ ‘‘موجودہےاوریہ کلمہ معنی میں’’فرفع یدیہ ثم لم یعد‘ ‘کے ہےاورمتابعت کی ان دوکی ایک جماعت نے وکیع سے، ان میں سے عثمان بن ابی شیبہ بھی ہے روایت ابی داؤد میں، اورحماد روایت ترمذی میں، اورمحمود بن غیلان روایت نسائی میں ،اورنعیم بن حماد اوریحی بن یحیٰ روایت طحاوی میں، یہ کل وکیع سے روایت کرتے ہیں اورانہوں نے کہا ہے: حدیث میں’’فلم یرفع یدیہ الا مرۃ‘‘

اوربخاری رحمہ اللہ اوران کے متبعین ابوحاتم وغیرہ کا کہنا کہ:اس میں وہم سفیان کا ہے، اس کا جواب چندوجوہ سے ہے:

ایک یہ کہ:جوحدیث ابن ادریس بیان کرتا ہے وہ حدیث دوسری ہے ایک نہیں، چنانچہ

سیاق دونوں کا اختلاف پر دلالت کرتا ہے۔

اور دوسرا جواب یہ کہ: سفیان احفظ ابن ادریس سے ہے، چنانچہ حافظ نے ''تقریب'' میں بیچ ترجمہ سفیان کے ثقہ حافظ امام حجۃ کہا ہے، پس باوجود ثقہ ہونے کے اس کے اور حافظ اور امام ہونے کے ضرر نہیں کرتا ہے خلاف کرنا ابن ادریس کا۔

تیسرا جواب یہ کہ: یہ زیادۃ ہے، اور زیادتی ثقہ حافظ متقن کی مقبول ہے۔ اور زیلعی رحمہ اللہ نے ''نصب الرایہ'' میں اس کا جواب دیا ہے، وہ یہ ہے کہ بخاری اور ابو حاتم رحمہما اللہ نے اس میں سفیان کا وہم قرار دیا، اور ابن القطان وغیرہ نے وکیع کا وہم بتایا، اور یہ اختلاف دونوں قولوں کے ساقط ہو جانے کا متقضی ہے بدلیل ''اذا تعارضا تساقطا'' کے اور پھر چونکہ یہ حدیث ثقات سے مروی ہے اس لئے اس کو صحیح مانا جائے گا۔ پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہ حدیث اس زیادتی کے ساتھ صحیح ہے اور جو جو اعتراضات اس پر وارد کئے گئے ہیں وہ سب مدفوع ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رفع یدین نہیں کرتے تھے

(۱۷):......سترہویں حدیث' ابو بکر بن ابی شیبہ جو امام بخاری اور مسلم کے استاد ہیں' اپنی مصنف میں روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابن اٰدم عن الحسن بن عیاش عن عبد الملک بن بجر عن الزبیر بن عدی عن ابراھیم عن الاسود قال : صلیت مع عمر رضی اللہ عنہ فلم یرفع یدیہ فی شئ من صلاتہ الا حین افتتح الصلوٰۃ ، قال عبد الملک : ورأیت الشعبی وابراھیم وابا اسحاق لایرفعون ایدیھم الا حین یفتتحون الصلوٰۃ۔

یعنی اسود سے مروی ہے کہ: میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی،

انہوں نے بجز افتتاح کہیں اور مواضع صلوٰۃ میں سے رفع یدین نہیں کیا۔

اور عبدالملک نے کہا کہ: میں نے شعبی اور ابراہیم نخعی اور ابواسحاق سبیعی رحمہم اللہ کو دیکھا کہ یہ لوگ افتتاح کے سوا اور کہیں نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

یہ اثر صحیح ہے کیونکہ ''آثار السنن'' میں تصریح کی ہے کہ اس کے راوی یا تو صحیح بخاری اور مسلم دونوں کے ہیں یا دو میں سے کسی ایک کے۔

اس اثر کو امام طحاوی رحمہا للہ نے ''معانی الآثار'' میں بھی روایت کیا ہے، اور اس کی نسبت ''ھو حدیث صحیح'' لکھا ہے۔ (ص۱۳۳)

اور حافظ ابن حجر شافعی (رحمہ اللہ) نے ''درایہ تخریج ہدایہ'' میں لکھا ہے: ''وھذا رجالہ ثقات'' یعنی اس کے کل راوی ثقہ ہیں۔

امام نخعی، سبیعی اور پانچ سو صحابہ کو پانے والے شعبی وغیرہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے

اس اثر صحیح سے دو باتیں مستفاد ہوئیں: ایک: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رفع یدین نہ کرنا دوسرے: امام شعبی اور امام نخعی اور ابواسحاق سبیعی (رحمہم اللہ) ایسے تابعین کا بھی رفع یدین ترک کرنا۔ شعبی وہ جلیل القدر تابعی ہیں جنہوں نے دو چار نہیں، بلکہ پانچ سو صحابہ کو پایا ہے۔ خلاصہ (صفحہ:۱۸۴) میں ان کا یہ قول منقول ہے ''ادرکت خمس مائۃ من الصحابۃ'' یعنی میں نے پانچ سو صحابہ کو پایا ہے۔ اسی طرح نخعی اور سبیعی بھی بہت جلیل القدر تابعی ہیں۔

اب تم ذرا درایت سے کام لو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ جو تارک رفع یدین ہوئے تو کیوں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ رسول خدا ﷺ رات، دن میں کم از کم پانچ وقت نماز میں رفع

یدین کیا کریں اوران کوخبر نہ ہوئی ہو۔خبر ہوئی اورضرورخبر ہوئی،مگر پھر بھی ان کا رفع یدین نہ کرنا صاف کہہ رہا ہے کہ جس طرح سجدوں کا رفع یدین ترک کردیا،اسی طرح بجز تحریمہ اورمواضع ثلاثہ میں بھی آپ نے رفع یدین چھوڑ دیا۔اگرآپ تارک نہ ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسی سنت جس کے کرنے میں کچھ مشقت نہیں ہرگز ترک نہیں کرتے۔اس اثر صحیح کی نسبت بعض علمائے ہند نے لکھا ہے:

واعترضه الحاكم على مانقله الزيعلى فى تخريج احاديث الهدايه : بانها رواية شاذة لا يعارض بها الاخبار الصحيحة عن طاؤس عن كيسان عن ابن عمر رضى الله عنه ان عمر رضى الله عنه كان يرفع يديه فى الركوع وعند الرفع منه۔

اس عبارت سے یہ بات نکلتی ہے کہ حاکم کے نزدیک یہ روایت شاذہ ہے،اور بسند صحیح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رفع یدین کرنا ثابت ہے، حالانکہ میں نے اوپرنہایت زور شور سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا رفع یدین کرنا ہرگز ثابت نہیں۔اس میں شک نہیں کہ تخریج زیلعی مطبوعہ میں یوں ہی ہے،لیکن اگر غور وتفتیش کرتے تو ضرور سہو کاتب پر اطلاع ہوجاتی۔ یہاں کاتب سے دوغلطیاں ہوئی ہیں: ایک طاؤس عن کیسان غلط ہے،طاؤس بن کیسان چاہئے۔دوسرے ان عمر قلم ناسخ کی زیادتی ہے، نسخ قلمیہ ان اغلاط سے پاک ہیں۔دیکھو ان غلطیوں کو ہم کتب مطبوعہ ہی سے ثابت کردیتے ہیں،تخریج زیلعی کا خلاصہ حافظ ابن حجر نے کیا ہے جس کا نام ’’درایہ‘‘ ہے،اس میں یوں لکھا ہے:

ويعارضه رواية طاؤس عن ابن عمر رضى الله عنه كان يرفع يديه فى التكبير فى الركوع وعند الرفع منه۔

اورسنو محقق ابن ہمام کی ’’فتح القدیر‘‘ کی احادیث کا ماخذ بھی وہی تخریج زیلعی ہے۔وہ

کہتے ہیں:” وعارضہ الحاکم بروایة طاؤس بن کیسان عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنه کان یرفع یدیه فی الرکوع وعند الرفع منه“

اب اس سے صاف ثابت ہوگیا کہ حاکم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے رفع یدین سے معارضہ کیا ہے، نہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے رفع یدین سے۔

اب حاکم کے قول کا جواب سنو کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا رفع یدین بیشک باسانید صحیحہ ثابت ہے، مگر اس سے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اثر کا معارضہ کیونکر ہوگا؟ اور جب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے رفع یدین باسناد صحیح ثابت ہی نہیں تو یہ روایت شاذ کیونکر ہوگی؟ شاذ وہ روایت کہلاتی ہے جو ثقات کی روایت کے مخالف ہو۔[۱]

خلاصہ یہ کہ اس روایت پر نہ شاذ اصطلاحی کا اطلاق صحیح ہے، اور نہ کسی اثر صحیح کے معارض ہے۔ حاکم کا اعتراض محض غلط اور بے بنیاد ہے، اور بے شک یہ اثر صحیح ہے جس کا معقول جواب مثبتین کی طرف سے ممکن نہیں۔ اور یہ دوسری بات ہے کہ کہہ دیں کہ فعل صحابی حجت نہیں، مگر جو لوگ درایت سے سروکار رکھتے ہیں وہ ضرور ایسے امور میں ایسے جلیل القدر صحابی کا فعل خلافِ سنت نہ سمجھ کر قابل حجت جانیں گے اور ضرور سمجھیں گے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ رفع یدین نہیں کرتے تھے تو ہم لوگوں کے واسطے رفع یدین نہ کرنے ہی میں احتیاط ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ رفع یدین نہیں کرتے تھے

(۱۸):......اٹھارہویں حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی ”مصنف“ میں روایت کی

---

[۱]......شاذ: وہ حدیث ہے جس کا راوی خود ثقہ ہو، مگر ایک ایسی جماعت کی مخالفت کرتا ہو جو اس سے زیادہ ثقہ ہو۔ (مبادیات حدیث ص ۹۶۔ مکتبہ بیت العلم کراچی)

ہے جیسا کہ ''فتح القدیر'' اور ''عینی'' اور ''آثار السنن'' میں ہے:

حدثنا وکیع عن ابی بکر بن عبد اللّٰہ بن القطان النهشلی عن عاصم بن کلیب عن ابیه ان علیا رضی اللّٰه عنه کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلٰوۃ ثم لایعود۔

یعنی کلیب سے روایت ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف وقت افتتاح الصلوٰۃ کے رفع یدین کرتے تھے اور پھر نہیں کرتے تھے۔

فائدہ:.......اس اثر کو طحاوی نے بھی ''معانی الآثار'' (صفحہ:۱۳۲) میں روایت کیا ہے، جس کی نسبت حافظ زیلعی نے ''نصب الرایہ'' میں لکھا ہے ''هو اثر صحیح'' یعنی یہ اثر صحیح ہے۔

اور علامہ عینی نے ''عمدۃ القاری شرح بخاری'' (صفحہ:۹) میں لکھا ہے: اسناد حدیث عاصم بن کلیب صحیح علی شرط مسلم۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے ''درایہ'' میں لکھا ہے ''رجاله ثقات''۔

اب دیکھئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی رفع یدین نہ کرنا بسندِ صحیح ثابت ہوگیا، اور یہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ ان کا رفع یدین کرنا بسند صحیح ہرگز ثابت نہیں۔ اب تم ہی سوچو کہ بعد وصال نبوی ﷺ ان کا رفع یدین نہ کرنا نسخ پر دال نہیں ہے تو کیا ہے؟

اس کا جواب بعضے علماء نے یہ لکھا ہے کہ کچھ ضرور نہیں کہ ان کا رفع یدین نہ کرنا نسخ کی وجہ سے ہو، بلکہ ممکن ہے کہ ان کے نزدیک رفع یدین سنت مؤکدہ نہ ہو، اس سبب سے ترک کیا ہو۔ مجھے اس جواب پر سخت حیرت ہے جن لوگوں نے صحابہ کے حالات غور سے دیکھے ہیں، ان پر مخفی نہیں کہ وہ لوگ خصوصاً خلفاء غایت درجہ کے متبع سنت تھے۔ رسول خدا ﷺ کو جس طرح کرتے دیکھتے تھے حتی الوسع اسی طرح کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ رفع یدین کرنے میں کچھ مشقت نہیں، پھر غیر مؤکد ہونے کے خیال سے کوئی کیوں

ترک کرنے لگا؟ وہی سنت ترک ہوسکتی ہے جس کے کرنے میں کچھ وقت صرف ہوتا ہو یا کسی اور قسم کی دقت ہوتی ہو، اگر رفع یدین کوئی بھاری بات ہوتی تو ممکن تھا کہ چونکہ واجب یا مؤکدہ نہیں اس وجہ سے تارک ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ یہ ایسا رکیک جواب ہے جو درایت کی میزان میں ہرگز کچھ وزن نہیں رکھتا۔

امام بیہقی شافعی جن کو اپنے مذہب کی تائید میں اصول مقررہ کی پابندی نہیں رہتی، اور جن کی یہ حالت ہے کہ جس راوی سے ایک جگہ احتجاج کرتے ہیں پھر اسی کو کبھی ضعیف بھی بتاتے ہیں، وہ اس اثر علی رضی اللہ عنہ کی نسبت ''کتاب المعرفة'' میں یوں جواب دیتے ہیں:'' ليس ابو بكر النهشلي ممن يحتج بروايته ''یعنی ابوبکر نہشلی ان لوگوں میں نہیں جن کی روایت سے احتجاج کیا جائے۔ ذرا انصافاً ملاحظہ ہو کہ یہ قول کس قدر انصاف کے پایہ سے دور ہے۔ ابوبکر نہشلی وہ شخص ہیں جن کی روایت سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں احتجاج کیا ہے۔ خلاصہ (صفحہ:۴۴۵) میں لکھا ہے: وثقه ابن معين والعجلی۔

اور ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں بعد نقل کلمات جرح وتعدیل اپنا یہ قول لکھا ہے: وهو حسن الحديث صدوق۔

اب فرمایئے! اس اثر کے قابل احتجاج ہونے میں کیا کلام ہے، اور کچھ ابوبکر نہشلی ہی نے عاصم سے اس کو روایت نہیں کیا، بلکہ محمد بن ابان بن صالح نے بھی روایت کیا ہے۔ ''مؤطا امام محمدؒ'' (صفحہ:۸۸) میں ان کی روایت موجود ہے۔ اب ہمارے ناظرین دیکھ چکے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ ہم نے بسندِ صحیح حضرت عمر وحضرت علی رضی اللہ عنہما کا بھی رفع یدین نہ کرنا ثابت کردیا۔

اچھا اب اور ملاحظہ فرمایئے۔ ''آثار السنن''۔

(۱۹):......انیسویں حدیث۔ وہی امام ابوبکر بن ابی شیبہ جوشیخین کے استاد ہیں۔ روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابو بکر بن عیاش عن حصین عن مجاهد قال : ما رأیت ابن عمر یرفع یدیه الا فی اول ما یفتتح،

یعنی مجاہد سے مروی ہے کہ: میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو افتتاح کے سوا اور کہیں رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔

یہ اثر بھی صحیح ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے کل راوی ثقہ اور رجال بخاری سے ہیں۔ اس اثر کو طحاوی نے ''معانی الآثار'' میں روایت کیا ہے۔ جس کی سند کو علامہ عینی نے شرح بخاری میں صحیح کہا ہے۔ اب دیکھئے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جن سے روایت رفع یدین ثابت ہے، انہیں سے ترک بھی مروی ہے۔ امام بخاری نے رسالہ ''رفع یدین'' میں اس اثر کے مختلف جواب دیئے ہیں: ایک یہ کہ: بہت سے لوگوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا رفع یدین کرنا روایت کیا ہے، اور خود مجاہد کا بھی رفع یدین ثابت ہے۔ پھر انہوں نے جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کا نہ کرنا روایت کیا تو لوگ جس طرح نماز میں بعض باتیں بھول جاتے ہیں اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین کرنا بھول گئے ہوں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر رکوع کو جاتے وقت بھولے تو کیا سر اٹھانے کے وقت بھی بھول گئے، اور اگر پہلی رکعت میں بھول گئے تو کیا بقیہ رکعات میں بھی ان کو سہو ہو گیا، بھولنا ایک آدھ بار ہوتا ہے نہ ہر بار۔ اس کے علاوہ مجاہد کے قول سے یہ نکلتا ہے کہ انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو رفع یدین کرتے کبھی دیکھا ہی نہیں، جس سے تعدد اوقات ثابت ہوتا ہے، ایسی حالت میں ان کے نزدیک رفع یدین کو سہو پر محمول کرنا ہرگز صحیح نہیں، اور یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ ان سے رفع یدین بھی مروی

ہے۔اس رفع اور عدم رفع کو مختلف اوقات پر محمول کرنے سے کچھ تعارض لازم نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ جب تک ان کو نسخ کی دلیل نہیں ملی وہ کرتے رہے اور جب دلیل مل گئی تو کرنا چھوڑ دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسرا جواب یہ دیا ہے: ''قال یحيٰ بن معین حدیث ابی بکر بن عیاش انما هو توهم منه لااصل له ''اس کا جواب یہ ہے کہ ابن معین کا یہ قول کہ توہم ہوگیا ہے صرف ظن پر مبنی ہے، اس پر کوئی دلیل نہیں، ع

دعوے بے دلیل قبولِ خرد نہیں

اور اس اثر کو امام محمد نے ''مؤطا'' میں ۔عن محمد بن ابان بن صالح عن عبدالعزیز بن حکیم عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه روایت کیا ہے، اس میں ابوبکر بن عیاش کا واسطہ نہیں۔ ہر چند یہ سند ضعیف ہے، مگر اس سے مجاہد کی روایت کو فی الجملہ قوت ضرورت ہوجاتی ہے۔خلاصہ یہ کہ توہم کا دعویٰ صحیح نہیں۔اور غالبًا یہی وجہ ہے کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ کو جو جواب دینا تھا دے دیا۔اور اس قول کو ابن معین کی طرف منسوب کیا۔

تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ: صدقہ نے کہا ہے کہ ابوبکر بن عیاش آخر عمر میں متغیر الحافظہ ہوگئے تھے۔اس کا جواب یہ ہے کہ: ابوبکر بن عیاش کی توثیق بہتیرے ائمہ حدیث نے کی ہے اور ان راویوں میں سے ہیں، جن سے خود امام بخاری رحمہ اللہ نے احتجاج کیا ہے۔ ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' (صفحہ:٦٣) میں لکھا ہے ''وقد اخرج له البخاری وهو صالح الحدیث ''۔اور آخر عمر میں ان کا حافظہ متغیر ہونا اس اثر کے لئے کچھ مضر نہیں، کیونکہ یہ اثر ان کے قدمائے اصحاب نے بھی روایت کیا ہے۔ غالبًا انہی وجوہ سے خود امام بخاری رحمہ اللہ نے ان پر جرح نہیں کی۔اور صدقہ کا قول نقل کر دیا ہے۔ان کے نزدیک اس اثر کا وہی

جواب تھا جو اوپر گذرا۔ یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما رفع یدین کرنا بھول گئے، جس کا جواب با صواب بھی ہم لکھ چکے۔

ہم کو یہاں پر بعض علماء پر سخت شکایت ہے کہ امام بخاری وغیرہ نے تو ابوبکر بن عیاش کی نسبت اس قدر احتیاط کی کہ خود ان پر کوئی جرح نہیں کی، اور صدقہ کا ایسا قول نقل کیا جو زیادہ بھاری نہیں، مگر انہوں نے بے تکلف ان کو ضعیف لکھ دیا، اور اتنا نہیں سمجھے کہ یہ راویان بخاری سے ہیں۔ مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنے مقدمہ میں ان سے روایت کی ہے، ان کو ضعیف کہہ دینے سے حدیث صحیحین پر ضعف کا دھبہ لگ جاتا ہے۔

(۲۰):......بیسویں حدیث وہی امام بخاری اور مسلم کے استاد ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا وکیع و ابو اسامة عن شعبة عن ابی اسحٰق قال : کان اصحاب علی لایرفعون ایدیهم الا فی افتتاح الصلٰوة ، قال وکیع : ثم لایعودون۔

یعنی ابی اسحاق سبیعی کوفی سے مروی ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب رفع یدین نہیں کرے تھے، مگر افتتاح کے وقت، اور وکیع نے ’’ثم لایعودون ‘‘ کہا یعنی ایک دفعہ کرکے پھر اعادہ رفع یدین نہیں کرتے تھے، یہ اثر صحیح ہے۔ اس کے کل راوی راویان صحیحین سے ہیں، جب اس اثر سے یہ ثابت ہوا کہ اصحاب علی رضی اللہ عنہ رفع یدین نہیں کرتے تھے تو اس سے یہ بھی نکلا ہے کہ اصحاب علی رضی اللہ عنہ نے یقیناً اور صحابہ کو بھی ضرور دیکھا ہوگا، کیونکہ علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ گئے تھے تو ان کے ساتھ بہت سے صحابہ بھی تھے، وہ بھی ضرور تارک رفع یدین ہوں گے۔

(۲۱):......اکیسویں حدیث ’’مسند امام احمد بن حنبل‘‘ میں ہے:

حدثنا عبد اللّٰه حدثني ابی ثنا محمد بن فضيل عن عاصم بن كليب عن محارب بن دثار قال : رأيت ابن عمر يرفع يديه كلما ركع وكلما رفع رأسه من الركوع ، قال : فقلت له : ما هذا ؟ قال : كان النبی صلی الله عليه وسلم اذا قام فی الركعتين كبرورفع يديه۔

یعنی محارب بن دثار سے مروی ہے کہ: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو رکوع کرنے اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ نبی ﷺ وقت قیام رکعتین تکبیر کہتے تھے اور رفع یدین کرتے تھے۔

ف:......اس اثر کے کل راوی ثقہ ہیں، اس سے بظاہر قائلین رفع یدین ہی کا مدعا ثابت ہوتا ہے، مگر غور ودرایت سے کام لینے سے اس زمانہ کے عامہ صحابہ اور تابعین کا ترک رفع یدین نکلتا ہے، کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر محارب بن دثار کا یہ پوچھنا کہ (یہ کیا) صاف اس پر دال ہے کہ اس زمانہ میں رفع یدین متروک ہو چکا تھا، ورنہ وہ ''ماھٰذا'' نہ کہتے، اور اس کی تائید ابوداؤد اور امام احمد کی یہ روایت کرتی ہے:

وعن ميمون المكی انه رأی عبداللّٰه بن الزبير ، وصلی بهم يشير بكفيه حين يقوم وحين يركع وحين يسجد وحين ينهض للقيام فيقوم فيشير بيديه ، فانطلقت الی ابن عباس فقلت : انی رأيت ابن الزبير صلی صلاة لم أراحدا يصليها ، فوصفت له هذه الاشارة ، فقال : ان احببت ان تنظر الیٰ صلاة رسول اللّٰه صلی الله عليه وسلم فاقتد بصلاة عبد اللّٰه بن الزبير۔

یعنی میمون مکی سے مروی ہے کہ: میں نے عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ

لوگوں کو جونماز پڑھائی تو افتتاح اور رکوع وسجود وقیام کے وقت دونوں کف سے اشارہ کیا۔ یہ دیکھ کر میں عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کے پاس گیا اور کہا کہ: میں نے ابن زبیر (رضی اللہ عنہ) کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ آج تک کسی کو اس طرح نماز پڑھتے نہیں دیکھا ہے، اس کے بعد میں نے اس کو بیان کیا، یہ سن کر ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے کہا کہ: اگر تم کو یہ پسند ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھو! تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کرو۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر چند ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے عہد میں سیکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے، مگر عموماً رفع یدین نہیں کرتے تھے، ورنہ میمون مکی کی نظر سے یہ فعل گذرتا اور وہ استعجاب سے ''لم ار احدا یصلیھا'' نہ کہتے۔[۱]

---

[۱]..... حضرت میمون مکی رحمہ اللہ کے الفاظ پر غور فرمائیں، آپ نے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا مگر سوائے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے کسی کو رفع یدین کرتے نہ دیکھا۔ آپ نے بہت سے تابعین کو دیکھا، مگر کسی ایک تابعی کو رفع کرتے نہیں دیکھا۔ آپ نے بہت سے تبع تابعین کو دیکھا، مگر کسی ایک تبع تابعی کو رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ آپ نے پوری دنیائے اسلام سے آنے والے حاجیوں کو نمازیں پڑھتے دیکھا، مگر کسی علاقہ کے ایک حاجی کو بھی رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ یہ ہے پورے خیر القرون میں ترک رفع یدین پر عملی تواتر۔ لاکھوں میں ایک آدمی رفع یدین کرنے والا تھا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے تفردات سب صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں اہل سنت والجماعت نے قبول نہیں کئے، مثلاً آپ عیدین سے پہلے اذان واقامت کے بھی قائل تھے۔ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کے بھی قائل تھے۔ (معارف السنن ص۴۵۰ ج۲)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی اولاد رفع یدین پر عامل نہیں رہی۔ محمد بن یحی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عباد رحمہ اللہ کے پہلو میں نماز پڑھی اور میں نماز میں رفع وخفض پر رفع یدین کرنے لگا تو حضرت عباد نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! تو نماز میں ہر اونچ نیچ پر رفع یدین کرتا ہے؟ حالانکہ جناب رسول اللہ ﷺ صرف ابتداء نماز میں ہی رفع یدین کرتے تھے، اس کے بعد نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ (بسط الیدین ص۵۳۔ تجلیات صفدر ص۳۰۰ ج۲)

رہا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جواب۔ وہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی یوں بھی کیا تھا، کیونکہ اس میں رفع یدین للسجود کا بھی بیان ہے، جو عامہ اہل سنت کے نزدیک منسوخ ہے، اب تم کل روایتوں کو ملا کر دیکھو کہ ان سے کیا نتیجہ نکلتا ہے، اور درایۃً کس کو قوت ہے، اور احتیاط کا مقتضیٰ کیا ہے؟

احادیث اور آثار رفع یدین کا جواب

ہمیں ان احادیث کے نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جن سے رفع الیدین ثابت ہوتا ہے، کیونکہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بیشک متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے باسانید صحیحہ آنحضرت ﷺ کا رفع الیدین کرنا ثابت ہے، جیسے بہت سی باتیں ابتدا میں ثابت تھیں، مگر رفتہ رفتہ ان میں سے کتنی باتیں موقوف ہوگئی ہیں، چنانچہ نماز میں کلام کرنا وغیرہ ویسے ہی یہ بھی ہے، مگر جب کسی روایت صحیحہ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ تادم وصال رفع الیدین کیا کرتے تھے، تو عدم رفع کی احادیث وآثار ملانے سے یہ کہا جائے گا کہ آخر میں آکر آپ نے ترک کر دیا تھا، کیونکہ عقل سلیم کبھی قبول نہیں کرتی ہے کہ آپ کا آخری فعل رفع یدین ہو، پھر آپ ﷺ کے خلفاء رضی اللہ عنہم اس کے خلاف کریں۔

آپ ﷺ کا وصال تک رفع یدین کرنے کی روایت کا جواب

اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ''بیہقی'' کی روایت میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ تادم وصال رفع الیدین کیا کرتے تھے، چنانچہ وہ حدیث یہ ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنهما : ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیه واذا رکع واذا رفع رأسه من الرکوع وکان لایفعل ذلک فی السجود فمازالت تلک صلوٰته حتی لقی اللّٰہ ، انتھی۔

’’آثار السنن‘‘ میں ہے کہ: اس روایت میں عصمہ بن محمد واقع ہے، جس کی نسبت یحییٰ نے کہا ہے ’’کذاب یضع الحدیث‘‘ اور ’’دارقطنی‘‘ وغیرہ نے کہا ہے ’’متروک‘‘۔ ۱؎

۱؎......اس حدیث کی عمدہ تحقیق مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحب رحمہ اللہ نے خوب فرمائی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱)......اس حدیث کی سند کے پہلے دو راوی امام بیہقی رحمہ اللہ ہیں، جو امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد اور احناف کے خلاف تعصب رکھتے تھے۔ اور تقلید شافعی میں اتنے سخت تھے کہ ابو محمد الجوینی رحمہ اللہ جیسے عظیم محدث نے جب امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید چھوڑ کر خود اجتہاد کا ارادہ فرمایا تو امام بیہقی رحمہ اللہ نے انہیں خط لکھ کر منع کیا کہ آپ کے لئے تقلیدِ امام شافعی رحمہ اللہ کو چھوڑنا ہرگز جائز نہیں۔

(۲)......دوسرا راوی ابو عبداللہ الحافظ امام حاکم ہیں۔ جس طرح امام زمخشری فن تفسیر کے مسلمہ امام ہیں، مگر عقیدۃً معتزلی ہیں، اس لئے ان کی جو بات اعتزال کی تائید میں ہوگی وہ تسلیم نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح امام حاکم فن حدیث کے امام ہیں، مگر تذکرۃ الحفاظ (ص۹۶۲ ج۳) پر ان کا مذہب ’’رافضی خبیث‘‘ لکھا ہے۔ اور نواب صدیق حسن صاحب غیر مقلد ان کو ’’غالی شیعہ‘‘ لکھتے ہیں۔ پھر عجیب بات ہے کہ ان کی مستدرک حاکم میں بعض موضوعات تک بھری ہوئی ہیں (تلخیص المستدرک للذہبی ص۱۶۰ ج۳) لیکن یہ حدیث وہ اپنی کتاب میں نہیں لا سکے، کیونکہ ان موضوعات سے بھی بڑھ کر نا قابل التفات تھی۔

(۳)......تیسرا راوی جعفر بن محمد نصر ہے۔ حاکم نے ’’عن‘‘ سے روایت کی ہے، اس کی عدالت، حفظ اور اتصال کا ثبوت چاہئے۔

(۴)......چوتھا راوی عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ الہروی ہے، اس کے بارے میں میزان الاعتدال (۵۸۲ ج۲) پر ہے کہ: ’’اتھمہ السلیمانی بوضع الاحادیث‘‘ یہ شدید جرح ہے، اسی لئے اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے اس سے حدیث روایت نہیں کی۔

(۵)......پانچواں راوی عبداللہ بن احمد الدمجی ہے۔ صحاح ستہ میں سے کسی نے اس سے حدیث روایت نہیں کی، اس لئے اس کا عادل اور ضابط ہونا کتب اسماء الرجال سے ثابت کیا جانا چاہئے۔

(۶)......چھٹا راوی الحسن بن عبداللہ بن حمدان الرقی ہے۔ اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے اس سے حدیث روایت نہیں کی، اس لئے اس کا عادل اور ضابط ہونا کتب اسماء الرجال سے ثابت کیا جانا چاہئے۔

(۷)......ساتواں راوی عصمہ بن محمد انصاری ہے۔ امام ابوحاتم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وہ قوی نہیں۔ امام یحی

وائل بن حجر متأخر الاسلام ہیں، اس لئے رفع یدین آپ کا آخری عمل تھا؟

اور بعضوں نے جو یہ لکھا ہے کہ: وائل بن حجر (رضی اللہ عنہ) متأخر الاسلام ہیں، ان سے بھی مرفوع حدیث رفع الیدین کی مروی ہے۔ یہ دعوی بھی بلا حجت و برہان ہے، کیونکہ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کی آخری عمر میں یعنی: ۱۰ یا ۱۱ھ میں مشرف

بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پرلے درجہ کا جھوٹا اور جھوٹی حدیث بنالیتا تھا۔ دار قطنی رحمہ اللہ اسے متروک کہتے ہیں۔ ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: اس کی تمام حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔

(۸)......آٹھواں راوی موسی بن عقبہ رحمہ اللہ ہیں۔ یہ صحاح ستہ کے راوی اور مغازی کے امام ہیں۔ یہاں ان کا شاگرد ابراہیم بن طہمان رحمہ اللہ ہے، جو صحاح ستہ کے راوی ہیں، مگر وہاں یہ جملہ ''فما زالت تلک صلوٰته حتی لقی اللّٰه'' ہرگز موجود نہیں۔ یہ سب عصمہ بن محمد انصاری کی جعل سازی ہے۔

(۹)......اس حدیث کو نافع سے عبید اللہ' ایوب' مالک' ابن جریج' اللیث' صالح بن کیسان' زید بن واقد' موسی بن عقبہ' عمر بن زید روایت کرتے ہیں مگر ان میں سے کسی کی صحیح روایت میں یہ جملہ موجود نہیں۔

(۱۰)......رفع یدین کی نافع کی روایت عند المحققین موقوف ہے۔ خود امام بخاری رحمہ اللہ کو بھی دبی زبان میں مختصرا کہہ کر اس کا اقرار کرنا پڑا۔ خصوصا موسی بن عقبہ والی روایت کا۔ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے صاف فرمادیا کہ: نافع رحمہ اللہ کی حدیث مرفوع نہیں، بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔ تو نافع رحمہ اللہ کی صحیح السند روایت بھی موقوف ہے۔ اس جھوٹی روایت کو مرفوع کر دینا عصمہ بن محمد انصاری کی ہی کارستانی ہے۔

(۱۱)......حدیث پاک کے صحیح الفاظ وہ ہیں جو ''صحیح بخاری'' (ص ۱۰۱ ج ۱) پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ''مؤطا امام مالک'' میں علی بن الحسین رحمہ اللہ سے مرسلا مروی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر خفض اور رفع کے وقت تکبیر کہتے تھے، اور یہ نماز آپ کی آخر تک رہی۔ الحمد للہ احناف اس صحیح حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ وہ ہر خفض و رفع پر صرف تکبیر کہتے ہیں۔

(۱۲)......علامہ نیموی رحمہ اللہ ''آثار السنن'' (۱۰۰ ج ۱) پر اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: ''وهو حدیث ضعیف بل هو موضوع'' اور حاشیہ میں اس کا موضوع ہونا بدلائل ثابت فرمایا ہے۔

(تجلیات صفدر از: ص ۳۸۴ تا ص ۳۸۸ ج ۲)

باسلام ہوئے تھے۔ ہاں بعضوں نے: ۹ ھ میں لکھا ہے، مگر مجھے اس کی صحت میں کلام ہے، ولوفرضنا اگر تسلیم بھی کرلیں تو بھی جب تک وائل بن حجر (رضی اللہ عنہ) کی روایت میں ''سمعت'' کا لفظ مصرح نہ ہو، یا کوئی واقعہ جب تک ذکر نہ کیا جائے کہ جس سے تصریح معلوم ہو کہ وائل بن حجر (رضی اللہ عنہ) نے کسی اور سابق الاسلام سے نہیں سنا ہے، بلکہ آنحضرت ﷺ سے ہی بلا واسطہ سنا ہے، تب تک یہ قول قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بالمشافہ آنحضرت ﷺ سے حدیثیں نہیں سنی ہیں اور سابق الاسلام صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیث سن کر نقل کی ہیں، کتب حدیث کے ماہرین پر یہ قصہ ظاہر و باہر ہے۔[۱]

[۱]......حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے کئی طرق ہیں ''مسلم'' اور ''ابوداؤد'' میں محمد بن حجادہ کا طریق ہے۔ ابوعوانہ فرماتے ہیں: وہ غالی شیعہ تھا۔ (میزان الاعتدال ص ۴۹۸ ج ۳)

اور شیعہ سجدہ کے وقت بھی رفع یدین کرتے ہیں، اس لئے ''ابوداؤد'' میں اس کی حدیث میں سجدوں کے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر موجود ہے۔ (ص ۱۲۲ ج ۱)

حضرت وائل رضی اللہ عنہ دو مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، جب پہلی مرتبہ حاضر ہوئے تو رکوع اور سجدہ کی رفع یدین کا ذکر فرمایا، لیکن جب دوسری مرتبہ تشریف لائے تو آپ کا اپنا مشاہدہ صرف پہلی تکبیر کی رفع یدین کے بارے میں فرمایا اور بس۔

''ثم اتیتھم فرایتھم یرفعون ایدیھم الی صدورھم فی افتتاح الصلوۃ''۔ (ابوداؤد ص ۱۱۲ ج ۱)

اگر اس دوسری آمد میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ پہلی تکبیر کے بعد رکوع اور سجدہ کی رفع یدین دیکھتے تو اس کو بھی ضرور بیان فرماتے جیسا کہ پہلی مرتبہ آمد کا حال بیان کیا ہے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کسی ایک صحابی کو مستثنیٰ نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ اس دوسری آمد کے وقت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بلا استثناء صرف پہلی تکبیر کے وقت ہی رفع یدین کرتے تھے۔

کسی حدیث کے معمول بہ اور غیر معمول بہ ہونے کا اصل پیمانہ خیر القرون ہے، جس حدیث پر خیر القرون میں بلا نکیر عمل جاری رہا ہو، آپ بھی اس پر عمل کرنے میں جھجک محسوس نہ کریں، اور جس حدیث

رہے آثار صحابہ رضی اللہ عنہم ان میں کوئی ایسی روایت صحیحہ نہیں جو خلفائے اربعہ رضی اللہ

پر خیر القرون میں نکیر ہوئی، بعد والوں کے لفظی ہیر پھیر سے وہ معمول بہ نہیں بن سکتی۔

اب رفع یدین کے بارے میں عموما اور حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے بارے میں خصوصا خیر القرون کے تاثرات مطالعہ فرمائیں:

حضرت حصین بن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں اور عمرو بن مرہ رحمہ اللہ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوئے، تو عمرو نے کہا: مجھے علقمہ بن وائل رحمہ اللہ نے اپنے باپ سے حدیث بیان کی کہ: انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آنحضرت ﷺ کو پہلی تکبیر اور رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا۔ امام ابرہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نہیں جانتا، شاید حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے اس ایک ہی دن آنحضرت ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا اور یاد رکھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضور ﷺ کے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو یاد نہ رکھا۔ میں نے کسی صحابی سے بھی حضرت وائل رضی اللہ عنہ کا رفع یدین کرنا نہیں سنا، سوائے اس کے نہیں کہ صحابہ صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔ (مؤطا امام محمد ص ۹۲)

حضرت مغیرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کو حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی رفع یدین والی حدیث سنائی تو فرمایا: اگر حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو ایک دفعہ رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پچاسوں مرتبہ دیکھا کہ آپ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ (طحاوی ص ۱۶۲ ج ۱)

حضرت عمرو بن مرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی رفع یدین والی حدیث سن کر امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ غصہ میں آگئے اور فرمایا: (بڑا تعجب ہے) وائل رضی اللہ عنہ نے رفع یدین دیکھ لیا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہ دیکھا۔ (طحاوی ص ۱۶۲ ج ۱)

اور امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''انما رفع الیدین عند افتتاح الصلوة''۔ (دار قطنی ص ۱۹۱ ج ۱)
یعنی رفع یدین صرف پہلی تکبیر کے وقت ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خیر القرون میں رفع یدین پر عمل کرنا تو کجا رفع یدین کی حدیث سن کر لوگ غصہ میں آجاتے تھے، اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ جن کے استاذ صحابہ، خود تابعی، شاگرد تبع تابعی، فرما رہے ہیں کہ: رفع یدین کرنا نہ سنا نہ دیکھا، یعنی خیر القرون میں رفع یدین کی پوزیشن متواتر قرأت کے مقابلہ

عنہم کے رفع الیدین پر دال ہو۔ ہاں دوسرے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کا کرنا ثابت ہوتا ہے، مگر ان کی حالتیں خود مختلف پائی جاتی ہیں، بعضے ایسے ہیں جن سے نہ کرنا بھی مروی ہے، جیسے عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما)، اور بعضے ایسے ہیں جن کا سجدوں میں بھی رفع الیدین کرنا ثابت ہوتا ہے۔اب کہو کہ بعد وصال نبوی ﷺ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سجدوں میں جو رفع یدین کرتے تھے ان کے کرنے کا کیا سبب تھا؟ یہی نا کہ آنحضرت ﷺ کو کبھی یوں بھی کرتے دیکھا تھا۔اسی طرح جن جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے رکوع کے جانے اور سر اٹھانے کے وقت رفع یدین کیا ہے، اس کا سبب بھی یہی تھا کہ آپ ﷺ کو کبھی ان مواضع میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہم کو ایسی حالت میں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف ہوں، ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کرنا چاہئے جو ہمیشہ سفر وحضر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے، اور بعد وصال نبوی ﷺ خلیفہ ہوئے۔

اکابر محدثین وتابعین ترک رفع کے قائل ہیں

اور غالباً یہی ایک فقہی بات تھی کہ بڑے بڑے محدثین باوجودیکہ احادیث رفع الیدین سے واقفیت رکھتے تھے، ترک رفع الیدین کے قائل ہوئے۔

دیکھو وکیع اور سفیان ثوری (رحمہما اللہ) سے ہر چند سنن ومسانید ومعاجم میں احادیث

میں شاذ قرأت کی سی تھی، کہ اگر کوئی شاذ قرأت پڑھتا تو لوگ انکار کرتے۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے قولی حدیث میں بھی صرف پہلی تکبیر کی رفع یدین کا ذکر ہی کیا ہے:

عن وائل بن حجر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا ابن حجر! اذا صليت فاجعل يديک حذاء اذنيک، والمرأة تجعل يديها حذاء ثدييها۔ (رواہ الطبرانی)

یعنی رسول اقدس ﷺ نے فرمایا: اے ابن حجر! تو اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھایا کر، اور عورت اپنے ہاتھ سینے تک اٹھائے۔ (تجلیات صفدر، از: ص۲۹۲ تا ص۲۹۴ ج۲)

رفع الیدین بکثرت مروی ہیں، مگر پھر بھی یہ دونوں رفع یدین نہ کرنے کے قائل تھے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے رسالہ ''رفع الیدین'' میں لکھا ہے: ''وکان الثوری و وکیع وبعض الکوفیین لایرفعون ایدیھم ''امام مالک رحمہ اللہ جن کی ''مؤطا'' میں حدیث رفع الیدین موجود ہے، وہ خود متردد رہے، کبھی رفع الیدین کے قائل ہوئے اور کبھی عدم رفع الیدین کے، چنانچہ ان سے اشہر روایت پہلے عدم رفع یدین ہے، اوراسی پر مالکیوں کا عمل ہے۔علامہ عینی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے: ''وھو روایۃ ابن القاسم عن مالک وھو المشھورمن مذھبہ والمعمول عند اصحابہ''۔

''نووی نے شرح مسلم'' (ص:۱۶۸) میں لکھا ہے:

وقال ابو حنیفۃ واصحابہ وجماعۃ من اھل الکوفۃ : لایستحب فی غیر تکبیرۃ الاحرام ، وھو اشھر الروایات عن مالک ، انتہٰی۔

دیکھو باوجودیکہ یہ حضرات ائمہ اہل حدیث سے ہیں، پھر بھی کیوں عدم رفع یدین کی طرف گئے۔یہی کہ روایات متعددہ عدم رفع یدین میں غور کرنے سے ان کے نزدیک ایسی ترک کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

حدیث کے الفاظ میں ''کان یرفع ''ہے اور وہ استمرار پر دلالت کرتا ہے

اب جب کہ دعوائے دوام واستمرار کی حدیث کا جواب ہوگیا تو اب سنئے کہ بعض الناس یہ دعوی پیش کرتے ہیں کہ رفع یدین کی حدیث میں لفظ ''کان یرفع '' وارد ہے۔اور ''کان'' دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے۔لہٰذا ''کان یرفع یدیہ '' کے یہ معنی ہوئے کہ آنحضرت ﷺ تاحین حیات رفع یدین کیا کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: یہ قول قائل کی غباوت اور بلادت پر دلالت کرتا ہے۔غریب کو

لغات کا بالکل علم نہیں ہے، ورنہ ایسے لغویات اور واہیات وخرافات نہ بکتا۔ باوجودیکہ کتب نحواور لغات میں اس کی بحث بتمامہ موجود ہے، یعنی جب لفظ ''کان'' صیغہ مضارع پر داخل ہوتا ہے تو مفید معنی ماضی استمراری ہوتا ہے، جیسا کہ ''کان یرفع یدیه'' کے معنی زمانہ گذشتہ میں ہمیشہ آنحضرت ﷺ رفع یدین کیا کرتے تھے، تو اس سے دعویٰ دوام اور استمرار کا تاحین حیات کیسے نکلا؟ بلکہ تارک رفع یدین کا مُدّعا اس سے ثابت ہوتا ہے، یعنی زمانہ گذشتہ میں قبل ترک کرنے رفع یدین کے رفع یدین کرتے تھے، اور بعد ترک کرنے رفع یدین کے تاحین حیات رفع یدین نہ کرتے تھے، چنانچہ اس معنی کی حدیثیں بھی ہم بیان کردیتے ہیں۔

اور ''کان'' کی اقسام علمائے لغات نے جو بیان کی ہیں وہ یہ ہیں: ناقصہ' تامہ' زائدہ، کان ناقصہ کے معنی انقطاع حدوث کے ہیں، جیسا کہ ''کان زیدٌ قائمًا'' یعنی واقع ہوا زید سے اور منقطع ہوا قیام، بنابراس کے ''کان یرفع یدیه'' کے معنی ہوئے کہ آپ ﷺ نے رفع یدین کیا تھا، بعد اس کے رفع یدین منقطع ہوگیا، اور یہی مطلوب ہے جیسا کہ ''مصباح اللغات'' اور ''صحاح جوہری'' وغیرہ میں موجود ہے:

(کان) کان زید قائما ' أی وقع منه قیام وانقطع وتستعمل تامة فتکتفی بمرفوع ، نحو کان الامر ای حدث و وقع ، وقال تعالیٰ : ﴿وان کان ذو عسرة﴾ أی وان حصل وقد تأتی بمعنی صار ، و زائدة : کقوله : ﴿من کان فی المهد صبیا﴾ ﴿وکان اللّٰه علیما حکیما﴾ أی من هو ﴿واللّٰه علیم حکیم﴾

پس دعوائے دوام واستمرار رفع یدین کا عقلاً ونقلاً ہر طرح سے باطل ومردود ہے۔[۱]

---

[۱]......ماضی استمراری سے ہمیشہ مواظبت کا ثبوت نہیں ہوتا، ہاں قرائن اجتہادیہ سے کہیں مجتہد دوام مراد لیتا ہے، کہیں دوام مراد نہیں لیتا۔ احناف کے ہاں سب سے بڑا قرینہ تعامل خلفاء راشدین یا تعامل خیر

ضمیمہ:((مالی ارٰکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس))

((مالی ارٰکم رافعی ایدیکم کأنھا اذناب خیل شمس ، اسکنوا فی الصلوٰۃ))

القرون بلانکیر ہے۔اگرفعل رسول ﷺ ماضی استمراری سے بھی ثابت ہو،ان کے بعد اگرتعامل جاری ہواتو وہ قرینہ عمل مواظبت کا ہوگا،اوراگرتعامل جاری نہ رہاتو وہ قرینہ ترک پرمواظبت کا ہوگا۔

ماضی استمراری کی اصل وضع ایک دفعہ کے فعل کے لئے ہے۔

(نووی ص۲۵۴ج۱۔مجمع البحار ص۲۳۵ج۳۔مسک الختام ص۵۶۷ج۱)

چندمثالوں سے یہ بات اورواضح ہوجائے گی کہ ماضی استمراری سے ہروقت دوام مرادنہیں لیاجاتا:

(۱)......آنخضرت ﷺ ظہرمیں"واللیل اذا یغشی"پڑھاکرتے تھے"کان یقرأ"ماضی استمراری۔

(مسلم شریف ص۲۵۴ج۱)

(۲)......آنخضرت ﷺ فجرکی نمازمیں"ق والقرآن المجید"پڑھاکرتے تھے"کان یقرأ"۔

(۳)......حضور ﷺ فجرکی سنتوں میں سورۂ کافرون اورسورۂ اخلاص پڑھتے تھے"کان یقرأ"۔

(۴)......حضور ﷺ فجرکی سنتوں میں"قولوا اٰمنا باللہ"پڑھاکرتے تھے۔کیایہی سورتیں ان تمام نمازوں میں مقررہیں یااوربھی پڑھ سکتاہے۔

(۵)......آنخضرت ﷺ کھڑے ہوکرپیشاب فرماتے۔(بخاری ص۳۵ج۱)

(۶)......آپ ﷺ حائضہ بیوی کی گودمیں سہارالگاکرقرآن پڑھاکرتے تھے۔ماضی استمراری۔

(بخاری ص۴۴ج۱)

(۷)......آپ ﷺ حائضہ بیوی سے مباشرت فرمایاکرتے تھے۔ماضی استمراری۔(بخاری ص۴۴ج۱)

(۸)......آپ ﷺ روزہ میں بیوی سے بوس وکنارفرمایاکرتے تھے"کان یقبل"(بخاری ص۲۵۸ج۱)

(۹)......آپ ﷺ نمازسے پہلے بیوی کابوسہ لیاکرتے تھے۔

(مشکوۃ"کان یقبل ،کان یرقد وھو جنب"۔بخاری ص۴۲ج۱)

(۱۰)......آپ ﷺ جوتے پہن کرنمازپڑھتے تھے"کان یصلی فی نعلیہ"۔(بخاری ص۵۶ج۱)

(۱۱)......آپ ﷺ اپنی نواسی امامہ کواٹھاکرنمازپڑھاکرتے تھے"کان یصلی وھو حامل امامۃ بنت العاص"۔(بخاری ص۷۴ج۱۔تجلیات صفدرص۴۷۴ج۵،وص۴۲۶ج۲)

واضح ہو کہ جو حدیثیں ترک رفع یدین کے بارے میں گذری ہیں وہ مالہٗ وماعلیہ کے ساتھ نقل کردی گئی ہیں۔ باوجود اس کے مدت سے مجھے خیال گذرا کرتا تھا کہ ترک رفع یدین کی حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے ''مسلم شریف'' میں بچند وجوہ ثابت ہے، پھر کیوں علمائے احناف اس سے ترک رفع یدین پر دلیل نہیں پکڑتے۔ سو الحمد للہ کہ بعینہ میری خواہش کے موافق میری نظر سے تقریر علامہ عینی شارح ہدایہ اور بخاری کی'' عینی شرح ہدایہ'' میں گذری اور وہ حدیث یہ ہے:

واستدل اصحابنا بحديث جابر بن سمرة ، قال : خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال : " مالي اركم رافعي ايديكم كأنها اذناب خيل شمس، اسكنوا في الصلوٰة " ، اخرجه مسلم۔

یعنی کہا علامہ عینی رحمہ اللہ نے شرح ہدایہ میں کہ: ہمارے اصحاب نے دلیل پکڑی ہے ساتھ حدیث جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہ کہا جابر رضی اللہ عنہ نے کہ: رسول اللہ ﷺ ہم پر نکلے اور فرمایا: کیا ہے واسطے میرے کہ دیکھتا ہوں میں تم کو ہاتھ اٹھانے والے (یعنی نماز میں) مثل دم گھوڑے سرکش کے، سکون پکڑو تم نماز میں۔ روایت کیا اس کو ''مسلم'' نے۔

ف:...... پس اس کی سند میں کسی طرح کا کلام نہیں ہے، اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رفع یدین سے اس حدیث میں اعراض کیا ہے۔

مذکورہ حدیث پر اشکال کہ یہ سلام کے وقت کے بارے میں ہے

اگر کوئی کہے کہ یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی تمہارے مدعا یعنی رفع یدین فی الصلوٰۃ کے ترک پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ یہ حدیث تمہارے رفع یدین کے بارے میں وارد نہیں ہوئی ہے، بلکہ یہ حدیث وارد ہے منع اشارہ کے بارے میں، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

جب سلام پھیرتے تھے تو دونوں طرف اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے، اوراس کی دلیل جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث ہے جو بعد اسی حدیث کے مروی ہے، اور وہ حدیث یہ ہے:

عن جابر بن سمرة رضی اللہ عن أنـه قال : كنا اذا صلينا مع رسول اللّٰہ صلی الله عليه وسلم قلنا السَّلام عليكم ورحمة اللّٰہ واشار بيده الى الجانبين ، فقال رسول اللّٰہ صلى الله عليه وسلم : علام تؤمنون بايديكم كأنها اذناب خيل شمس ، وانما يكفي احدكم ان يضع يده على فخذه ، ثم يسلم على اخيه على يمينه وشماله،

یعنی جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: جب ہم نماز پڑھتے ہمراہ رسول خدا ﷺ کے تو ہم بعد فارغ ہونے کے نماز سے ''السلام علیکم ورحمة الله ،السلام عليكم ورحمة لله'' کہتے تھے، اور اشارہ کیا جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے دونوں جانب، پس فرمایا رسول خدا ﷺ نے: کس واسطے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہو مثل دُم ہلانے سرکش گھوڑے کے، اور تم کو کافی ہے کہ رکھو اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر، پھر سلام پھیرو اپنے بھائیوں پر داہنے اور بائیں۔

اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ: احتجاج ان کا یعنی احناف وغیرہم کا ساتھ حدیث جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے اعظم البلادة اور اقبح انواع الجہالة بالسنة سے ہے، کیونکہ یہ حدیث رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کے بارے میں وارد نہیں ہوئی ہے، بلکہ صحابہ رفع یدین کرتے تھے حالت نماز میں اور سلام پھیرتے وقت ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے، جس سے مقصود سلام کے لئے اشارہ کرنا ہوتا تھا، اور اس میں کسی اہل حدیث کا اختلاف نہیں ہے، اور جس کو ادنی ملابستہ علم حدیث سے ہوگی، وہ ہرگز ایسا نہیں

کہے گا۔اسی طرح یعنی مثل نووی کے بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے۔بعد اس کے علامہ عینی رحمہ اللہ نے کہا:

قلت : فی الحدیث الاول انکار لرفع الید فی الصلوٰة وامر بالسکون فیها فکیف یحمل هذا علی الایماء بالید والاشارة بها بعد السلام کما فی الحدیث الثانی ، ولیس فیه ذکر رفع الایدی ولا الامر بالسکون اذا خرجوا من الصلوٰة بالسّلام ، وحدیث انکار رفع الیدین والامر بالسکون مقید بداخل الصلوٰة ، وحدیث انکار الایماء والاشارة بالایدی مقید بحال السلام الذی قد خرجوا به من الصلوٰة والمقید بقید لایندرج تحته مقید اٰخر ، فالحدیث الثانی غیر الحدیث الاول قطعاً فکیف یجعل هو فاتحة بیان یختلفان فی الحکم الذی یحمل احدهما علی الأخر بلادلیل مع انکار افادتهما تأیید بین منقلبین ، هو الذی اتی باعظم الا شیاء واقبح انواع الجهالة بالسنة ، علی ان الثوری ومالک بن انس شیخ امام وحید بالحدیث واعلم بالسنة ، ومارفع الیدین فی الصلوٰة الا عندالتحریمة ، وهو روایة ابن القاسم عنه فی الصلوٰة وروایة متقدمة عن المالکیة علی جمیع اصحابه۔

یعنی امر بالسکون نماز میں اور انکار رفع یدین کا نماز میں ہے۔پس یہ کیونکر حمل کیا جائے بعد سلام کے ایماء بالید اور اشارہ پر الخ۔پھر اگر کوئی کہے کہ علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ نے ''سفر السعادة'' میں رفع یدین کے ثبوت کے بیان میں یہ کہا ہے کہ: عشرۃ المبشرۃ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ: رسول خدا ﷺ ہمیشہ اس کیفیت پر تھے، یعنی رفع یدین ہمیشہ کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے اس عالم سے رحلت فرمائی۔تو جواب اس کا یہ ہے کہ: اس دعوے کو علامہ سندھی نے اپنے رسالہ ''کشف الرین'' میں بوجہ بلیغ رد کیا ہے، چنانچہ وہ

عبارت یہ ہے:

بـان مـا نقله الفيروز آبادی رحـمة اللّٰه عليه عـن الـعشرة المبشرة فی دوام فعله صلى الله عليه وسلم الـرفع الٰی وقت وفاته فلم يصح فيه حديث[۱] واحد فضلا عن رواية الـعشـرة المبشرة ، نعم وقع ذلک فی رواية واحدة عن ابن عمر مذكورة فی سنن البيهـقـی ، لـكن سنده غير صحيح ، ومن ادعٰی صحته وصحة غيره فی ذلک فعليه البيان۔

ابوحمید ساعدی کا رفع یدین کی حدیث کو دس صحابہ کے سامنے پیش کرنا

اسی طرح بعض غیر مقلدین کا دعوی اور فخر کرنا کہ رفع یدین کی حدیث پر عمل کرنے والوں میں سے وہ جماعت دس صحابہ کی ہے کہ روایت کیا ابوحمید ساعدی نے ان کی مجلس میں، اور انہوں نے سن کر ساعدی سے کہا: ہاں (ٹھیک ہے) مگر یہ حدیث ضعیف ہے، چنانچہ علامہ طحاوی رحمہ اللہ نے ''معانی الآثار'' میں بیان کیا ہے:

واما حديث عبد الحميد بن جعفر فانهم يضعفون عبد الحميد فلا يقيمون به حجة ، فكيف يحتجون به فی مثل هذا ' ١٥،

اور باوجود اس کے حدیث مذکور منقطع بھی ہے:

''ومـع دلک فـان مـحـمد بن عمرو بن عطاء لم يسمع ذلک الحديث من ابی حميد ولا ممن ذكر معه فی ذلک الحديث و بينهما رجل مجهول، الخ''۔[۲]

---

[۱]......چنانچہ حدیث بیہقی کا ضعف اور موضوع ہونا پہلے گذر چکا ہے۔ر

[۲]......اس حدیث کو قائلین رفع یدین بڑی زبردست دلیل سمجھتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت ابوحمید الساعدی کی مجلس میں وہ دیگر دس صحابہ کون تھے؟ ان کے اسمائے گرامی کیا ہیں؟ اور اس مجلس کا حال کس نے آنکھوں دیکھ کر بیان کیا؟

ترک رفع یدین پرامام طحاوی کی دلیل عقلی

یہ بحث جب نقلاً بیان ہوچکی تو عقلاً بھی ایک تقریر علامہ طحاوی کی ''معانی الآثار'' سے

اس مجلس کا حال بیان کرنے والا محمد بن عمرو بن عطاء ہے، جو بیان کرتا ہے کہ: اس مجلس میں دس صحابہ تھے، لیکن ان دس میں سے صرف ایک صحابی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا نام وہ بتا سکا۔ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث نہ محمد بن عمرو بن عطاء نے براہ راست حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ سے سنی اور نہ ان صحابہ سے جن کا ذکر اس حدیث میں ہے۔

امام ابن حاتم بھی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث مرسل ہے۔ (کتاب العلل ص۱۶۳)

امام طحاوی مزید فرماتے ہیں کہ: وہ حدیث جو محمد بن عمرو بن عطاء نے روایت کی ہے وہ غیر معروف اور غیر متصل ہے، کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ ابوحمید رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ حاضر تھے، حالانکہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بہت عرصہ پہلے فوت ہوچکے تھے۔ (طحاوی ص۱۷۹ج۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (طحاوی ص۳۳۳ج۱)

ہاں واقدی نے ان کی وفات ۵۴ھ بتائی ہے جو غلط ہے۔ امام ہیثم بن عدی فرماتے ہیں کہ: ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ۳۸ھ میں فوت ہوئے۔ (بدایہ والنہایہ ص۶۸ ج ۸) اور محمد بن عطاء کی پیدائش تقریباً ۴۰ھ ہے۔

پھر اس حدیث میں خاصا اضطراب ہے، اور یہ اضطراب بھی ضعف روایت کا موجب ہے۔

بعض نے ان دس صحابہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بھی شمار کیا ہے، حالانکہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ان کی پیدائش سے بہت پہلے: ۳۴ھ میں وفات پاچکے تھے۔

اور بعض نے ان دس صحابہ میں حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ کو شمار کیا ہے، یہ: ۳۸ھ میں فوت ہوچکے تھے۔

بعض نے محمد بن مسلمہ کو بھی شمار کیا ہے، جو صحیح قول کے موافق: ۳۰ھ میں وفات پاچکے تھے۔ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ: ۳۷ھ میں شہید ہوگئے تھے۔

حضرت ابوحمید الساعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ''صحیح بخاری'' (ص۱۱۴ج۱) پر موجود ہے، جس میں نہ تو دس صحابہ کی موجودگی کا ذکر ہے کہ مندرجہ بالا اعتراضات وارد ہوں۔ ہاں اس میں صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کا ذکر ہے، رکوع کے ساتھ رفع یدین کا کوئی ذکر نہیں۔ (تجلیات صفدر ص۲۹۶ج۲)

نقل کرتا ہوں کہ: وجہ اس باب کی طرح نظر سے یوں ہے کہ: علمائے محققین اور مدققین نے اجماع کیا ہے اس بات پر کہ تکبیر اولیٰ کے ہمراہ رفع الیدین ہے، اور بین السجدتین کی تکبیر کے ساتھ رفع الیدین نہیں ہے، اور اختلاف کیا ہے علماء رحمہم اللہ نے تکبیر رکوع اور اٹھنے میں تو، کہا ایک قوم نے کہ حکم اس کا مثل حکم تکبیرۃ الافتتاح کے ہے، پس جس طرح تکبیرۃ الافتتاح میں رفع الیدین ہے، اسی طرح تکبیرۃ الرکوع والنہوض میں رفع الیدین ہونا چاہیئے، اور ان کے مخالف دوسروں نے کہا کہ حکم ان دونوں تکبروں کا یعنی تکبیر رکوع اور نہوض کا مثل حکم تکبیر بین السجدتین کے ہے، اور رفع یدین جب تکبیر بین السجدتین میں نہیں ہے تو تکبیر رکوع اور نہوض میں بھی نہیں ہونا چاہیئے، اور ہم اعتقاد کرتے ہیں تکبیرۃ الافتتاح کو صلب نماز سے کہ بدون اس کے نماز جائز نہیں ہوتی ہے، اور تکبیر بین السجدتین ایسی نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ تکبیر بین السجدتین ترک کی جائے تو نماز میں فساد واقع نہیں ہوگا، لہٰذا ثابت ہوا کہ تکبیرۃ الافتتاح صلب نماز سے ہے، بخلاف دوسری تکبیروں کے کہ وہ صلب صلوٰۃ سے نہیں ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ دو تکبیریں یعنی تکبیر بین السجدتین اور تکبیر رکوع اور نہوض سنت ہونے میں یکساں ہیں، تو جیسے بین السجدتین رفع یدین نہیں ہے، اور جن حدیثوں سے رفع الیدین بین السجدتین ثابت ہوتا ہے ان کے منسوخ ہونے کے تم قائل ہو، اسی طرح تکبیرۃ الرکوع وتکبیرۃ النہوض کے ساتھ بھی رفع الیدین نہ ہونا چاہیئے، اور جن حدیثوں سے ثابت ہے ان کو مثل احادیث رفع الیدین بین السجدتین کے منسوخ تسلیم کرنا اقرب من العقل اور عین قیاس صریح وصحیح ہے ''فاعتبروا یااولی الابصار'' اور یہی قول ابوحنیفہ اور ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ کا ہے، بلکہ بنظر درایت تأمل کیا جاوے تو صاف ظاہر ہے کہ کسی فقیہ نے بھی رفع الیدین کو غیر تکبیرۃ الافتتاح میں نہیں کیا ہے، چنانچہ علامہ طحاوی نے ''معانی الآثار''

میں اس کی تصریح کردی ہے:

ولقد حدثنی ابن ابی داؤد قال ثنا احمد بن یونس قال ثنا ابوبکر بن عیاش قال مارأیت فقیہا قط یفعلہ یرفع یدیہ فی غیر التکبیرۃ الاولیٰ،

اسی طرح ''عینی'' اور ''تنویر العینین'' اور ''آثار السنن'' وغیرہ میں منقول ہے کہ عبداللہ بن مسعود اور زبیر رضی اللہ عنہما نے تصریح کی ہے کہ ابتدا میں رفع الیدین عند الرکوع والنہوض تھے، مگر پھر منسوخ ہوگئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: پھر آنحضرت ﷺ نے ترک کیا تو ہم نے بھی ترک کیا۔

رفع یدین کے مدعی مثبت ہیں اور ترک کے نافی، اور مثبت مقدم ہے نافی پر، اس اشکال کا جواب

اور بعض اہل علم رکوع اور نہوض عن الرکوع میں رفع یدین کرنے کو ترجیح دینے کے لئے یہ قاعدہ اصول کا پیش کرتے ہیں کہ: رفع یدین کرنے کے مدعی مثبت ہیں، اور ترک رفع یدین کے قائل نافی ہیں، اور مثبت مقدم نافی پر ہے، تو یہ علی العموم اور مطلقاً کہنا تو خطا ہے، بلکہ قول صحیح اس بارے میں یہ ہے کہ جو نافی بلا دلیل ہو اس پر مثبت مقدم ہو۔ اور **مانحن فیہ** میں ایسا نہیں ہے، بلکہ منفی مبرہن اور مدلل بدلائل صحیحہ صریحہ ہے، لہٰذا اس جگہ مثبت مقدم نافی پر نہیں ہے۔

تنبیہ:......واضح ہو کہ جو احادیث ''بخاری'' اور ''مسلم'' کی شرط کے موافق صحیح ہوں وہ حدیثیں مساوی مرتبہ رکھتی ہیں، ان حدیثوں کے جو ''بخاری'' اور ''مسلم'' میں موجود ہیں، اگرچہ وہ ''بخاری'' اور ''مسلم'' میں موجود نہ ہوں۔ اسی طرح جو حدیث کہ ''بخاری'' کی شرط کے موافق صحیح ہے وہ حدیث موجود فی البخاری کی مثل ہے، اسی طرح ''مسلم'' کی مخرج

حدیث ''مسلم'' کی شرط کے موافق صحیح کے مساوی ہے۔

کما حققه العلامة المحقق ابن الهمام رحمة الله عليه ، قال ابن الهمام الحنفی فی شرح الهداية : وقول من قال اصح الاحاديث ما فی الصحيحين ، ثم ما انفرد به البخاری ، ثم ما انفرد به مسلم ، ثم ما اشتمل علی ماشرطهما ، تحكم لايجوز التقليد فيه اذا الاصحية ليست الا لاشتمال رواتهما علی الشروط التی اعتبراها ، فاذا فرض وجود تلك الشروط فی رواة حديث فی غير الكتابين أفلا يكون الحكم بأصحية ما فی الكتابين عين التحكم ؟ ثم حكمهما أو احدهما بان الراوي يجمع تلك الشروط ليس مما يقطع فيه بمطابقة الواقع ، فيجوز كون الواقع خلافه

رفع یدین وترک رفع یدین دونوں میں کوئی بھی ملامت کے قابل نہیں

اور یہ بھی واضح ہو کہ جو علماء رفع یدین کے اثبات کے قائل ہیں وہ بھی وجوب اور سنت مؤکدہ کے قائل نہیں ہیں، بلکہ مستحب کے قائل ہیں، اور وہی علماء اس کے قائل ہیں کہ رفع یدین کے ترک کرنے والے عندالشرع اور عنداللہ ملامت کے قابل بھی نہیں ہیں، چنانچہ علامہ شاہ محمد اسمٰعیل رحمہ اللہ نے ''تنویرالعینین'' میں لکھا ہے:

ان رفع اليدين عند الافتتاح والركوع والقيام منه والقيام الی الثالثة سنة غير مؤكدة من سنن الهدی ، فيثاب فاعله بقدر ما فعل ان دائما فبحسبه وان مرة فبمثله ولا يلام تاركه وان تركه مدة عمره۔

بنابراس کے یہ کہا جاتا ہے کہ مستحب چیز پر ہٹ پکڑنا اور مثل وجوب کے ہمیشہ لازم پکڑنا موافق حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شیطان کا حصہ گردانا ہے عبادت میں، اور لوگوں کو عناد اور غیبت میں ڈالنا ہے، فتامل۔

نوٹ:......حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم نے ''ترمذی شریف'' کے سبق میں رفع یدین پر مختصر مگر بہت جامع تقریر فرمائی ہے، خاتمہ کے عنوان سے ان کی تقریر نقل کی جاتی ہے:

خاتمہ: رفع یدین پر مختصر تقریر، از: مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب مدظلہ

تمام ائمہ متفق ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین سنت ہے۔اسی طرح تین جگہوں کو چھوڑ کر پوری امت متفق ہے کہ باقی تکبیرات کے ساتھ رفع یدین نہیں کیا جائے گا۔البتہ تین جگہوں میں یعنی رکوع میں جھکتے وقت، رکوع سے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ صرف دو جگہوں میں یعنی رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین سنت ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ نے ''کتاب الام'' (۱:۱۲۶) میں بقلم خود اس کی صراحت کی ہے۔اور علامہ جزیری رحمہ اللہ نے ''کتاب الفقہ'' (۱:۲۵) میں امام محمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول بیان کیا ہے۔مگر شوافع تیسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کو سنت کہتے ہیں۔

اور امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ پوری نماز میں کسی جگہ رفع یدین سنت نہیں، بلکہ صاحب منیۃ المصلی (رحمہ اللہ) نے اس کو مکروہ لکھا ہے، اور ابو بکر الجصاص (رحمہ اللہ) نے ''احکام القرآن'' میں مکروہ نہ ہونے کی صراحت کی ہے، اور علامہ بنوری رحمہ اللہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔(معارف السنن ۲:۴۵۸)

قائلین رفع یدین کی سب سے مضبوط دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔
حدیث:......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب

آپ نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کے مونڈھوں کے مقابل ہوگئے، اور جب رکوع کیا اور رکوع سے سر اٹھایا (تو بھی ایسا ہی کیا)، امام ترمذی رحمہ اللہ کے دو استاذوں میں سے ابن ابی عمر کی حدیث میں ''وکان لا یرفع بین السجدتین'' کی زیادتی ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ دو سجدوں کے درمیان یعنی جلسہ میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔[1]

---

[1] ......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث کے راوی ہیں، مگر بعد میں حضرت عبداللہ بن عمر کا عمل اس کے خلاف حدیثوں میں آیا ہے۔

عن عبد العزيز بن حكيم : قال : رأيت ابن عمر يرفع يديه حذاء اذنيه في اول تكبيرة افتتاح الصلوة ولم يرفعهما فيما سوا ذالك۔ (مؤطا امام محمد ص ۹۳)

حضرت عبدالعزیز بن حکیم فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دونوں کانوں کی لو تک رفع یدین کرتے دیکھا تکبیر اولی میں نماز کے شروع کرتے وقت، اس کے علاوہ قطعاوہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ (مؤطا امام محمد مترجم ص ۷۷)

عن مجاهد : قال : صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الا في التكبيرة الاولى من الصلوة ، فهذا ابن عمر قال : رأى النبي صلى الله عليه وسلم يرفع وقد ترك هو الرفع بعد النبي صلى الله عليه وسلم ، فلا يكون ذلك الا وقد ثبت عنده النسخ ما قد رأى النبي صلى الله عليه وسلم فعله وقامت الحجة بذلك۔ (طحاوی شریف ص ۱۳۳ ج ۱)

حضرت امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ دونوں ہاتھوں کو نماز کی صرف پہلی تکبیر میں اٹھاتے تھے، اس کے علاوہ کسی اور تکبیر میں نہیں اٹھاتے تھے۔ تو یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا اور پھر انہوں نے خود حضور ﷺ کے زمانہ کے بعد ہاتھ اٹھانا ترک کردیا، اور ان کا ہاتھ اٹھانا ترک کرنا ہو نہیں سکتا الا یہ کہ ان کے نزدیک حضور ﷺ کے رفع یدین کا عمل یقیناً منسوخ ہوچکا ہوگا، اور ان کے نزدیک رفع یدین کے منسوخ ہونے پر حجت قائم ہوچکی ہے۔ کسی صحابی کا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روایت منسوخ ہوچکی ہے۔

تشریح:......اس حدیث کوابن عمر رضی اللہ عنہما کے دونوں راوی یعنی سالم اور نافع (رحمہما اللہ) روایت کرتے ہیں۔اور دونوں کے درمیان جن چار روایتوں میں اختلاف ہے ان میں سے یہ ایک حدیث۔سالم (رحمہ اللہ) نے اس کو مرفوع کیا ہے یعنی اس کو رسول اللہ ﷺ کا فعل بتایا ہے اور نافع (رحمہ اللہ) نے موقوف بیان کیا ہے، یعنی انہوں نے اس کو حضرت کا فعل بتایا ہے۔

علاوہ ازیں اس حدیث کا متن چھ طرح سے مروی ہے:

(۱):......امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی کتاب ''المدونة الکبری'' (۱:۷۱) میں اس حدیث میں صرف تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کا ذکر ہے۔

(۲):......مؤطا مالک (ص:۲۵) میں دو جگہ رفع کا تذکرہ ہے: تحریمہ کے ساتھ اور رکوع سے اٹھتے وقت۔

(۳):......باب (یعنی ''ترمذی'') کی حدیث میں تحریمہ کے ساتھ اور رکوع میں جاتے ہوئے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کا تذکرہ ہے۔اور یہ حدیث ''بخاری'' (حدیث: ۷۳۵) میں بھی ہے۔

(۴):......''بخاری'' ہی میں (حدیث: ۷۳۹) تیسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کا ذکر ہے۔اور اس کو شوافع نے لیا ہے۔

(۵):......امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب ''جزء رفع الیدین'' میں پانچ جگہ رفع یدین کا تذکرہ ہے۔اور پانچویں جگہ سجدہ میں جاتے وقت ہے۔یعنی ایک رفع تو رکوع سے اٹھتے وقت ہے اور دوسرا رفع سجدہ میں جاتے وقت الگ ہے۔

(٦):...... ہر اونچ نیچ میں رفع یدین کا تذکرہ ہے۔یہ حدیث امام طحاوی کی ''مشکل الآثار''

میں ہے، پھر وہاں سے ’’فتح الباری‘‘ (۱۸۵:۲) میں نقل ہوئی ہے۔غرض رفع کے قائلین کی دلیل کا یہ حال ہے،اس میں شدید اضطراب ہے۔

فائدہ:(۱)......کوفہ میں جو عساکر اسلامی کی چھاؤنی تھی اور جس میں پانچ سو صحابہ کرام کا فروکش ہونا ثابت ہے کوئی بھی رفع یدین نہیں کرتا تھا۔امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’ہم کسی شہر کے بارے میں نہیں جانتے کہ وہاں کے تمام باشندوں نے رکوع میں جھکتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین ترک کردیا ہو،سوائے کوفہ والوں کے۔

(التعلیق الممجد ص:۹۱)

اور باقی بلاد اسلامیہ میں رفع کرنے والے بھی تھے اور رفع نہ کرنے والے بھی۔مدینہ کی اکثریت رفع یدین نہیں کرتی تھی۔اور امام مالک رحمہ اللہ کے زمانہ میں بھی رفع نہ کرنے والے غالب تھے۔علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’وقد کان فی سائر البلاد تارکون ، وکثیر من التارکین فی عهد مالک ، وعلیه نبی مختاره‘‘۔(نیل الفرقدین ص:۲۲۔رحمۃ الواسعۃ ۴۳۳:۳)

فائدہ:(۲)......علامہ عراقی رحمہ اللہ نے یہ دعوی کیا ہے کہ رفع کی روایات پچاس صحابہ سے مروی ہیں،مگر علامہ بنوری قدس سرہ نے ’’معارف السنن‘‘ (۴۶۳:۲) میں لکھا ہے کہ:عراقی رحمہ اللہ نے اس میں ان صحابہ کو بھی شامل کرلیا ہے،جن سے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین مروی ہے۔صحیح تعداد علامہ شوکانی کی تصریح کے مطابق بیس ہے،اور اس میں بھی نقد کی گنجائش ہے۔اور علامہ کشمیری رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق پندرہ یا اس سے بھی کم تعداد رہ جاتی ہے۔

اور ترک رفع کی صریح روایات پانچ ہیں، البتہ اگر وہ روایات جن میں نماز کا پورا طریقہ مروی ہے اور رفع یدین کے بارے میں سکوت ہے شامل کرلی جائیں تو ترک رفع

کی روایات بہت ہوجائیں گی۔امام ترمذی رحمہ اللہ نے وفی الباب کی جو فہرست لکھی ہے ....اس میں صرف چھ یا سات روایات قابل استدلال ہیں۔

پہلے نمبر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کا حوالہ ہے۔ یہ حدیث محفوظ نہیں۔علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے ”نصب الرایہ“(١:٤١٥) میں امام احمد رحمہ اللہ کا قول لکھا ہے کہ: اس حدیث کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت ہی صحیح نہیں، یہ حدیث درحقیقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

اور آخری حدیث عمیر لیثی رضی اللہ عنہ کی ہے جو ابن ماجہ (ص:٦٢) میں ہے، اس میں رفدۃ بن قضاعہ منکر راوی ہے، اور بعض حضرات نے اس کو واضعین (حدیثیں گھڑنے والوں) میں شمار کیا ہے اور اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔علاوہ ازیں اس حدیث میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع کرنا مروی ہے، اس لئے وہ مبحث سے خارج ہے۔

فائدہ:(٣)......امام ترمذی رحمہ اللہ نے:(باب رفع الیدین عند الرکوع) میں جن صحابہ کا تذکرہ کیا ہے، وہ سب صغار صحابہ ہیں۔معلوم ہوا کہ کبار صحابہ کے دور میں رفع یدین نہیں کیا جاتا تھا، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا نام نہیں لیا، حالانکہ وفی الباب میں ان کی روایات کا حوالہ ہے۔علاوہ ازیں ”مصنف ابن ابی شیبہ“ میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔(معارف السنن٢:٤٧٠)

اور صغار صحابہ نے اپنے دور میں رفع یدین اس لئے شروع کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل جو مرور زمانہ سے لوگوں کی نظروں میں اوجھل ہونے لگا تھا لوگوں کے سامنے آجائے اور اس سلسلہ کی جو روایات ہیں وہ محفوظ ہوجائیں۔(تحفۃ الالمعی ص٤٩ ج٢)

سعی المرغوبین علی ترک رفع الیدین

حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے ''مرغوب الفتاوی'' میں ایک مختصر سا رسالہ ترک رفع یدین پر ''سعی المرغوبین علی ترک رفع الیدین'' کے نام سے راقم نے مرتب کیا تھا، اس کو بھی اس رسالہ کا جز بنانا مناسب سمجھا گیا۔

حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری

تحشیہ وتحقیق

مرغوب احمد لاجپوری

حضرت مفتی مرغوب احمد صاحب رحمہ اللہ کی ترک رفع یدین کے بارے میں ایک نایاب تحریر

قولہ:''وکان یفعل ذالک''الخ۔۱ اس حدیث میں دو امر مختلف فیہ ہیں:

اولا یہ کہ:''یرفع یدیہ حذو منکبیہ''اس کا جواب تو یہ ہے کہ دونوں امر آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں۔بعض روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے تھے،چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے اور بعض روایات میں صراحۃً یہ الفاظ مذکور ہیں کہ آپ ﷺ ہاتھوں کو کان کی لو تک اٹھاتے تھے۔۲ یہ تو زیادہ جھگڑے کی بات نہیں ہے۔

۱...... یہ روایت''بخاری شریف'' کی ہے،اس کے الفاظ یہ ہیں:

''قال ابن عمر : رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام فی الصلوة رفع یدیہ حتی تکونا حذو منکبیہ وکان یفعل ذلک حین یکبر للرکوع ویقول : سمع اللہ لمن حمدہ ، ولا یفعل ذلک فی السجود''۔(بخاری ص۱۰۲ج۱، باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع)

ترجمہ:......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے مقابل ہوگئے،اور حضور ﷺ یہی عمل کرتے تھے جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے تھے،اور یہی عمل کرتے تھے جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے اور:''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے تھے اور سجدوں میں یہ عمل نہیں کرتے تھے۔(تسہیل ادلہ کاملہ ص ۲۷)

۲......عن البراء ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوة رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود۔

(ابوداؤد ص۱۰۹ج۱، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع۔شرح معانی الآثار ص۱۱۰، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ؟۔مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۶۷ج۱،تحت باب من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرة ثم لا یعود)

ثانیاً یہ کہ ’’ و کان یفعل ذالک ‘‘ الخ، اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ رفع یدین فرماتے تھے اور مسلک حنفیہ اس کے خلاف ہیں۔ [1] ہم میں اور غیر مقلدوں میں جو باہمی نزاع ہو رہا ہے اس کی بناء یہ اختلاف نہیں کہ وہ تو رفع یدین کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے، اگر یہی باعث نزاع ہو تو اولاً شافعیہ سے ہونا چاہئے، [2] اس سے معلوم ہوا کہ یہ وجہ نہیں، بلکہ وجہ صرف یہی ہے کہ خواہشات نفسانی اور ہوا و ہوس یہ باعث اختلاف ہیں، چنانچہ دیوبند وغیرہ بعض موقعوں میں یہ واقعات پیش آئے کہ کسی حنفیہ کی مساجد میں کسی نے رفع یدین و آمین بالجہر کی اور حنفیہ چونکے، مگر جب یہ کہہ دیا کہ یہ شافعی ہے تمام جوش وخروش دفع ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف باعث نزاع نہیں۔

---

[1]...... حنفیہ کے نزدیک رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین مکروہ یعنی خلاف اولی ہے۔ شامی میں ہے:

’’ (قوله الا فی سبع) اشار الی انه لا یرفع عند تکبیرات الانتقالات خلافا للشافعی واحمد فیکره عندنا ولاتفسد الصلوة ‘‘۔

ترجمہ:...... صاحب درمختار نے اپنے قول ’’ الا فی سبع ‘‘ سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ تکبیرات انتقالیہ کے وقت ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے، اس مسئلہ میں امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا اختلاف ہے، پس ہاتھ اٹھانا ہمارے نزدیک مکروہ ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (شامی ص ۴۷۴ ج ۱۔ ادلہ کاملہ ص ۲۵)

[2]...... اس لئے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک رفع یدین سنت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

’’ وبهذا نقول، فنأمر کل مصل اماما أو مأموما، أو منفردا، رجلا أو امرأة، ان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوة واذا کبر للرکوع واذا رفع رأسه من الرکوع ‘‘۔

ترجمہ:...... یہی ہمارا مذہب ہے، چنانچہ ہم ہر نمازی کو حکم دیتے ہیں خواہ وہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد، مرد ہو یا عورت کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے جب نماز شروع کرے، جب رکوع کے لئے تکبیر تحریمہ کہے اور جب اپنا سر رکوع سے اٹھائے۔ (کتاب الام ص ۱۲۶ ج ۱۔ ادلہ کاملہ ص ۲۶)

اب رہا اس حدیث کے متعلق حنفیہ یہ جواب دیتے ہیں کہ امور ابتدائے اسلام میں مشروع تھے اور بعد میں متروک ہوگئے، ۱ چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رفع یدین کرتا تھا تو اس سے فرمایا کہ: یہ نہ کرو، کیونکہ یہ ایسا فعل ہے کہ جس کو آنحضرت ﷺ نے کیا اور بعدازاں آپ نے چھوڑ دیا۔۲ یہ جواب تو بنا بر نسخ کا ہے کہ اس کو منسوخ مان لیا جاوے، چنانچہ بعض حضرات کی تقریر سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ نسخ کے قائل ہوگئے۔

میں کہتا ہوں کہ بالفرض والتسلیم یہی مان لیا جاوے کہ نسخ نہیں، پھر بھی متعارض حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض سے استحباب معلوم ہوتا ہے اور بعض سے مکروہ۔ تو اب ان میں انصاف اور غور کرو کہ جب ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مستحب ہے اور بعض سے مکروہ تو اب عمدہ امر کیا ہے؟ ظاہر بات ہے کہ ترک مکروہ اولی ہے ۳ کیونکہ غایت مافی الباب کرنے میں صرف یہی ہوگا کہ ترک فعل کا ثواب نہ ملا اور

۱.....حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"رفع رسول الله صلى الله عليه وسلم فرفعنا وترک فترکنا"۔یعنی رسول اللہ ﷺ نے رفع یدین کیا تو ہم نے بھی کیا، حضور ﷺ نے ترک کردیا تو ہم نے بھی ترک کردیا۔

(بدائع الصنائع ۴۸۵ ج۱، حکم رفع اليدين ، كتاب الصلوة)

۲.....عمدۃ القاری ص ۲۷۳ ج ۵۔

۳.....ملاعلی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وفيه من اصر على امر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من اصر على بدعة أو مكروه"۔(مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۳۵۳ ج ۲)

یعنی جو کوئی امر مندوب یا مستحب پر ایسا اصرار کرے کہ اس کو واجب اور لازم کرلے اور کبھی جواز اور رخصت پر عمل نہ کرے تو بیشک ایسے شخص کو گمراہ کرنے میں شیطان کامیاب ہوگیا، تو جو شخص بدعت یا فعل منکر پر اصرار کرے گا اس کا کیا حکم ہوگا۔

کرنے میں مرتکب فعل کراہیت کا لازم آئے گا، تو بہتر یہی کہ کراہیت کو ترک کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب ایک مستحب فعل کے اختیار پر فساد و فتنہ کا خوف ہو تو اس کا ترک ضروری ہے، اب تمہیں غور کرو کہ اس استحباب کے اختیار پر کس قدر فتنہ و فساد برپا ہوتا ہے۔

دیگر امر یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ و اوزاعی رحمہما اللہ کا اجتماع مکہ معظّمہ [۱] میں ہوا تو اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: کیا وجہ ہے کہ آپ رفع یدین نہیں کرتے؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: مجھے اس میں آنحضرت ﷺ سے کوئی صحیح مضمون نہیں پہنچا۔ اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا کیوں نہیں پہنچا، حالانکہ مجھ سے زہری نے عن سالم عن ابیہ (رحمہم اللہ) کی روایت سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ رفع یدین فرماتے تھے۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھ سے حماد نے عن ابراہیم عن علقمہ عن عبد اللہ بن مسعود (رحمہم اللہ) بیان کیا کہ آپ ﷺ سوائے تکبیر افتتاح کے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا کہ: میں زہری سالم اور ابن عمر (رحمہم اللہ) سے بیان کر رہا ہوں اور آپ اس کے مقابلہ میں حماد ابراہیم اور علقمہ (رحمہ اللہ) سے بیان کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہے کہ میری حدیث میں راوی تین ہیں اور وہ قوی ہیں اور آپ چار راوی سے بیان کرتے ہیں اور وہ ہم سے قوی نہیں۔ امام صاحب

اور علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ نے تو یہاں تک لکھا کہ: کسی امر مستحب کو اس کے مرتبہ سے بڑھا دیا جائے تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے: ان المندوب ینقلب مکروھا اذا خیف ان یرفع عن رتبته۔

(مجمع البحار ص۲۲۴ ج ۲۔ فتاوی رحیمیہ ص ۳۶ ج ۳)

"کل مباح یؤدی الی زعم الجهال سنية امر أو وجوبه فهو مکروه"۔

(تنقیح فتاوی الحامدیہ ص۳۶۷ ج ۲)

[۱]......مکہ معظّمہ کی دار الحناطین (گیہوں کی منڈی) میں یہ مناظرہ ہوا تھا۔

رحمہ اللہ نے فرمایا: حماد فقہ میں زہری سے بہت بڑھ کر ہیں اور ابراہیم سالم سے بڑھ کر ہیں اور حضرت علقمہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فقہ میں کم نہیں، [1] گرچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو صحبت کی فضیلت بہت ہے، لیکن تفقہ میں ان سے کسی درجہ کم نہیں اور حضرت عبد اللہ بن مسعود تو عبد اللہ ہی ہیں، تو میرے نزدیک ترجیح تفقہ [2] کی وجہ سے انہیں راوی کو ہے۔ [3]

---

[1]......اور یہ کوئی مستبعد نہیں، اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ کوئی غیر صحابی فقہی مہارت میں کسی صحابی کے برابر یا ان سے بھی بڑھ کر ہو، جس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: "فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه" فی حديث ابن مسعود فی مشكوة المصابيح ص۳۵، الفصل الثانی من كتاب العلم ۔ (درس ترمذی ص۴۵ ج۲، حاشیہ/۱)

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ: ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" (ص۹۸ ج۲، ترجمہ ۱۶۴) میں قابوس ابن ابوظبیان سے نقل کیا ہے کہ: میں نے اپنے والد سے پوچھا" لای شیٔ كنت تأ تی علقمة وتدع اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم ؟ " تو ابوظبیان نے جواب میں فرمایا:" رأيت اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم يسألون علقمة ويستفتونه "اس سے علقمہ رحمہ اللہ کی فقاہت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ (درس ترمذی ص۴۵ ج۲)

[2]......"الترجيح بفقه الرواة لا بعلو الاسناد "یہ صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی کا اصول نہیں، بلکہ دوسرے محدثین بھی اسے تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" (ص۱۱) میں اپنی سند کے ساتھ علی بن خشرم رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے: "قال لنا وكيع ایّ الاسنادين احب اليک ، الاعمش عن ابی وائل عن عبدالله ' أو سفيان عن منصور عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله " علی بن خشرم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے جواب دیا:" الاعمش عن ابی وائل" تو وکیع رحمہ اللہ نے فرمایا :" يا سبحان الله ! الاعمش شيخ وابو وائل شيخ وسفيان فقيه ومنصور فقيه وابراهيم وعلقمة فقيهان ، وحديث يتداوله الفقهاء خير من حديث يتداوله الشيوخ "۔اس سے معلوم ہوا کہ عام محدثین کے نزدیک بھی حدیث مسلسل بالفقہاء علو اسناد کے مقابلہ میں راجح ہے۔ (درس ترمذی ص۴۶ ج۲)

[3]......ذكرها الامام السرخسی فی كتابه" المبسوط "ص۱۴ ج۱۔ وابن الهمام فی " فتح القدير" ص۲۱۹ ج۱۔ و الحارثی فی " جامع المسانيد " ص۲۵۳و۳۵۳ ج۱۔ معارف السنن ص

دوسرا یہ کہ کثرت سے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے یہی ہے کہ ترک کرنا چاہئے، چنانچہ بعض کتابوں سے تو عشرۂ مبشرہ رضوان اللہ علیهم اجمعین کا مسلک یہی معلوم ہوتا ہے۔[١]

رہی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اس کا جواب یہ ہے کہ طحاوی نے مجاہد سے صحیح اسناد سے روایت کی ہے کہ: میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے

۴۹۹ج ۲۔زجاجة المصابیح ص۲۲۹ ج۱۔نور المصابیح ترجمہ زجاجة المصابیح ص۲۱۱و۲۱۲ ج ۲۔عینی شرح ہدایہ ص ۶۶۸ ج۱۔مناقب موفق ۱۳۱ ج۱۔فتاوی بزازیہ ص۴۱۷ ج۱۔کبیری ۳۲۵۔ کفایہ ص۲۷۱ ج۱۔اعلاء السنن ص ۵۹ ج ۳۔ایضاح الادلہ ص۳۷۔

[١]......حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم وغیرہ کے بارے میں روایت میں ہے کہ: یہ حضرات رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔

(حوالہ کے لئے دیکھئے! حدیث اور اہل حدیث ص۳۹۰ تا ص۴۰۹۔رسول اکرم ﷺ کا طریقۂ نماز ص۱۹۲)

عشرۂ مبشرہ' وہ دس جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہلاتے ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری سنادی تھی۔وہ دس صحابہ یہ ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضی، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی قاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم۔(ترمذی ص۲۱۶ ج ۲)

اب سب کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''العشرة الذين شهد لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم بالجنة ما كانوا يرفعون ايديهم الا فى افتتاح الصلوة''۔(عمدۃ القاری ص۲۷۲ ج ۵۔اوجز المسالک ص ۲۰۸،نقلاعن البدائع ص۲۰۷ ج۱)

یعنی وہ دس صحابہ رضی اللہ عنہم جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے دنیا ہی میں جنتی ہونے کی گواہی دیدی تھی، وہ لوگ صرف شروع نماز میں ہی اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔اگر ان میں سے کسی کے متعلق رفع یدین منقول ہے تو وہ ضعیف روایت ہے۔(آثار السنن ص۱۰۷ ج۱،وغیرہ۔رسول اکرم کا طریقۂ نماز ص۱۸۸)

سوائے تکبیر افتتاح کے کہیں ہاتھ نہیں اٹھایا۔[۱] طحاوی کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما باوجود اس درجہ متبع سنت نبوی کے چنانچہ مدینہ کے راستہ میں جس مقام پر آنحضرت ﷺ نے اتفاقی طور پر نماز پڑھی تھی ان موقعوں کو انہوں نے بڑی تلاش کے بعد یاد کر لئے تھے اور جب کہیں اس نواح میں گذرنا ہوتا تو وہیں نماز پڑھتے تھے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات بھی منسوخ ہی سمجھتے تھے، ورنہ ان کی ذات سے اتباع نہ ہونا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اس پر مخالفین ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ: طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ اسی طرح نماز پڑھتے تھے جس طرح آنحضرت ﷺ سے مروی ہے۔[۲] تو یہ روایت ہمارے مسلک کے خلاف نہیں ہوسکتی، اس واسطے ہوسکتی ہے یہ بات کہ یہ فعل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا انہیں نسخ کا ثبوت ہونے کے قبل کا ہو، پھر جب انہیں ثبوت نسخ ہو گیا چھوڑ دیا اور اس فعل کو اختیار کیا جس کو مجاہد نے روایت کیا۔ [۳]

اس میں ہمارے مولانا [۴] کی رائے یہ ہے کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رفع یدین کرنا چاہئے وہ تو ہیں مثبت، اور جو یہ کہتے ہیں کہ نہیں کرنا چاہئے وہ ہیں نافی، اس لئے جو مثبت ہے انہیں یہ امر ثابت کرنا چاہئے کہ یہ ثبوت آنحضرت ﷺ سے بلا معارض ثابت ہے اور اس کا ثبوت نہیں ہوسکتا، تو مدعا ثابت نہو گا، چنانچہ عدالت میں بھی یہی قاعدہ ہے کہ

---

[۱]......عن مجاهد قال: صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الا فى التكبيرة الاولى من الصلوة۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ص۱۵۵ ج۱)

[۲]......طحاوی ص۱۱۰ ج۱، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود۔

[۳]......طحاوی ص۱۱۰ ج۱، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود۔

[۴]......شاید اس سے مراد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی ہو۔ (ایضاح الادلہ ص۷۲)

اگر مدعی کی جانب سے گواہ اور بینہ ٹھیک نہ گذرے تو اس کا مدعا ثابت نہیں ہوسکتا۔ ہمارے لئے تو صرف احتمال نکال دینا کافی ہے، کیونکہ ہم منکر ہیں اور منکر کے لئے صرف انکار کافی ہے، اب جس کو ثابت کرنا ہو وہ بینہ پیش کرے۔ [۱]

دوسرے ہمارے مولانا یہ فرماتے تھے: قیاس کا مقتضا یہ ہے کہ نہ کیا جاوے، کیونکہ یہ فعل ایک نماز میں زیادتی کرنا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہاتھ اٹھانے میں سر یہ ہے کہ گویا باری تعالی کے درگاہ میں کہنا ہے کہ اے الہ العالمین! ہم ماسوی اللہ سے دست بردار ہوکر تیری درگاہ میں حاضر ہوئے ہیں اور چونکہ ابتدائے نماز سے انتہی تک ایک ہی فعل ہے، ماسوی اللہ سے دست برداری حاصل کرنے کے بعد ایک ہی فعل میں لگا ہوا ہے، اس واسطے اب اسی فعل میں دوبارہ دست برداری کی ضرورت نہیں، ہاں یہ نماز ختم ہونے اور پھر دوبارہ شروع کرنے کے وقت اب دست برداری کی ضرورت ہوگی۔ [۲]

رہا یہ امر کہ آنحضرت ﷺ کے دور میں اس کو کیوں اختیار کرتے تھے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائے نماز میں ہر فعل اور ہر رکن جداگانہ سمجھے جاتے تھے، چنانچہ اس کے ثبوت میں اتنا کہہ دینا کافی ہے، جب اثنائے نماز بعض لوگ آکر شریک ہونا چاہتے تھے اس وقت اپنے قریب والے سے دریافت کرلیا کرتے تھے کہ کتنی رکتعیں ہوئیں؟ جب معلوم کرلیتے اتنی رکعت الگ ادا کر لیتے اور بعد ازاں نماز میں شریک ہوجاتے تھے، [۳] تو چونکہ اس

---

[۱]......مشہور حدیث ہے: البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه۔

(ترمذی شریف ص۲۴۹ ج۱، باب ماجاء فى ان البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه، ابواب الاحكام)

[۲]......دیکھئے ادلہ کاملہ ص:۳۰۔

[۳]......ابوداؤد شریف کی ایک طویل حدیث میں ہے: ”كان الرجل اذا جاء يسأل فيخبر بما سبق من صلاته وانهم قاموا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم من بين قائم وراكع وقاعد ومصل مع رسول

وقت میں ہر فعل اور ہر رکن الگ تھا اس وجہ سے بار بار دست برداری کی ضرورت ہوتی تھی اور بعد میں چونکہ ہمارے لئے ایک بہت وحدانی اور ایک صورت مخصوصہ معلوم ہوگئی، لہذا اب اس کی بار بار ضرورت نہ رہی۔

رہا وتر وعیدین وغیرہ میں جو ہے وہ خلاف قیاس ثابت ہے اس کو اپنے ہی محل میں رکھنا چاہئے۔

سوال:......قاعدہ یہ ہے کہ مثبت اور نافی میں تعارض ہو تو مثبت کو ترجیح ہوتی ہے، تو یہاں پر رفع یدین کے مسلک ہی کو ترجیح ہونی چاہئے۔

جواب:......اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ خبر میں جاری ہے انشاء میں نہیں، اس واسطے کہ انشاء میں تو امر و نہی مقصود ہوتی ہے، تو چونکہ وہ احکام ہے، لہذا وہاں یہ قاعدہ نہیں ہے اور خبر میں جاری ہے، کیونکہ مثبت اور نافی کے معنی یہ ہے کہ مثبت اپنے ذمہ ایک امر کا ثبوت لیتا ہے کہ امر ثابت ہے بخلاف نافی کے کہ وہ تو یہ کہتا ہے یہ امر ثابت نہیں، یعنی مطلب یہ ہے کہ مجھے مسلم نہیں تو وہ اپنے علم کی نفی کرتا ہے اور مثبت ایک امر دیگر کا اثبات کرتا ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے کعبۃ اللہ میں نماز پڑھی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ: نہیں پڑھی، [۱] اب اگر اس واقعہ کو

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔(ابوداؤد ص۷۴ ج۱، باب کیف الاذان، کتاب الصلوۃ)

ترجمہ:......جب کوئی شخص مسجد میں آتا (اور دیکھتا کہ جماعت ہورہی ہے) تو پوچھتا کہ کتنی رکعتیں ہوگئی ہیں؟ سو جتنی رکعتیں ہوچکی ہوتیں اس کو بتا دیا جاتا اور وہ اس قدر نماز میں آکر شریک ہوجاتا، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے پیچھے لوگ مختلف حالتوں میں ہوتے تھے کوئی کھڑا ہے کوئی رکوع میں ہے کوئی قعدہ میں ہے تو کوئی آپ ﷺ کے ساتھ پڑھ رہا ہے۔

[۱]......عن بلال: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی جوف الکعبۃ، قال ابن عباس: لم یصل ولکنہ کبّر۔(ترمذی ص۱۷۶ ج۱، باب ما جاء فی صلوۃ الکعبۃ، ابواب الحج)

ایک ہی فرض کریں تو یہ مطلب ہوگا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے علم اور رؤیا کی نفی کرتے ہیں، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک امر ثبوت اپنے ذمہ لیتے ہیں، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قول معتبر ہوگا اور تعدد واقعہ پر حمل کیا جاویں تو دونوں قول صحیح ہیں [۱] ایک وقت میں پڑھی اور ایک وقت میں نہیں پڑھی ہو تو اس وقت میں کچھ اختلاف نہیں۔ **هذا احسن الکلام فی هذ المقام۔**

بندہ: مرغوب احمد غفرلہ

لاجپوری سورتی

---

[۱]...... سنن دارقطنی کی روایت سے تعدد واقعہ کی تائید ہوتی ہے، اور لطف یہ ہے کہ وہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی ہے:

"عن ابن عباس قال : دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم البيت ، فصلى بين الساريتين ركعتين ثم خرج فصلى بين الباب والحجر ركعتين ، ثم قال : هذه القبلة ، ثم دخل مرة اخرى فقام فيه يدعو ، ثم خرج ولم يصل"۔

ایک اور روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

"دخل النبی صلى الله عليه وسلم البيت ، ثم خرج وبلال خلفه ، فقلت لبلال : هل صلى ؟ قال : لا ، قال : فلما كان الغد دخل فسألت بلا لا هل صلى ؟ قال : نعم ،صلى ركعتين ، استقبل الجزعة وجعل السارية الثانية عن يمينه"۔

(سنن الدارقطنی ص۴۰ ج۲، باب صلاة النبی صلى الله عليه وسلم فی الكعبة ، كتاب العيدين ، رقم الحديث: ۱۷۲۹/۱۷۳۱)

ان روایات کی وجہ سے تقریباً تعدد واقعات کی صورت متعین ہوجاتی ہے۔ (درس ترمذی ص۱۲۹ ج۳)

احادیث صاحب الثقلین

فی ترک رفع الیدین

یعنی ترک رفع یدین کی احادیث اور آثار

اس مختصر رسالہ میں ترک رفع یدین کی احادیث اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار اور اکابر تابعین کے آثار واقوال، مع حوالہ کتب جمع کئے گئے ہیں۔ ناظرین اس کے مطالعہ سے معلوم کر سکتے ہیں کہ حنفیہ کا مسلک کس قدر مضبوط اور سنت کے موافق ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین ، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین ، وعلی الہ واصحابہ اجمعین ، اما بعد!

اس زمانہ میں رفع یدین وترک رفع یدین کا مسئلہ خوامخواہ حد سے تجاوز کر گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ احادیث سے دونوں طریقے ثابت ہیں، اسی لئے امت کے فقہاء بھی اس مسئلہ میں مختلف الرائے ہیں۔

ایک جماعت کی طرف سے اس مسئلہ میں اس قدر غلو ہو گیا کہ بس سارا دین گویا رفع یدین ہی میں ہے، اور ترک رفع یدین کے قائل تارک سنت اور تارک احادیث ہیں۔ اسی لئے اکابر امت نے اس مسئلہ میں چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ راقم نے بھی بعض احباب کی درخواست پر ایک مختصر رسالہ ترتیب دیا تھا، جس میں صرف احادیث مع حوالہ لکھنے کا اہتمام کیا تھا، وہ رسالہ اس وقت حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے رسائل کی ترتیب کے وقت یاد آ گیا، تو اس پر نظر ثانی کی اور اسے بھی اس رسالہ کے ساتھ شائع کر رہا ہوں۔ اس رسالہ کے متن میں بیس اور حاشیہ میں تیس احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اس طرح یہ مختصر رسالہ پچاس احادیث کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالی اس حقیر کاوش کو قبول فرما کر ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

اللہ کرے غلو کرنے والے افراد میں سے کوئی اس رسالہ کو پڑھ کر اعتدال پر آ جائے تو راقم کی محنت کامیاب سمجھی جائے گی۔ اللہ تعالی اس رسالہ کو نافع اور مفید اور مقصد میں کامیاب بنائے۔

مرغوب احمد لاجپوری

مؤرخہ ۱/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ”فلم یرفع یدیہ الا مرۃ“

(۱)......عن علقمة قال : قال ابن مسعود : الا اصلّی بکم صلاة رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم : فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ۔[۱]

(نسائی ص۱۲۰، باب الرخصة فی ذلک ، کتاب الصلوۃ ، رقم الحدیث:۱۰۵۹)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی

---

[۱]......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی روایتیں بہت سے طرق سے مختلف کتابوں میں مروی ہیں، مثلاً:

(۱)......الا اخبرکم بصلوۃ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ، قال : فقام فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد۔(نسائی ص۱۱۷ج۱، ترک ذلک ، کتاب الصلوۃ ، رقم الحدیث:۱۰۲۷)

(۲)......الا اصلّی بکم صلاۃ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال: فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ۔

(ابوداؤد ص۱۰۹ج۱، باب من لم یذکر الرفع عند الرفع من الرکوع ، کتاب الصلوۃ ، رقم الحدیث:۷۴۸)

(۳)......الا اصلّی بکم صلاۃ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم، فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ۔(ترمذی ص۵۹ج۱، باب رفع الیدین عند الرکوع ، کتاب الصلوۃ ، رقم الحدیث:۲۵۷)

(۴)......الا اصلّی لکم صلاۃ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ، قال : فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ۔(مسند احمد ص۳۸۸و۴۴۲ج۱، رقم الحدیث:۳۶۸۱)

(۵)......الا اریکم صلاۃ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ، فلم یرفع یدیہ الا مرۃ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۱۵ج۲، من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لایعود ، رقم الحدیث:۲۴۵۶)

(۶)......لاصلینّ بکم صلاۃ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ، قال : فصلّی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ۔

(السنن الکبری للبیهقی ص۷۸ج۲، باب من لم یذکر الرفع عند الافتتاح ، کتاب الصلوۃ ، رقم الحدیث:۲۵۳۱)

ان تمام روایات کا حاصل یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ جیسی نماز سکھلائی اور اس میں ایک مرتبہ کے علاوہ رفع یدین نہیں فرمایا۔

نماز کی طرح نماز نہ پڑھاؤں، پھر آپ نے نماز پڑھائی اور دونوں ہاتھ نہیں اٹھائے، مگر ایک بار۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث "رفع يديه..... ثم لايعود"

(۲)......عن البراء بن عازب قال : ان رسول الله النبى صلى الله عليه وسلم كان اذا افتتح الصلوٰة رفع يديه الى قريب من اذنيه ثمّ لايعود۔[۱]

(ابوداؤد ص۱۰۹ ج۱، باب من لم يذكر الرفع عند الرفع من الركوع، رقم الحديث:۷۴۹)

ترجمہ:......حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ جب نماز شروع

---

[۱]......حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی روایتیں بہت سے طرق سے مختلف کتابوں میں مروی ہیں، مثلاً:

(۱)......قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع يديه حين افتتح الصلوٰة ثم لم يرفعهما حتى انصرف۔ (ابوداؤد، باب من لم يذكر الرفع عند الرفع من الركوع، رقم الحديث:۷۵۲)

(۲)......كان النبى صلى الله عليه وسلم كان اذا كبر لافتتاح الصلوٰة رفع يديه حتى يكون ابهاماه قريبا من شحمتى اذنيه ثم لايعود۔

(طحاوی ص۱۵۴ ج۱، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود والرفع من الركوع هل مع ذلك رفع ام لا ؟ كتاب الصلوة، رقم الحديث:۱۳۱۳)

(۳)......كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كبّر رفع يديه حتى يرى ابهامه قريبا من اذنيه، وفى رواية : وزاد قال : ثم لا تعد لرفعها فى تلك الصلاة۔

(مصنف عبدالرزاق ص۷۱ ج۲، باب تكبير الافتتاح و رفع اليدين، رقم الحديث:۲۵۳۰/۲۵۳۱)

(۴)......قال : رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم حين افتتح الصلوٰة كبر و رفع يديه حتى كادتا تحاذيان اذنيه ثم لم يعد۔ (مسند ابی یعلی ص۲۴۸ ج۳، رقم الحديث:۱۶۹۱)

(۵)......قال : رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع يديه حين استقبل الصلوٰة حتى رايت ابهاميه قريبا من اذنيه ثم لم يرفعهما۔ (مسند ابی یعلی ص۲۴۹ ج۳، رقم الحديث:۱۶۹۲)

فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے قریب تک اٹھاتے پھر (رفع یدین) نہ فرماتے،

آپ ﷺ پہلی تکبیر کے علاوہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے

(۳)......عن عبد الله بن مسعود : عن النّبی صلی الله علیه وسلم انه کان یرفع فی اول تکبیرة ثم لایعود۔

(طحاوی ص۱۵۴ ج۱، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع هل مع ذلک رفع ام لا ؟ ، کتاب الصلوة ، رقم الحدیث:۱۳۱۶)

---

(۶)......ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا افتتح الصلٰوة رفع یدیه ثم لم یرفع حتی ینصرف۔
(مسند ابی یعلی ص۲۴۸ ج۳، رقم الحدیث:۱۶۸۹)

(۷)......رأی رسول الله صلی الله علیه وسلم حین افتتح الصلٰوة رفع یدیه حتی حاذی بهما اذنیه ثم لم یَعُد الی شئی من ذلک حتی فرغ من صلوته۔

(دارقطنی ص۲۹۵ ج۱، باب ذکر التکبیر ورفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والرفع منه وقدر ذلک واختلاف الرویات ، کتاب الصلوة ، رقم الحدیث:۱۱۱۶)

(۸)......رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم حین قام الی الصلٰوة فکبّر و رفع یدیه حتی ساوی بهما اذنیه ثم لم یعد۔(حوالہ بالا ص۲۹۵، رقم الحدیث:۱۱۱۹)

(۹)......رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم حین افتتح الصلٰوة یرفع یدیه فی اول تکبیرة۔
(حوالہ بالا ص۲۹۴، رقم الحدیث:۱۱۱۴)

(۱۰)......ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلٰوة ثم لم یرفعهما حتی ینصرف۔(المدونۃ الکبری ص۶۹ ج۱، باب الرکوع والسجود)

(۱۱)......ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا افتتح الصلٰوة رفع یدیه ثم لا یرفعهما حتی یفرغ۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۰۴ ج۲، من کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لایعود ، کتاب الصلوة، رقم الحدیث:۲۴۵۵)

ان تمام روایات کا حاصل یہی ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی نماز نقل فرمائی اور اس میں ایک مرتبہ کے علاوہ رفع یدین نہیں فرمایا۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین فرماتے تھے، پھر نہیں فرماتے۔

حضرت علیؓ کی روایت ''كان يرفع يديه فى اول الصلوة ثم لايعود''

(۴):......عن على عن النبى صلى الله عليه وسلم : انه كان يرفع يديه فى اول الصلوة ثم لايعود۔ ۱؎ (العلل الواردة فى الاحاديث النبوية۔دارقطنی ص۱۰۶ج۴)

ترجمہ:......حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: آپ ﷺ نماز کے شروع میں رفع یدین فرماتے، پھر نہیں فرماتے۔

ابن عمرؓ کی روایت ''كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة ثم لا يعود''

(۵)......عن ابن عمر : ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة ثم لا يعود۔ ۲؎ (اخرجه البيهقى فى الخلافيات ، كما فى نصب الراية ص۴۰۴ج۱، وفى نسخة المطبع العلوى ص۲۰۱)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: آپ ﷺ نماز شروع کرتے وقت رفع یدین فرماتے پھر نہیں فرماتے۔

۱؎......انفرد برفعه عبد الرحيم بن سليمان ، وهو ثقة ۔(حدیث اور اہل حدیث ص۳۹۷(۱۰))

۲؎......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس قسم کی روایت بہت سے طرق سے مختلف کتابوں میں مروی ہیں، مثلا:

(۱)......رأيت رسول الله اذا افتتح الصلوة رفع يديه حتى يحاذى بهما ، وقال بعضهم : حذو منكبيه ، واذا اراد ان يركع و بعد ما يرفع رأسه من الركوع لا يرفعهما ، وقال بعضهم : ولا يرفع بين السجدتين ۔(صحیح ابن عوانہ ص۹۰ج۲، رقم الحديث:۱۶۱۶)

(۲)......رأيت رسول الله اذا افتتح الصلوة رفع يديه حذو منكبيه ، واذا اراد ان يركع و بعد ما

حضرت عباد بن عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم کی روایت ''ثم لم یرفعهما فی شئی حتی یفرغ''

(٦)......عن عباد ابن الزبیر : ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا افتتح الصلوة رفع يديه فى اول الصلوة ثم لم يرفعهما فى شئى حتى يفرغ۔(اخرجه البيهقى فى الخلافيات ، كما فى نصب الراية ص۴۰۴ ج۱، وفى نسخة المطبع العلوى ص۲۰۱)

ترجمہ:......حضرت عباد بن زبیر سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو شروع میں رفع یدین فرماتے پھر نماز سے فارغ ہونے تک رفع یدین نہیں فرماتے۔

سات جگہوں پر ہاتھ اٹھانا ہے، انمیں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں

(۷)......عن ابن عمر عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس عن النبى صلى الله عليه وسلم قال : ترفع الايدى فى سبعة مواطن ، فى افتتاح الصلوة ' وعند البيت ' و على الصفا ' والمروة ' وبعرفات ' وبالمزدلفة ' وعند الجمرتين ۔(طحاوی ص۲۴۶ ج۲، باب رفع اليدين عند رؤية البيت ، كتاب مناسك الحج ، رقم الحديث:۳۷۴۰)

ترجمہ:......آپ ﷺ کا ارشاد ہے: سات جگہوں پر ہاتھ اٹھایا جائے گا: نماز کے شروع میں، بیت اللہ (پر نظر پڑتے وقت) اور صفا و مروہ پر اور عرفات اور مزدلفہ میں (وقوف کے

يرفع رأسه من الركوع فلا يرفع ، ولا بين السجدتين۔(مسند حمیدی ص۲۷۷ ج۲، رقم الحديث:۶۲۶)

(۳)......ان رسول الله كان يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح التكبير للصلوة۔

(المدونۃ الکبری ص۶۹ ج۱، باب الركوع والسجود)

ان تمام روایات کا حاصل یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کی نماز نقل فرمائی اور اس میں ایک مرتبہ کے علاوہ رفع یدین نہیں فرمایا۔

وقت)اور رمی جمار کے وقت۔

سجدہ سات اعضاء پر ہے اور رفع یدین کی سات جگہیں

(۸)......عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم قال : السجود علی سبعة اعضاء : الیدین ' والقدمین ' والرکبتین ' والجبهة ، ورفع الایدی اذا رأیت البیت ' وعلی الصفا والمروة ' وبعرفة ' و بجمع ' وعند رمی الجمار ' واذا اقیمت الصلوة۔

(معجم طبرانی کبیر ص۴۵۲ ج۱۱، سعید بن جبیر عن ابن عباس ، رقم الحدیث:۱۲۲۸۲)

ترجمہ:......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سجدہ سات اعضاء پر ہوگا، دونوں ہاتھوں' دونوں پاؤں' دونوں گھٹنوں اور پیشانی پر، اور رفع یدین بیت اللہ کو دیکھتے وقت' اور صفا' مروہ پر' وقوف عرفات کے وقت' اور مزدلفہ میں' اور رمی جمار کے وقت اور جب نماز کے لئے اقامت کہہ دی جائے۔

تین روایات جن میں آپ ﷺ وصحابی رضی اللہ عنہ نے نماز سکھائی اور رفع یدین نہیں کیا

(۹)......عن محمد بن عمرو بن عطاء : انه کان جالسا مع نفر من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم فذکرنا صلوة النبی صلی الله علیه وسلم ، فقال ابو حمید الساعدی : انا کنت احفظکم لصلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم ، رأیته اذا کبر جعل یدیه حذو منکبیه ، واذا رکع امکن یدیه من رکبتیه ، ثم هصر ظهره ، فاذا رفع رأسه استوی حتی یعود کل فقار مکانه ، واذا سجد وضع یدیه غیر مفترش ' ولا قابضهما ' واستقبل باطراف اصابع رجلیه القبلة ، فاذا جلس فی الرکعتین جلس علی رجله

الیسری ونصب الیمنی ، فاذا جلس فی الرکعة الأخرة قدّم رجله الیسری ونصب الاخری وقعد علی مقعدته ۔

(بخاری ص۱۱۴ ج۱، باب سنة الجلوس فی التشهد ، رقم الحدیث:۸۲۸)

ترجمہ:......محمد بن عطاء نے بیان کیا کہ وہ چند صحابہ رضوان (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ذکر نبی ﷺ کی نماز کا چلا تو ابو حمید ساعدی (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ: مجھے نبی کریم ﷺ کی نماز (کی تفصیلات) تم سب سے زیادہ یاد ہیں، میں نے آپ کو دیکھا کہ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو مونڈھوں تک لے جاتے، جب رکوع کرتے تو اپنے ہاتھوں سے پوری طرح تھام لیتے اور پیٹھ کو جھکا دیتے، پھر جب سر اٹھاتے تو اس طرح سیدھے کھڑے ہو جاتے کہ تمام جوڑ درست ہو جاتے، جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھ (زمین پر) اس طرح رکھتے کہ نہ بالکل پھیلا ہوا ہوتا اور نہ سمٹا ہوا، پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھتے' جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو بائیں پر بیٹھتے اور دایاں کھڑا رکھتے، اور جب آخری مرتبہ بیٹھتے تو بائیں پاؤں کو آگے کر لیتے اور دائیں کو کھڑا کر دیتے، پھر مقعد پر بیٹھتے۔

(تفہیم البخاری ص۳۵۱ ج۱)

(۱۰)......عبد الرحمن بن غنم ان ابا مالک الاشعری جمع قومه ، فقال : یا معشریین اجتمعوا واجمعوا نسائکم وابنائکم ' اعلمکم صلوة النبی صلی اللہ علیه وسلم صلی لنا بالمدینة ، فاجتمعوا وجمعوا نسائھم وابنائھم ، فتوضأ واراھم کیف یتوضأ، فاحصی الوضوء الی اماکنه ، حتی لما ان فاء الفیئی وانکسر الظل قام ' فاذن فصف الرجال فی ادنی الصف ' وصف الولدان خلفھم ' وصف النساء خلف الولدان ، ثم اقام الصلوة فتقدم فرفع یدیه ' فکبر فقرأ بفاتحة الکتاب وسورة

یسرهما ، ثم کبر فرکع فقال" سبحان الله وبحمده " ثلاث مرار، ثم قال" سمع الله لمن حمده " واستوی قائما ، ثم کبر وخر ساجدا، ثم کبر فرفع رأسه ، ثم کبر فسجد ، ثم کبر فانهض قائما ، فکان تکبیره فی اول رکعة ست تکبیرات ، وکبر حین قام الی الرکعة الثانیة ، فلما قضی صلوته اقبل الی قومی بوجهه فقال : احفظوا تکبیری ' وتعلموا رکوعی ' وسجودی ، فانها صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم التی کان یصلی لنا الساعة من النهار۔(مسند احمد ص۳۴۳ ج۵، رقم الحدیث :۲۲۹۰۶)

ترجمہ:......حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو جمع کر کے فرمایا: اے اشعری قوم! جمع ہو جاؤ اور اپنی عورتوں کو بھی جمع کرلو تا کہ میں تمہیں آپ ﷺ کی نماز سکھا دوں جو آپ ﷺ ہمیں مدینہ طیبہ میں پڑھایا کرتے تھے، پس آپ نے وضو کیا اور انہیں دکھلایا کہ کیسے وضو کیا جاتا ہے، آپ نے خوب اچھی طرح سے پانی اعضاء وضو تک پہنچایا، حتی کہ جب سایہ ظاہر ہو گیا تو آپ نے کھڑے ہو کر اذان دی، امام سے قریب تر مردوں نے صف باندھی، ان کے پیچھے بچوں نے اور بچوں کے پیچھے عورتوں نے، پھر اقامت ہوئی اور آپ نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھ گئے، آپ نے رفع یدین کیا اور تکبیر (تحریمہ) کہی، پھر سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ دوسری سورت دونوں کو آہستہ سے پڑھا، پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا اور تین مرتبہ "سبحان الله وبحمده " کہا، پھر "سمع الله لمن حمده " کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو گئے، پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں گئے، پھر تکبیر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھایا، پھر تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کیا، پھر تکبیر کہہ کر کھڑے ہو گئے، اس طرح پہلی رکعت میں آپ کی چھ تکبیریں ہوئیں، آپ نے دوسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی تکبیر کہی، پھر نماز پوری کر کے اپنے قبیلے والوں کی

طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تکبیروں کو یاد کرلو، اور میرا رکوع وسجود دیکھ لو، کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی وہ نماز ہے جو آپ ہمیں دن کے اس حصے میں پڑھایا کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۰۱)

(۱۱)......عن انس بن مالک یقول : قال لی النبی صلی الله علیه وسلم : یا بنی ! اذا تقدمت الی الصلوة فاستقبل القبلة وارفع یدیک وکبر واقرأ ما بدا لک ، فاذا رکعت فضع کفیک علی رکبتیک وفرق بین اصابعک و سبح ، فاذا رفعت رأسک فاقم صلبک حتی یقع کل عضو مکانه ' واذا سجدت فامکن جبهتک من الارض وسبح ' واذا رفعت رأسک فاقم رأسک ' فاذا قعدت فضع عقبیک تحت الیتک واقم صلبک ، فانها من سنتی ، ومن اتبع سنتی فانه منی، ومن هو منی فهو معی فی الجنة۔(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ص۲۸۶ج۶، باب نمبر:۱۶۰۱)

ترجمہ:......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: بیٹا! جب تو نماز کے لئے بڑھے تو قبلہ رو ہو جا، رفع یدین کر اور تکبیر تحریمہ کہہ اور قرأت کر جہاں سے کرنا چاہے، پھر جب تو رکوع میں جائے تو دونوں ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھ اور انگلیاں کھلی رکھ اور (رکوع کی) تسبیح پڑھ، پھر جب رکوع سے سر اٹھائے تو اپنی کمر سیدھی کرلے یہاں تک کہ ہر عضو اپنی جگہ پہنچ جائے، پھر جب تو سجدہ میں جائے تو اپنی پیشانی زمین پر رکھ اور (سجدہ کی) تسبیح پڑھ، پھر جب تو سر اٹھائے تو تو اپنا سر سیدھا کرلے، پھر جب تو قعدہ کرے تو اپنی ایڑیوں کو سرین کے نیچے کرلے اور کمر کو سیدھا کرلے، یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کی پیروی کی وہ مجھ سے ہے اور جو مجھ سے ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔(حدیث اور اہل حدیث ص۳۹۸)

حضرات خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ترک رفع یدین کرنا

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے

(۱۲)......عن عبد الله بن مسعود قال : صليت مع النبى صلى الله عليه وسلم و مع ابى بكر و مع عمر ، فلم يرفعوا ايديهم الا عند التكبيرة الاولى فى افتتاح الصلوة۔[ا]

(دارقطنی ص۲۹۵، باب ذكر التكبير ورفع اليدين عند الافتتاح والركوع والرفع منه وقدر ذلك واختلاف الراويات ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۱۱۲۰)

[ا]......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی روایتیں بہت سے طرق سے مختلف کتابوں میں مروی ہیں، مثلاً:

(۱)......عن علقمة قال:صليت خلف عبد الله بن مسعود فلم يرفع يديه عند الركوع و عند رفع الرأس من الركوع ، فقلت له : لم لا ترفع يديك ؟ فقال : صليت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم و خلف ابى بكر و عمر فلم يرفعوا ايديهم الا عند التكبيرة التى تفتتح بها الصلوة۔

(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع ص۲۰۷ ج ا، فصل : فى سنن التكبير ايام التشريق)

(۲)......عن الاسود قال : صليت مع عمر فلم يرفع يديه فى شئى من صلوته الا حين افتتح الصلوة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۱۷ ج ۲، من كان يرفع يديه فى اول تكبيرة ثم لايعود ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۲۴۶۹)

(۳)......عن الاسود قال : رأيت عمر بن الخطاب يرفع يديه فى اول تكبيرة ثم لايعود۔

(طحاوی ص۱۵۶ ج ا، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود والرفع من الركوع هل مع ذلك رفع ام لا ؟، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۱۳۲۹)

ان تمام روایات کا حاصل یہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت اسود رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز نقل فرمائی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز میں ایک مرتبہ کے علاوہ رفع یدین نہیں فرمایا۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں نے آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی، انہوں نے نماز کے شروع میں تکبیر اولی کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔[۱]

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے

(۱۳)......عن عاصم بن کلیب الجرمی : عن ابیه – و کان من اصحاب علی – ان علی ابن ابی طالب کرم الله وجهه کان یرفع یدیه فی التکبیر الاولی التی یفتتح بها الصلوة ثم لا یرفعهما فی شئی من الصلوة۔

ترجمہ:...... عاصم بن کلیب الجرمی (رحمہ اللہ) سے روایت بیان کی' وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں' جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رفقاء میں سے تھے کہ: بیشک وہ تکبیر اولی میں رفع یدین کرتے جس سے نماز کا آغاز فرماتے، پھر نماز میں کسی بھی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔[۱] (مؤطا امام محمد ص۹۰، باب افتتاح الصلوة ۔بیہقی ص۸۹ ج۲، باب من لم یذکر الرفع عند الافتتاح ، کتاب الصلوة ۔مؤطا امام محمد (مترجم، مکتبہ حسان) ص۷۷، باب افتتاح الصلوة رقم الحدیث:۱۰۹)

---

[۱]......حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قسم کی روایتیں بہت سے طرق سے مختلف کتابوں میں مروی ہیں، جن میں ہے کہ: آپ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے، مثلاً:

(۱)......عن عاصم بن کلیب عن ابیه ان علیا کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة من الصلوة ثم لایرفع بعد ۔(طحاوی ص۱۵۴ ج۱، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع هل مع ذلک رفع ام لا ؟ کتاب الصلوة ، رقم الحدیث:۱۳۲۰)

(۲)......عن عاصم بن کلیب عن ابیه ان علیا کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوة ثم لا یعود۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۱۶ ج۲، من کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لایعود ، رقم الحدیث:۲۴۵۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے

(۱۴)......عن ابراهیم عن عبد الله انه كان یرفع یدیه فی اول ما یفتتح ثم لا یرفعهما۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۱۶ ج۲، من كان یرفع یدیه فی اول تكبیرة ثم لایعود ، كتاب الصلوة ، رقم الحدیث:۲۴۵۸)

ترجمہ:......حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز کے شروع میں رفع یدین کیا کرتے تھے، پھر نہیں کرتے تھے۔[۱]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے

(۱۵)......عن نعیم المجمر وابی جعفر القاری عن ابی هریرة : انه كان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوة ویكبر كلما خفض و رفع ، ویقول انا اشبهكم صلوة برسول الله صلی الله علیه وسلم۔

ترجمہ:......نعیم المجمر اور ابوجعفر القاری رحمہما اللہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رفع یدین نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے

---

[۱]......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قسم کی روایتیں بہت سے طرق سے مختلف کتابوں میں مروی ہیں، جن میں ہے کہ آپ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے، مثلا:

(۱)......عن ابراهیم قال : كان عبد الله لا یرفع یدیه فی شئی من الصلوة الا فی الافتتاح۔

(طحاوی ص۱۵۶ ج۱، باب التكبیر للركوع والتكبیر للسجود والرفع من الركوع هل مع ذلك رفع ام لا ؟ ، كتاب الصلوة ، رقم الحدیث:۱۳۲۸)

(۲)......عن ابراهیم : عن ابن مسعود كان یرفع یدیه فی اول شئی ثم لا یرفع بعد۔

(مصنف عبدالرزاق ص۷۱ ج۲، باب تكبیرة الافتتاح ورفع الیدین ، كتاب الصلوة ، رقم الحدیث:۲۵۳۳)

وقت کرتے تھے، اور ہر اونچ نیچ میں تکبیر کہتے تھے، اور فرماتے تھے کہ: میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے ساتھ تم سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔

(التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید ص۲۱۵ ج۹۔ حدیث اور اہل حدیث ص ۳۹۷)

(۱۶)......اخبرنا مالک اخبرنی نعیم المجمر وابو جعفر القاری : ان ابا ھریرۃ کان یصلّی بھم ، فکبّر کلّما خفض و رفع ، قال ابو جعفر القاری : وکان یرفع یدیہ حین یُکبّر ویفتح الصلوۃ ۔(مؤطا امام محمد ص۹۰، باب افتتاح الصلوۃ)

ترجمہ:......امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مجھے نعیم بن عبداللہ المجمر اور ابوجعفر القاری رحمہما اللہ نے بتایا کہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان کو نماز پڑھاتے تھے تو ہر اونچ نیچ میں تکبیر کہتے تھے، اور رفع یدین نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت کرتے تھے۔

(مؤطا امام محمد (مترجم، مکتبہ حسان، کراچی) ص۷۵، باب افتتاح الصلوۃ ، رقم الحدیث:۱۰۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے

(۱۷)......عن مجاھد قال صلیت خلف ابن عمر ' فلم یکن یرفع یدیہ الا فی التکبیرۃ الاولی من الصلوۃ۔[۱]

(طحاوی ص۱۵۵ ج۱، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ؟ ،کتاب الصلوۃ ، رقم الحدیث:۱۳۲۳)

---

[۱]......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق اس قسم کی روایتیں بہت سے طرق سے مختلف کتابوں میں مروی ہیں، جن میں ہے کہ: آپ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے، مثلا:

(۱)......عن مجاھد ' قال : ما رأیت ابن عمر یرفع یدیہ الا فی اوّل ما یفتتح۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۳۷ ج۱، من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لایعود ، کتاب الصلوۃ، رقم الحدیث:۲۴۶۷)

(۲)......عن عبد العزیز بن حکیم ' قال : رأیت ابن عمر یرفع یدیہ حذاء اذنیہ فی اوّل تکبیرۃ

ترجمہ:......حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نماز میں تکبیر اولی کے علاوہ کسی وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

حضرت عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے

(۱۸)......عن محمد بن یحی قال : صلیت الی جنب عباد بن عبد الله بن الزبیر، قال : فجعلت ارفع ایدی فی کل رفع و خفض ، قال : یا ابن اخی رأیتک ترفع فی کل رفع وخفض وان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا افتتح الصلوة رفع یدیه فی اول صلوته ثم لم یرفعهما فی شئی حتی یفرغ۔(بسط الیدین لنیل الفرقدین ص۵۳)

ترجمہ:......محمد بن یحی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے پہلو میں نماز پڑھی، میں ہر اونچ نیچ میں رفع یدین کرنے لگا، انہوں نے فرمایا: بھتیجے! میں نے تجھے دیکھا ہے کہ تم ہر اونچ نیچ میں رفع یدین کررہے تھے، اور رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے، پھر آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہونے تک رفع یدین نہیں کیا۔

حضرت علی وحضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے شاگرد بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے

(۱۹)......عن ابی اسحاق قال : کان اصحاب عبد الله واصحاب علی لا یرفعون ایدیهم الا فی افتتاح الصلوة ، قال وکیع : ثم لایعودون۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۱۶ ج۲، من کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لایعود ، کتاب الصلوة ، رقم الحدیث:۲۴۶۱)

افتتاح الصلوة ' ولم یرفعهما فیما سوی ذلک۔(مؤطا امام محمد ص۹۳، باب افتتاح الصلوة)

ترجمہ:......ابو اسحاق رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اصحاب صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔

(۲۰)......عن ابراهيم انه كان يقول : اذا كبّرت فى فاتحة الصلوة فارفع يديك ' ثم لا ترفعهما فيما بقى۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۱۶ ج ۲، من كان يرفع يديه فى اول تكبيرة ثم لايعود ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۲۴۶۰)

ترجمہ:......حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے' وہ فرماتے تھے کہ: جب نماز شروع کرے تو اپنے ہاتھوں کو (پہلی مرتبہ تکبیر تحریمہ کے وقت) اٹھاؤ، پھر بقیہ وقتوں میں نہ اٹھاؤ۔

اکابر فقہاء وحضرات تابعین رحمہم اللہ کا رفع یدین نہ کرنا

(۲۱)......''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں حضرت ابو اسحاق سبیعی' امام شعبی' حضرت ابراہیم نخعی' حضرت اسود بن یزید' حضرت علقمہ' حضرت قیس بن حازم' حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلی' حضرت خثیمہ رحمہم اللہ اجمعین کے متعلق منقول ہیں کہ: یہ سب حضرات تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔[۱]

---

[۱]......(۱)......عن الشعبى : انه كان يرفع يديه فى اول التكبير ' ثم لا يرفعهما۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۱۶ ج ۲، من كان يرفع يديه فى اول تكبيرة ثم لايعود ، كتاب الصلوة، رقم الحديث:۲۴۵۹)

(۲)......عن خيثمة و ابراهيم قال : كانا لا يرفعان ايديهما الا فى بدء الصلوة ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۱۶ ج ۲،من كان يرفع يديه فى اول تكبيرة ثم لايعود ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۲۴۶۳)

(۳)......عن اسماعيل قال : كان قيس يرفع يديه اوّل ما يدخل فى الصلوة ' ثم لايرفعهما۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۱۷ ج ۲،من كان يرفع يديه فى اول تكبيرة ثم لايعود ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۲۴۶۴)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت سفیان رحمہ اللہ اور اہل کوفہ کے بارے میں لکھا ہے کہ: وہ بھی رفع یدین کے قائل نہیں تھے۔

(۲۲)......وهو قول سفيان [الثورى] و اهل الكوفة۔

(ترمذی ص۵۹ ج۱، باب رفع اليدين عند الركوع ، كتاب الصلوة ، تحت رقم الحديث:۲۵۷)

ترک رفع یدین پر فقہاء کا اجماع

(۲۳)......ابو بكر بن عياش قال : ما رأيت فقيهاً قطّ يفعله ' يرفع يديه فى غير التكبير الاولى۔

(طحاوی ص۱۵٦ ج۱، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود والرفع من الركوع هل مع ذلك رفع ام لا ؟ ،كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۱۳۳۲)

ترجمہ:......حضرت ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے ہرگز کسی فقیہ کو بھی پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔

---

(۴)......عن مسلم الجهنى قال : كان ابن ابى ليلى يرفع يديه اوّل شىء اذا كبّر۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۱۷ ج۲،من كان يرفع يديه فى اول تكبيرة ثم لايعود ، كتاب الصلوة، رقم الحديث:۲۴۶٦)

(۵)......عن جابر' عن الاسود و علقمة : انهما كانا يرفعان ايديهما اذا افتتحا ' ثم لا يعودان۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۱۷ ج۲،من كان يرفع يديه فى اول تكبيرة ثم لايعود ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۲۴۶۸)

(٦)......قال عبد الملك : ورأيت الشعبى وابراهيم وابا اسحاق لا يرفعون أيديهم الا حين يفتتحون الصلوة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۱۸ ج۲،من كان يرفع يديه فى اول تكبيرة ثم لايعود ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۲۴۶۹)

حدیث:''مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس''پر مفید کلام

عن جابر بن سمرة قال : خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال :" مالی اراکم رافعی ایدیکم کانّھا اَذْنَابُ خَیْلٍ شُمُسٍ ، اسکنوا فی الصلوة "۔

(مسلم شریف ص۱۸۱ج۱، باب الامر بالسکون فی الصلوة والنھی عن الاشارة ورفعھا عند السلام کتاب الصلوة ، رقم الحدیث:۴۳۰)

ترجمہ:......حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت ﷺ ہمارے پاس گھر سے باہر تشریف لائے تو فرمایا: کیا بات ہے تمہیں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، گویا وہ بدکے ہوئے گھوڑوں کی دمیں ہیں، نماز میں سکون اختیار کرو۔

اس حدیث کی صحت میں تو کسی کو کلام نہیں، البتہ بعض حضرات نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ: اس حدیث میں سلام کے وقت اشارہ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، جیسا کہ''صحیح مسلم''ہی میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث ہے:

کنّا اذا صلّینا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم قلنا " السّلام علیکم ورحمة اللّٰه ' السّلام علیکم ورحمة اللّٰه ' واشار بیده الی الجانبین ، فقال رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم : علام تؤمون بایدیکم کأنّھا اذناب خیل شمس ، انما یکفی احدکم ان یضع یده علی فخده ثم یسلّم علی اخیه من علی یمینه و شماله۔

(مسلم شریف ص۱۸۱ج۱، باب الامر بالسکون فی الصلوة والنھی عن الاشارة ورفعھا عند السلام کتاب الصلوة ، رقم الحدیث:۴۳۱)

ترجمہ:......ہم جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو" السّلام علیکم

ورحمة اللّٰه“ کہتے وقت دونوں جانب ہاتھ سے اشارہ کیا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم ہاتھوں سے اشارہ کس لئے کرتے ہو؟ جیسے وہ بدکے ہوئے گھوڑوں کی دمیں ہوں، تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ ہاتھ رانوں پر رکھے ہوئے دائیں بائیں اپنے بھائی کو سلام کیا کرو۔

ان دونوں حدیثوں میں چونکہ ”کأنھا اذناب خیل شمس“ کا فقرہ آگیا ہے، غالبا اس سے ان حضرات کا ذہن اس طرف منتقل ہوگیا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں، لیکن جو شخص ان دونوں حدیثوں کے سیاق پر غور کرے گا اسے یہ سمجھنے میں قطعاً دشواری نہیں ہوگی کہ یہ دونوں الگ الگ واقعہ سے متعلق ہیں، اوران دونوں کا مضمون ایک دوسری سے یکسر مختلف ہے، چنانچہ:

(۱):......پہلی حدیث میں ہے کہ: ہم اپنی نماز میں مشغول تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے، اور دوسری حدیث میں نماز باجماعت کا ذکر ہے۔

(۲):......پہلی حدیث میں ہے کہ: آپ ﷺ نے صحابہ کو نماز میں رفع یدین کرتے دیکھا اور اس پر نکیر فرمائی، اور دوسری حدیث میں ہے کہ سلام کے وقت دائیں بائیں اشارہ کرنے پر نکیر فرمائی۔

(۳):......پہلی حدیث میں ہے کہ: آپ ﷺ نے نماز میں سکون اختیار کرنے کا حکم فرمایا اور دوسری حدیث میں ہے کہ: آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کا طریقہ بتایا۔

(۴):......اور دونوں حدیثیں الگ الگ سندوں سے مذکور ہیں۔ پہلی حدیث کے راوی دوسرے واقعہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے، اور دوسری حدیث کے راوی پہلے واقعہ سے کوئی تعرض نہیں کرتے۔

اس لئے دونوں حدیثوں کو جن کا الگ الگ مخرج ہے، الگ الگ قصہ ہے، الگ الگ حکم ہے، ایک ہی واقعہ سے متعلق کہہ کر دل کو تسلی دے لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

اور اگر بطور تنزل تسلیم بھی کرلیا جائے کہ دونوں حدیثوں کی شانِ ورود ایک ہی ہے، تب بھی یہ مسلمہ اصول ہے کہ خاص واقعہ کا اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے، جب آنحضرت ﷺ نے رفع یدین پر نکیر فرمائی ہے، اور اس کے بجائے نماز میں سکون اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے تو اس سے ہر صاحب فہم یہ سمجھے گا کہ رفع یدین سکون کے منافی ہے، اور آپ ﷺ نے اسے ترک کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

مزید یہ کہ جب بوقت سلام رفع یدین کو سکون کے منافی سمجھا گیا حالانکہ وہ نماز سے خروج کی حالت ہے تو نماز کے عین وسط میں سکون کی ضرورت اس سے بدرجہا بڑھ کر ہوگی۔ (اختلاف امت اور صراط مستقیم ص۱۰۲ ج ۲)

ایک اور چیز بھی قابل غور ہے کہ جو شخص تسلیم کے وقت رفع یدین کرتا ہو اس سے ’’اسکنوا فی الصلوۃ‘‘ نہیں کہا جاتا جیسا کہ اس شخص کے حق میں جو سلام پھیرنے کے وقت میں دائیں اور بائیں اپنے چہرہ کو پھیرتا ہے یہ نہیں کہا جاتا: ’’انہ التفت الی الیمین والشمال فی الصلوۃ‘‘ کیونکہ نماز میں دائیں بائیں کی طرف التفات ممنوع ہے، اور تشہد کے بعد جو عمل کیا جائے تو وہ خروج من الصلوۃ کا عمل نہیں، اس کو فی الصلوۃ نہیں کہا جا سکتا، اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے عندالسلام رفع ایدی کی حدیث میں ’’اسکنوا فی الصلوۃ‘‘ نہیں فرمایا، بلکہ ’’اسکن فی الصلوۃ‘‘ اس شخص سے کہا جاتا ہے جو نماز کے دوران رکوع و سجود وغیرہ کی حالت میں رفع یدین کرتا ہو، اس بناء پر ’’اسکنوا فی الصلوۃ‘‘ کا جملہ بتلاتا ہے کہ رفع ایدی تشہد میں نہ تھا، بلکہ نماز کے اندر تھا۔

حدیث میں صرف یہ اشتراک ہے کہ دونوں کے راوی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ہیں، تو کیا اس سے دونوں کا متحد ہونا لازم آتا ہے، جیسا کہ امام بخاری (رحمہ اللہ) اور ان کے ساتھ جو لوگ ہیں وہ اس اشتراک سے اتحاد سمجھ کر دونوں حدیثوں کو تشہد کی حالت پر محمول کرتے ہیں، حالانکہ اہل علم میں سے کسی نے بھی اتحاد راوی سے اتحاد مرویات پر استدلال نہیں کیا، اس لئے دونوں کو عند السلام پر محمول نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ ظاہر حدیث کے خلاف ہے، اس لئے اس حدیث سے ترک رفع یدین کی افضلیت پر حنفیہ کا استدلال مذکور بالکل صحیح ہے، اس پر امام بخاری (رحمہ اللہ) کا اعتراض بے معقول ہے، واللہ اعلم۔

اچھا ہم تسلیم کرتے ہیں کہ واقعہ ایک ہے اور عند السلام سے متعلق ہے، مگر کیا خصوص مورد مستلزم ہے خصوص حکم کو، ہرگز نہیں، چنانچہ ملا علی قاری (رحمہ اللہ) وغیرہ کہتے ہیں کہ اعتبار عموم لفظ کا ہے، اور وہ قول نبوی ''اسکنوا فی الصلوۃ'' ہے خصوص سبب کا اعتبار نہیں، اور وہ بحالت سلام اشارہ بالایدی ہے تو ''اسکنوا فی الصلوۃ'' سے نبی کریم ﷺ نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ مقصود اصلی نماز میں سکون ہے نہ کہ حرکت، لیکن جن حرکات کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی تو وہ مستثنیٰ ہیں، انہیں چھوڑ کر باقی اجزاء صلوۃ میں سکون مطلوب شریعت ہے، اس پر قرآن وحدیث دلالت کرتی ہے، تو انکار عند السلام ہاتھ اٹھانے پر اس لئے کیا ہے کہ بار بار ہاتھ اٹھانا مطلوب نہیں بلکہ سکون مقصود ہے، اس لئے یہ مسئلہ بھی یعنی دوران صلوۃ رفع یدین کا اس کے تحت میں آجائے گا۔ (شرح النسائی ص۳۱۲ ج۲)

تعجب ہے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے دونوں حدیثوں کو ایک ہی تسلیم کرنے پر زور دیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

حافظ زیلعی (رحمہ اللہ) نے ''نصب الرایہ'' میں امام بخاری (رحمہ اللہ) کے اس

اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کی ہے اور فرمایا ہے کہ ابن القبطیہ کا طریق رفع الیدین عندالسلام سے متعلق ہے اور باقی طرق ہر قسم کے رفع یدین سے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جن طرق میں رفع الیدین عندالسلام کی تصریح نہیں ہے ان میں ''اسکنوا فی الصلوۃ'' کا جملہ مروی ہے، جبکہ ابن القبطیہ کے طریق میں یہ جملہ موجود نہیں، جو اس بات کی دلیل ہے یہ حکم نماز کے کسی درمیانی رفع یدین سے متعلق ہے، رفع یدین عندالسلام سے نہیں، کیونکہ سلام کے وقت جو عمل کیا جائے وہ خروج من الصلوۃ کا عمل ہے، اس کو ''فی الصلوۃ'' نہیں کہا جاسکتا۔

لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال مشتبہ اور کمزور ہے، کیونکہ ابن القبطیہ کی روایت میں سلام کے وقت کی جو تصریح موجود ہے اس کی موجودگی میں ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ حضرت جابر کی یہ حدیث رفع عندالسلام ہی سے متعلق ہے، اور دونوں حدیثوں کو الگ الگ قرار دینا جبکہ دونوں کا راوی بھی ایک ہے اور متن بھی قریب قریب ہے بعد سے خالی نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ حدیث ایک ہی ہے، اور رفع عند السلام سے متعلق ہے، ابن القبطیہ کا طریق مفصل ہے اور دوسرا طریق مختصر و مجمل، لہذا دوسرے طریق کو پہلے طریق ہی پر محمول کرنا چاہئے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نوراللہ مرقدہ نے اس حدیث کو حنفیہ کے دلائل میں ذکر نہیں کیا۔

(درس ترمذی ص ۳۷ ج ۲)

غنیۃ المہتدی فی قراءۃ المقتدی

اس رسالہ میں: مشہور اور معرکۃ الاراء مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے متعلق صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ کے تین مذاہب اور ان کے دلائل، اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کے دلائل تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی احناف کے دلائل پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی تحقیق سے دیئے گئے ہیں۔ آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ کے اس مسئلہ میں مشہور اشکالات اور ان کے جوابات پر رسالہ کو ختم کیا گیا ہے۔ درمیان میں بعض تحقیقی مباحث بھی قابل مطالعہ ہیں۔ الغرض بڑے سلیقہ اور تحقیق سے رسالہ لکھا گیا ہے۔ دور حاضر میں ہر آدمی کے لئے اس کا مطالعہ انشاء اللہ نافع ہوگا۔

حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری' راندیری

ترتیب' وعنوانات

مرغوب احمد لاجپوری

عرض مرتب وتعارف رسالہ

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین ، وعلی الہ واصحابہ اجمعین ، امابعد !

حضرت مولانا سید قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری محدث راندیری رحمہ اللہ کا یہ رسالہ ’’غنية المهتدی فی قراءۃ المقتدی ‘‘اپنے موضوع پر بہترین مواد لئے ہوا ہے، اس رسالہ میں :مشہوراور معرکۃ الاراء مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے متعلق صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اورائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ کے تین مذاہب اوران کے دلائل ،اورامام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کے دلائل تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ساتھ ہی احناف کے دلائل پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی تحقیق سے دیئے گئے ہیں۔آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ کے اس مسئلہ میں مشہور اشکالات اوران کے جوابات پر رسالہ کو ختم کیا گیا ہے۔ درمیان میں بعض تحقیقی مباحث بھی قابل مطالعہ ہیں۔الغرض بڑے سلیقہ اور تحقیق سے رسالہ لکھا گیا ہے۔دورحاضر میں ہرآدمی کے لئے اس کا مطالعہ انشاءاللہ مفید ہوگا۔

راقم الحروف نے اس رسالہ کونئی ترتیب سے مرتب کیا،بعض جگہ الفاظ میں معمولی تبدیلی بھی کی ہے،رسالہ قدیم طرز پر بغیر کسی عنوان کے تھا،اس لئے پورے رسالہ کا مطالعہ کرکے اپنی سمجھ کے مطابق عنوانات قائم کئے،تاکہ ناظرین کے لئے تتبع میں آسانی ہو، الغرض کوشش کی گئی کہ رسالہ کو عمدہ طرز پر مرتب کیا جائے۔اللہ تعالی اس حقیر کاوش کوقبول فرما کر رسالہ کو حضرت مؤلف رحمہ اللہ اور راقم اور طباعت میں جملہ تعاون کرنے والوں کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے ،آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

تقریظ:

حضرت مولانا ملا ہاشم صاحب سورتی دام فیضہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب تعریف اس ذات پاک کو کہ " لم یلد ولم یولد " اس کی ذات ہے، اور بہت بہت درود اس کے نبی ﷺ کو کہ جو تمام اولاد آدم میں جامع کمالات ہیں۔ امابعد!

ہیچ کارہ نالائق ابجد خواں دبستان نادانی محمود بن ملا ہاشم کو مدت سے یہ خیال تھا کہ چند اوراق بطریق اختصار مسئلہ قرأت سورۂ فاتحہ خلف الامام کے بارے میں بعبارت اردو سلیس موافق محاورہ گجرات کے آیت قرآنی اور احادیث نبوی علی صاحبھا الف الف صلوۃ و سلام کے لکھوں، تا کہ عوام کو فائدہ ہو، مگر الحمد للہ کہ ان دنوں مولوی حاجی قاضی سید رحمت اللہ صاحب راندیری نے موافق میری خواہش کے پورے طور سے پر تدقیق اور تحقیق سے رسالہ سورۂ فاتحہ کا موافق مذہب حنفی کے تالیف کیا۔

میں نے اس رسالہ کو " من اولھا إلی آخرھا " دیکھا، خوبی عبارت اور تقریبات تامہ اور توضیح مطالب اور تنقیح دلائل میں بقدر ضرورت زمانہ کے کافی پایا، مؤلف نے جو کچھ محنت اٹھائی ہے اس کا ثمرہ انشاء اللہ تعالیٰ اجر عظیم ہوگا، اور منفعت اس کی جو شاملِ حال عوام ہوگی یہ صدقہ جاریہ ہوگا، اللہ تعالیٰ قبول فرماوے، اور اس کا نفع عام سب کو پہنچائے، آمین یارب العٰلمین۔

ہاشم سورتی

تقریظ:

حضرت مولانا محمد امین الدین صاحب مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی

الحمد للّٰہ الذی تعالیٰ شانه ‘ وجل سلطانه ‘ وسطح برهانه ‘ وعم غفرانه ، والصلوة علی رسول الله الذی تقدم محله ‘ وان تاخر زمانه ‘ وعلی من اتبع رضوانه امابعد !

بندہ عاجز ارباب بصیرت کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ مسئلہ قرأت فاتحہ خلف الامام منجملہ ان امہات مسائل کے ہے جس میں مدت سے مابین حنفیہ ودیگر علماء کے اختلاف چلا آتا ہے، اگرچہ علمائے حنفیہ شکر اللہ سعیہم نے اپنی تصنیفات میں اس کی پوری تحقیق فرمادی ہے، تاہم اس خیال سے کہ خیر جس قدر کثیر ہو خیر ہے۔

مولانا مولوی قاضی سید رحمت اللہ صاحب راندیری نے اس مسئلہ کو موافق مذہب حنفیہ کے آیت واحادیث سے پوری تحقیق کے ساتھ اس رسالہ میں ثابت دکھایا، میں نے اکثر مضامین اس کے دیکھے اور مدلل اور مستحکم پائے۔ خداوند تعالیٰ مولانا کو اس سعی کا کافی بدلہ عطا فرمائے، اور خلق اللہ کو اس سے فائدہ پہنچائے۔ آمین۔

محمد امین الدین

تقریظ:

حضرت مولانا عبدالاحد صاحب' استاذ دارالعلوم دیوبند

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

حضرت مولانا الحاج القاضی رحمت اللہ صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر نے مسئلہ قرأت خلف الامام کی مذہب احناف کے مطابق تحقیق انیق اور حضرت صاحب فتح الباری کے سولہ اعتراضات کے جوابات صحیحہ واقعیہ تحریر فرما کر اہل علم پر احسان عظیم فرمایا، احقر نے ''نسائی شریف'' کے درس کے وقت اس تصنیف لطیف سے بھی مثل دوسری شروح کے مطالعہ کر کے معلومات میں اضافہ کیا، دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ حضرت مؤلف کی اس خدمت عالیہ کو قبول فرما کر اپنی رحمتوں سے مالا مال کرے۔ آمین۔

احقر عبدالاحد دیوبندی عفی عنہ

خادم العلوم دارالعلوم دیوبند

....

ترجمہ نام رسالہ

'' غنية '' کے معنی ہیں: بے نیازی، دسترس، قدرت، کفایت، چارہ، تدبیر، اور '' المهتدی'' ہدایت یافتہ، راہ پانے والا۔

اب رسالہ کے نام کے معنی ہوئے: مقتدی کی قرأت کے متلاشی اور ہدایت کے طالب کے لئے یہ رسالہ کافی ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله على أن جعل لنا التوفيق خير رفيق ، والصلوة والسلام على رسوله محمد وآله وصحبه الفائزين بأعلى التحقيق ، امابعد :

فاتحہ خلف الامام کا کیا حکم ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیان شرح متین "زادكم الله شرفا وتعظيماً لديه" اس مسئلہ میں کہ آیا سورۂ فاتحہ خلف الامام مقتدی کو پڑھنا باتفاق صحابہ رضی اللہ عنہم اور باتفاق تابعین اور تبع تابعین المشهود لهم بالخير إلى يوم الدين' واجب ہے؟ یا اس بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہم کا اختلاف آج تک چلا آتا ہے؟ تو پھر جو شخص دعوی کرے کہ مقتدی کی نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے درست نہیں ہے اور باطل ہے، تو یہ اعتقاد اور دعوی اس کا کیسا ہے؟ بينوا بيانا شافيا توجروا أجراً وافيا،

أقول وبه استعين.....الجواب الوسيط بغير افراط وتفريط :......واضح ہو کہ قرأت سورۂ فاتحہ خلف الامام کے بارے میں صحابہ عظام اور تابعین اور تبع التابعین وغیرہم متفق نہیں ہیں، بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہمارے زمانہ تک ائمہ مجتہدین اور علماء متقدمین ومتاخرین کا اس بارے میں اختلاف تین طریقے پر چلا آتا ہے:

فاتحہ خلف الامام کے بارے میں صحابہ کے تین مذاہب

(۱)......یعنی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم قائل تھے کہ: نماز میں مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھے خواہ وہ نماز جہری ہو یا سری۔

(۲)......اور بعض صحابہ اور تابعین وغیرہم قائل تھے کہ: نماز سری میں مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھے اور جہری نماز میں نہ پڑھے۔

(۳)......بعض صحابہ وغیرہم قائل تھے کہ: نماز جہری ہو یا سری مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔ مگر کسی نے ایک دوسرے کی نماز کو باطل نہیں کہا ہے اور نہ کسی نے اس قدر تشدد کیا ہے، بلکہ امام مالک رحمہ اللہ وغیرہم کا مذہب ان صحابہ کے موافق ہے جو کہتے ہیں کہ سری نماز میں مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھے اور جہری میں نہ پڑھے، اور امام مالک رحمہ اللہ کے ہمراہ سعید بن مسیّب اور عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود اور سالم بن عبداللہ بن عمر اور ابن شہاب اور قتادہ اور عبداللہ بن المبارک اور احمد بن حنبل اور اسحاق اور طبرانی (رحمہم اللہ) اس مسلک کی طرف گئے ہیں، اور جناب سیدنا علی اور حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں: بعضوں نے ان سے یہ روایت کی ہے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ نہ جہری نماز میں پڑھے' نہ سری میں۔ اور بعضوں نے روایت کی ہے کہ سری میں پڑھے، جہری نماز میں نہ پڑھے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے بھی ایک قول یہی ہے، اور عراق میں اس قول پر فتویٰ دیتے تھے، اور یہی قول ابی بن کعب اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، چنانچہ ''تعلیق الممجد'' میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اختلف فيه العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم على أقوال :

الأول:...... أنه يقرأ مع الإمام فى ما اسر ولا يقرأ في ما جهر، وإليه ذهب مالک وبه قال سعيد بن المسيب وعبيدالله بن عبد الله بن مسعود وسالم بن عبد الله بن عمرو وابن شهاب وقتادة وعبد الله بن المبارک وأحمد واسحاق والطبرى، واختلف عن على وعمر وابن مسعود فروى عنهم أن الماموم لا يقرأ وراء الإمام لا ما فى اسر ولا مافى جهر، وبه قال الشافعى فى أحد قوليه بالعراق، وهو المروى عن أبي بن كعب وعبد الله بن عمر رضی اللہ عنہم۔

اوردوسرا قول صحابہ وغیرہم کا یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نماز جہری اورسری دونوں میں پڑھے، اوریہی قول تھا امام شافعی رحمہ اللہ کا مصر میں اوراسی قول پر اکثر اصحاب شافعی ہیں، اوراوزاعی اورلیث ابن سعداورابوثور (رحمہم اللہ) کا بھی یہی قول ہے، اورعبادہ بن الصامت اورعبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے اورابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مختلف ہے، اورعروہ بن زبیراورسعید بن جبیراورحسن بصری اورمکحول (رحمہم اللہ) نے بھی یہی کہا ہے، چنانچہ اس کی تصریح بھی ’’تعلیق الممجد‘‘ اور’’سعایہ‘‘ میں موجود ہے۔

والثانی:...... انه يقرأ أم الكتاب فی ما جهر وفی ما اسر، وبه قال الشافعی بمصر، وعليه اكثر والاوزاعی والليث بن سعد وأبوثور وهو قول عبادة بن الصامت وعبدالله بن عباس، واختلف فيه عن أبي هريرة، وبه قال عروة بن الزبير وسعيد بن جبير والحسن البصری ومكحول رضي الله عنهم،

اورتیسرا قول صحابہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا یہ ہے کہ: مقتدی سورہ فاتحہ نہ جہری نماز میں پڑھے نہ سری میں، اوراسی کے ابوحنیفہ رحمہ اللہ اوران کے اصحاب قائل ہیں، اورصحابہ میں جابر بن عبداللہ اور زید بن ثابت وغیرہم رضی اللہ عنہم بھی اس قول کی طرف گئے ہیں، اورعلی اورابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے، اورابن عیینہ اورابن ابی لیلی اورحسن بن صالح بن حیی اورابراہیم نخعی اوراصحاب ابن مسعود (رحمہم اللہ) بھی اس کے قائل ہیں، اسی طرح ذکر کیا ہے ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ’’استذکار‘‘ اور’’تمہید‘‘ میں۔

’’تعلیق الممجد‘‘ اور’’سعایہ‘‘ میں ہے:

والثالث:...... أنه لا يقرأ شيئا فی ما جهر ولا فی ما اسر، وبه قال أبوحنيفة وأصحابه وهو قول جابر بن عبدالله رضي الله عنه وزيد بن ثابت رضي الله عنه، وروی ذلک عن علی رضي الله عنه وابن

مسعود ﷺ ، وبه قال الثورى وابن عيينة وابن أبي ليلىٰ والحسن بن صالح بن حي وابراهيم النخعي وأصحاب ابن مسعود ﷺ ،كذا ذكره ابن عبد البر فى الاستذكار والتمهيد،

پس اس سے ثابت ہوگیا کہ سورۂ فاتحہ کا وجوب مقتدی پر اتفاقی نہیں ہے، بلکہ جیسا اختلاف اب ہے اسی طرح صحابہ وغیرہم ﷺ کے زمانے سے چلا آتا ہے، پس سورۂ فاتحہ خلف الامام نہ پڑھنے سے نماز کو باطل کہنے والوں کا دعویٰ مردود ہے۔

تینوں مذاہب کے دلائل

اور جب ہم نے سورۂ فاتحہ خلف الامام کے بارے میں تین قول پر اختلاف ثابت کر دیا تو اب ہم ہر مذہب کی دلیل احادیث صریحہ سے بیان کرتے ہیں:

پہلا مذہب: نماز میں مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھے خواہ وہ نماز جہری ہو یا سری

پہلا قول اور مذہب:......امام مالک رحمہ اللہ اوران کے موافقین کا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے:

عن أبي هريرة ﷺ أن رسول الله ﷺ انصرف من صلاة جهر فيها بالقرأة ، فقال : هل قرأ معي أحد منكم آنفاً ؟ فقال رجل : نعم ! يا رسول الله ﷺ، قال : فإنى أقول ما لى انازع القرآن ؟ قال : فانتهى الناس عن القراء ة مع رسول الله ﷺ فيما يجهر فيه رسول الله ﷺ من الصلوات بالقراء ة حين سمعوا ذلک من رسول الله ﷺ ، رواه أبوداؤد والنسائى والترمذى ، وقال : حديث حسن ، وأخرجه مالک فى المؤطا والشافعي واحمد وابن ماجة وابن حبان ، هكذا مذكور فى المنتقى والنيل۔

ترجمہ:...... روایت ہے ابو ہریرہ ﷺ سے کہ: رسول خدا ﷺ ایک ایسی نماز سے جس میں

قرأت جہر سے پڑھی تھی فارغ ہوئے تو فرمایا کہ: کیا تم میں سے کسی نے قرأت کی تھی؟ ایک شخص نے عرض کیا: ہاں! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ: جب ہی کہتا تھا میں (یعنی دل میں) کہ آج مجھے کیا ہوا ہے کہ قرآن شریف میں مجھ سے کشاکشی کی جاتی ہے؟ راوی نے کہا کہ: لوگوں نے آپ ﷺ سے یہ سن کر جہری نماز میں قرأت چھوڑ دی۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی اور ترمذی نے، اور کہا ترمذی نے کہ: یہ حدیث حسن ہے، اور تخریج کی اس حدیث کی مالک نے ''مؤطا'' میں اور شافعی اور احمد اور ابن ماجہ اور ابن حبان نے، اسی طرح تصریح کی ہے منتقی اور اس کی شرح نیل میں۔

ف:......اس حدیث کو اتنے ائمہ حدیث نے روایت کیا اور اس پر عمل کیا ہے، امام مالک اور سعید بن المسیب اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود اور سالم بن عبد اللہ بن عمر اور ابن شہاب زہری اور قتادہ اور عبد اللہ بن المبارک اور احمد اور اسحاق اور طبری (رحمہم اللہ) اور حضرت ابی بن کعب اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے جیسا کہ بیان اس کا اوپر گذر چکا ہے، پس یہ تمام صحابہ اور تابعین وغیرہم رضی اللہ عنہم قائل ہیں کہ جہری نماز میں مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے، اور یہ مضمون صراحۃً اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے، پس یہ حدیث ان لوگوں کے جو دعوے کر رہے ہیں کہ سورۂ فاتحہ خلف الامام مقتدی پر نماز جہری اور نماز سری دونوں میں واجب ہے اور بدون سورہ فاتحہ کے نماز جائز ہی نہیں ہوتی صریح مخالف ہے، اور جو تاویل و جرح اس حدیث پر ہے وہ کتب مبسوطہ سے معلوم فرما سکتے ہیں، اور کچھ بیان اس کا آگے آتا ہے، فتدبر۔

عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ قال : صلی رسول اللّٰہ ﷺ الصبح ، فثقلت علیه القراء ة فلما انصرف ، قال : انی اری لکم تقرؤن وراء امامکم ، قال : قلنا : یا رسول اللّٰہ

ﷺ ای واللّٰه ! قال : لا تفعلوا إلا بأم القرآن فإنه لا صلاة لمن لم يقرأبها، رواه ابوداؤد والترمذی ، وفی لفظ " فلا تقرؤا بشیء من القرآن إذا جهرت به إلا بأم القرآن "، رواه أبوداؤد والنسائی والدار قطنی وقال رجاله كلهم ثقات۔

سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو، کیونکہ جوسورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں

ترجمہ:......عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی تو آپ ﷺ پر قرأت بھاری ہوگئی، پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ: میں سمجھتا ہوں کہ تم امام کے پیچھے قرآن پڑھتے ہو، راوی نے کہا کہ: ہم نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ! قسم خدا کی (ہم پڑھتے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، مگر سورہ فاتحہ (پڑھ لیا کرو) کیونکہ جوسورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں۔ اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ "مت پڑھو قرآن میں سے کچھ جب کہ میں پکار کے پڑھوں، مگر سورہ فاتحہ"۔ اس کو ابوداؤد اور نسائی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے، اور دارقطنی نے کہا کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

لا يقرأ احد منكم شيئا من القران إذا جهرت بالقرأة إلا بأم القراٰن

وعن عبادة رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال : لا يقرأ احد منكم شيئا من القران إذا جهرت بالقرأة إلا بأم القراٰن ، رواه الدار قطنی وقال : رجاله كلهم ثقات هكذا فی الملتقی،

ترجمہ:......اور عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی قرآن نہ پڑھے جب کہ میں قرأت جہر سے پڑھوں سوائے سورہ فاتحہ کے یعنی سورہ فاتحہ بحالت جہر مقتدی بھی پڑھ لے۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا اور کہا کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

ف:......اگرچہ اس حدیث کو دارقطنی نے صحیح کہا ہے اور اس کے راویوں کو ثقہ بتایا ہے، مگر یہ

دارقطنی کی جرأت ہے جیسے کہ ابن جوزی کو حدیثوں کے موضوع بتانے میں جرأت ہے، اور دارقطنی نے ایک رسالہ دربارہ بسم اللہ کے لکھا ہے، جس میں انہوں نے تصریح کی ہے: مصلی جہری نماز میں بسم اللہ جہر سے پڑھے اور سری نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھے، اور اس مضمون کی حدیثیں اس رسالہ میں درج کردیں باوجودیکہ یہ تمام حدیثیں بخاری اور مسلم کی روایات کے خلاف ہیں، کیونکہ بخاری اور مسلم میں بالاتفاق یہ ثابت ہے کہ بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے خواہ وہ نماز جہری ہو یا سری جیسے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے، جب دارقطنی نے اپنا رسالہ تیار کیا تو علماء حرمین سے اس پر دستخط کرانے کی خواہش کی، انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ: کیا یہ حدیثیں صحیح ہیں؟ دارقطنی نے کہا: ہاں صحیح ہیں، تو علماء مکہ معظّمہ نے کعبہ اللہ کے نزدیک ان کو قسم دے کر پوچھا کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں؟ تو دارقطنی نے صاف انکار کردیا، اب یہی دارقطنی حدیث مذکور کو صحیح فرماتے ہیں تو ان کی تصحیح کا کیا اعتبار؟

حدیث مذکور کی دارقطنی کے سوا اوروں نے بھی تخریج کی ہے، مگر ایک روایت میں محمد بن اسحاق راوی ہے جو واقدی کے لقب سے مشہور ہیں، ان کو امام مالک علیہ الرحمہ نے کذاب اور دجال فرمایا ہے، حاشیہ شرح نخبۃ الفکر اور حاشیہ الفیہ عراقی میں ہے، اسی طرح یحی بن قطان نے، جن کو تمام ائمہ حدیث نے قابل سند تسلیم کیا ہے، اور لکھا ہے کہ جس کو یحی بن قطان چھوڑ دیں گے ہم بھی اس کو چھوڑ دیں گے۔ محمد بن اسحاق کی نسبت لکھا ہے:

”أشهد ان محمد بن اسحاق كذاب“، (میزان الاعتدال)

اور علامہ شوکانی نے ”نیل“ میں محمد بن اسحاق کو متکلم فیہ لکھا ہے، اور نسائی نے کہا کہ قوی نہیں ہے، مسلم کے حاشیہ میں علامہ عبدالعلی نے لکھا ہے کہ: بہت سے ائمۂ حدیث نے محمد بن اسحاق کو مجروح کہا ہے، مگر ہم فقط یحی بن قطان کے قول کو دلیل میں پیش کرتے ہیں،

کیونکہ ان کی جرح مفسر ہے، اور قواعدِ حدیث میں ہے کہ: جب کسی شخص کو چند آدمی عادل اور ثقہ کہیں اور چند آدمی اس کو ضعیف اور نا قابل استناد کہیں، تو اگر کوئی شخص عارف بالاسباب اور مستند بوجہ تفصیلی ضعیف کہتا ہے تو اعتبار ضعف کا ہوگا۔

قال الحافظ بن حجر فی شرح نخبة الفکر : والجرح مقدم علی التعدیل و اطلق ذلک جماعة ، ولکن محله إن صدر مبینا من عارف باسبابه ،لانه ان کان غیر مفسر لم یقدح فیمن ثبت عدالته ، وإن صدر من غیر عارف بالاسباب لم یعتبر به ایضا۔

یعنی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''شرح نخبۃ الفکر'' میں لکھا ہے کہ: جرح مقدم ہے تعدیل پر، یعنی جب کسی راوی کو چند آدمی اچھا اور مستند کہیں اور چند لوگ اس کو برا اور نا قابل اعتبار بتا دیں، تو مقدم یہی رکھا جائے گا کہ وہ نا قابل اعتبار ہے۔ اور ایک جماعت نے تو اس حکم کو عام رکھا ہے، لیکن اس بات کا موقع اس وقت ہوگا کہ وہ جرح مفسر ہو، اور ایسے شخص نے بیان کیا ہو جو جرح کے اسباب سے واقف ہو، کیونکہ اگر مفسر نہ ہوگا تو اس شخص کے لئے کچھ مضر نہ ہوگا جس کی عدالت ثابت ہوگئی ہے، اور اگر ایسے شخص سے وہ جرح صادر ہو جو اسباب جرح کو نہیں جانتا تو اس جرح کا بھی اعتبار نہ ہوگا، اور یہ مُسلّم ہے کہ یحی قطان اسباب جرح سے خوب واقف اور ماہر تھے، چنانچہ ''تہذیب التہذیب'' میں ہے:

قال ابراهیم بن محمد التیمی : مارأیت أعلم بالرجال من یحی بن القطان۔

یعنی ابراہیم تیمی نے کہا ہے کہ: میں نے کسی کو رجال کا عالم یحی قطان سے زیادہ نہیں دیکھا۔ اور یہ بھی مسلّم ہے کہ لفظ کذاب جرح مفسر ہے، پس محمد بن اسحاق لامحالہ ضعیف اور نا قابل اعتبار ہوگا۔

قطع نظر اس کے محمد بن اسحاق مدلس ہے (مدلس ہونا حدیث کی روایت میں ایک

خاص قسم کا عیب ہے) تقریب میں اس کو مدلس لکھا ہے، اور علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ:

وفی حدیث عبادة محمد بن اسحاق بن یسار وهو مدلس ، قال النووی : ولیس فیه إلا التدلیس۔

یعنی حدیث عبادہ میں محمد بن اسحاق بن یسار ہے اور وہ مدلس ہے، اور نووی نے کہا ہے کہ: محمد بن اسحٰق میں فقط تدلیس ہے، اور یہ مسلّم ہے کہ مدلس جب لفظ عن سے روایت کرے تو وہ روایت متصل نہیں سمجھی جائے گی، اور یہ روایت محمد بن اسحٰق سے ترمذی وغیرہ میں مروی ہے، اس میں محمد بن اسحٰق نے لفظ عن سے روایت کی ہے، پس یہ روایت ضرور منقطع ہوگی اور قابل حجت نہ ہوگی، چنانچہ علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

قلنا : المدلس إذا قال عن فلان لا یحتج بحدیثه عند جمیع المحدثین ' مع أنه قد کذبه مالک ، وضعفه احمد ، وقال : لا یصح الحدیث عنه ، وقال ابوزرعة الرازی : لا یقضی له بشیء۔

یعنی ''بنایہ حاشیہ ہدایہ'' میں علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ مدلس جب ''عن فلان'' کہے تو اس کی حدیث باتفاق محدثین حجت نہیں، بایں ہمہ اس (محمد بن اسحاق) کو امام مالک رحمہ اللہ نے جھوٹا کہا ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے اور کہا کہ: اس کی حدیث صحیح نہیں، اور ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ نے کہا کہ: اس کے لئے کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور اسی طرح مدلس کی روایت مردود اور غیر مقبول ہونے کی علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''شرح نخبہ'' میں تصریح کی ہے۔

وحکم من ثبت عنه التدلیس إذا کان عدلا ان لا یقبل منه إلا ما صرح فیه

بالتحديث على الاصح۔

یعنی جس شخص سے تدلیس ثابت ہوجائے اس کا حکم جب کہ وہ عادل ہو، یہ ہے کہ اس کی حدیث قبول نہ کی جائے تاوقتیکہ وہ تحدیث کی تصریح نہ کرے۔اور ملا علی قاری رحمہ اللہ اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: " وقيل لا يقبل حديثه اصلا " یعنی بعض علماء نے فرمایا کہ: حدیث مدلس کی ہرگز قبول نہیں ہے، اور حدیث مذکور ترمذی وغیرہ میں جہاں کہیں مروی ہے اس میں محمد بن اسحق نے کسی جگہ " حدثنا " یا " سمعت " کے لفظ سے روایت نہیں کی، بلکہ لفظ " عن فلان " سے روایت کی ہے، اور یہ سماع و عدم سماع دونوں کا احتمال رکھتا ہے، پس ثابت ہوا کہ حسبِ تصریح کتبِ اصول حدیث محمد بن اسحق کی قابل حجت پکڑنے کے نہیں ہے، اور یہی حدیث ان لوگوں کی عمدہ حجت تھی جو سورۂ فاتحہ کو امام کے پیچھے واجب کہتے ہیں، لیکن اس کا حال معلوم ہوگیا کہ یہ کسی طرح قابل احتجاج نہیں۔

اوراسی حدیث عبادہ کو ابوداؤد نے دو طریقوں سے اور روایت کیا ہے: ایک میں نافع بن محمود ہے اور وہ مجہول ہے، چنانچہ " تقریب التقریب " میں ہے: " مستور من الثالثة " یعنی نافع پوشیدہ حال ہے طبقۂ ثالثہ سے۔

اور " الجوہر النقی " میں ہے: " قال ابن عبدالبر : مجهول ، وقال الطحاوی : لا يعرف " یعنی ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا کہ: وہ مجہول ہے۔اور طحاوی نے کہا کہ نہیں پہچانا جاتا ہے وہ۔اور دوسرے طریقے میں مکحول نے عبادہ سے روایت کی ہے، مگر مکحول کی عبادہ سے ملاقات نہیں ہوئی ہے، چنانچہ ترمذی نے تصریح کی ہے:

ومكحول قد سمع من واثلة بن الاسقع وانس بن مالک وابی هند الدارمی ، ويقال انه لم يسمع من أحد من اصحاب النبی إلا من هؤلاء الثلثة۔

یعنی کہا جاتا ہے کہ مکحول نے بجز ان تینوں کے اور کسی صحابی سے نہیں سنا ہے۔ دیکھو ان تینوں میں عبادہ کا ذکر نہیں ہے۔ اور علامہ حافظ بن حجر رحمہ اللہ نے ''تہذیب'' میں فرمایا ہے:

قال ابوبکر البزار : روی مکحول عن جماعة من الصحابة رضی اللہ عنہم عن عبادة وابی الدرداء وحذیفة وابی ھریرة وجابر رضی اللہ عنہم ولم یسمع منھم۔

یعنی ابوبکر بزار نے کہا کہ: مکحول نے ایک گروہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مثل عبادہ اور ابودرداء اور حذیفہ اور ابوہریرہ اور جابر رضی اللہ عنہم کے روایت کی ہے اور سنا کسی سے نہیں۔ پس جب مکحول کی عبادہ سے ملاقات نہیں ہوئی ہے تو حدیث متصل نہ ٹھہری، منقطع ہوگئی، غرض یہ حدیث بوجوہ مذکورہ کسی طرح لائق اعتماد اور قابل استناد نہیں۔

وعن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : '' لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب '' ، رواہ الجماعة و فی لفظ : '' لاتجزئ صلاة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب '' ، رواہ الدار قطنی وقال اسنادہ صحیح۔

جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں

ترجمہ:......عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں۔ اس حدیث کو ایک جماعت محدثین نے روایت کیا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے فاتحہ الکتاب نہیں پڑھی اس کی نماز کفایت نہیں کرتی۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور کہا کہ: اس کی اسناد صحیح ہے۔

ف:...... یہ حدیث اور اس مضمون کی اور حدیثیں جو روایت کی گئی ہیں وہ سب امام اور منفرد کے لئے ہیں، مقتدی کا یہ حکم نہیں ہے، اور اس کی تصریح ائمہ محدثین مثل امام احمد اور سفیان

ثوری اورزرقانی رحمہم اللہ وغیرہم سے ہم نقل کریں گے۔

وعن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها قالت : سمعت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يقول : ” من صلى صلوة لم يقرأ فيها بأم القراٰن فهى خداج “، رواه احمد وابن ماجة۔

جس نے سورہ فاتحہ کے بغیر نماز پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے

ترجمہ:......اورحضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ: میں نے رسول خدا ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ جس نے بدون سورہ فاتحہ کے نماز پڑھی تو نماز اس کی ناقص ہے۔روایت کیا اس کو احمد اور ابن ماجہ نے۔

ف:......علامہ شوکانی نے ” نیل الاوطار“ میں تحریر کیا ہے کہ: یہ حدیث محمد اسحاق کے طریق سے ہے،اور محمد اسحٰق میں کلام ہے،اور حاشیہ الفیہ عراقی وغیرہ کتب اصول میں ہے کہ محمد بن اسحٰق کو امام مالک اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ نے کذاب ودجال کہا ہے، اور” تقریب التہذیب“ میں اس کو مدلس اور قدریہ کہا ہے، چنانچہ تصریح اس کی کما حقہ اوپر گذر چکی ہے، لہذا یہ حدیث ضعیف ہے قابل حجت نہیں۔

وعن أبي هريرة رضي الله عنه ان النبى ﷺ امره ان يخرج فينادى : لا صلوة إلا بفاتحة الكتاب فمازاد ، رواه احمد وابوداؤد۔

ترجمہ:......اورابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ان کوحکم فرمایا کہ: باہر نکل کر پکاردو کہ: بدون سورۂ فاتحہ اور کچھ زیادہ کے نماز نہیں ہوتی۔روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے۔

ف:......علامہ شوکانی نے ” نیل الاوطار“ میں تصریح کی ہے کہ: ابوداؤد نے اس حدیث کی

تخریج جعفر بن میمون کے طریق سے کی ہے، اور امام نسائی رحمہ اللہ سے منقول ہو چکا ہے کہ یہ جعفر ثقہ نہیں ہے یعنی ضعیف ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ: جعفر قوی نہیں ہے، اور ابن عدی نے کہا ہے کہ: جعفر کی حدیث ضعفاء میں لکھی جاتی ہے۔ پس ان بیانات سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث بھی ضعیف ہے اور حدیث ضعیف قابل حجت کے نہیں ہے۔

اور ''ترمذی'' میں ہے:

وروی أبوهريرة ﷺ عن النبی ﷺ قال : من صلی صلاة لم يقرأ فيها بأم القرآن فهی خداج غير تمام ، فقال له حامل الحديث : انی اكون احيانا وراء الإمام ، قال: اقرأ بها فی نفسک۔

ترجمہ:......یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: جس نے نماز بدون سورۂ فاتحہ کے پڑھی تو نماز اس کی ناقص ہے، کامل نہیں، تو ان سے ان کے شاگرد نے پوچھا کہ میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں، تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اپنے جی میں پڑھ لیا کر۔

یہ حدیث امام اور منفرد کے لئے ہے

اس حدیث کو امام مالک نے ''مؤطا'' میں روایت کیا ہے، جہری نماز کے اندر سورۂ فاتحہ پڑھنے کے باب میں یہ حدیث باعتبار سند کے صحیح ہے، مگر یہ حدیث مؤول ہے، اور تاویل اس کی امام مالک رحمہ اللہ سے اوپر منقول ہو چکی ہے، اور جس قدر حدیثیں اس باب میں وارد ہیں وہ سب ضعیف ہیں، اور دو ایک روایتیں جو صحیح ہیں تو ائمہ حدیث وفقہ نے ان کی تاویلیں کی ہیں کہ بدون سورہ فاتحہ کہ نماز نہ ہونے کا حکم مقتدی کے لئے نہیں ہے، بلکہ امام اور منفرد کے لئے ہے:

چنانچہ اسی حدیث کے راوی سفیان ثوری ابوداؤد میں بعد تمام ہونے حدیث کے

فرماتے ہیں:" لمن يصلى وحده" اوراسی طرح امام حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ جامع ترمذی میں ہے:

واما احمد بن حنبل فقال : معنى قول النبى ﷺ : " لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب إذا كان وحده " واحتج بحديث جابر بن عبدالله حيث قال : " من صلى ركعة لم يقرأ فيها بفاتحة الكتاب فلم يصل إلا أن يكون وراء الإمام "، قال احمد : فهذا رجل من اصحاب النبى ﷺ ، تأول قول النبى ﷺ لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب : أن هذا إذا كان وحده۔

یعنی احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا کہ: حضرت ﷺ کے قول" لا صلوة " الخ ' کے معنی یہ ہیں کہ جب نمازی منفرد ہو یعنی مقتدی نہ ہو، اوراس بات پر امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کیا ہے کہ جس نے نماز پڑھی اور سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوئی، مگر جب کہ امام کے پیچھے ہو۔ امام احمد نے کہا کہ: یہ جابر صحابی رضی اللہ عنہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے قول کی تاویل کرتے ہیں، الخ۔

اوراسی طرح علامہ زرقانی نے" شرح مؤطا" میں تحریر فرمایا ہے:

لكنه محمول عند مالک ومن وافقه على الامام والمنفرد لقوله ﷺ : " وإذا قرأ فانصتوا " ، رواه مسلم۔

یعنی یہ حدیث" لا صلوة " الخ ' امام مالک رحمہ اللہ اوران کے موافقین کے نزدیک امام اور منفرد پر محمول ہے بوجہ فرمانے نبی ﷺ کے کہ: جب امام پڑھے تو تم چپ رہو۔ روایت کیا اس حدیث کو مسلم نے۔ یہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ عمدۃ المحدثین اوراستاذ الکل ہیں اور باوجودیکہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں پھر بھی بنظر

انصاف فرماتے ہیں کہ:ان احادیث میں مقتدی کا حکم نہیں ہے، بلکہ امام اور منفرد کا ہے۔

اسی طرح علامہ طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقال الطحاوی : لیس فی حدیث ابی ھریرۃ ﷛ وعائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا الذی روی عن النبی ﷺ " کل صلاۃ لم یقرأ فیھا بأم القرآن فھی خداج "، دلیل علی أنہ أراد بذلک " الصلوۃ التی وراء الامام " وقد یجوز ان یکون عنی بذلک " الصلوۃ التی لا امام فیھا للمصلی " واخرج من ذلک الماموم بقولہ ﷺ :" من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ " فجعل الماموم فی حکم من قرأ بقرأۃ امامہ ، فکان الماموم بذلک خارجا من قولہ ﷺ : " کل من صلی صلاۃ فلم یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب فھی خداج " وقد رأینا اباالدرداء ﷛ قد سمع من النبی ﷺ فی ذلک مثل ھذا ، فلم یکن ذلک عندہ علی الماموم ، بل علی من یصلی وحدہ وعلی الامام ، واما حدیث عبادۃ ﷛ فقد بین ...... واخبر عن رسول اللہ ﷺ انہ امر المامومین بالقرأۃ خلفہ بفاتحۃ الکتاب ، فاردنا ان مالکا حدثہ عن ابن شھاب عن ابن اکیمۃ اللیثی عن ابی ھریرۃ ﷛ ان رسول اللہ ﷺ انصرف من صلاۃ جھر فیھا بالقرأۃ ، فقال " ھل قرأ منکم معی أحد منکم " ؟ فقال رجل : نعم ! یا رسول اللہ ﷺ ، قال : انّی أقول مالی أنازع القرآن ؟ قال : فانتھی الناس عن القرأۃ مع رسول اللہ ﷺ فیما یجھر فیہ رسول اللہ ﷺ من الصلوۃ بالقرأۃ حین سمعوا ذلک منہ ، وعن جابر بن عبداللہ ﷛ أن النبی ﷺ قال : من کان لہ امام فقرأۃ الامام قرأۃ لہ ، وعنہ : من صلی رکعۃ فلم یقرأ فیھا بأم القرآن فلم یصل إلا وراء الإمام ، فلما اختلف ھذہ الآثار المرویۃ فی ذلک التمسنا حکمہ من طریق النظر ، فرأیناھم جمیعا لا یختلفون فی الرجل یأتی الإمام وھو راکع أنہ یکبر ویرکع معہ ویعتد بتلک الرکعۃ ولم یقرأ فیھا

شيئا ، فلما أجزأه ذلك فى حال خوفه فوت الركعة احتمل أن يكون انما أجزأه ذلك لمكان الضرورة ، واحتمل أن يكون ذلك لأن القرأة خلف الإمام ليست فرضا عليه ، ورأيناهم انهم لا يختلفون ان من جاء إلى امام وهو راكع فركع قبل دخوله فى الصلوة بتكبير ان ذلك لا يجزيه ، وان كان انما تركه لحال الضرورة وخوف فوت الركعة فهذه صفة الفرائض ، فلما كانت القرأة مخالفة لذلك وساقطة فى حال الضرورة كانت من غير جنس ذلك فاقتضى النظران تكون ساقطة فى غير حالة الضرورة أيضا فلا تكون فريضة ، انتهى۔

وقال محمد فى مؤطاه : اخبرنا مالك ثنا نافع عن ابن عمر انه كان إذا سئل هل يقرأ أحد مع الامام قال : إذا صلى أحدكم مع الامام فحسبه قرأة الامام ، وكان ابن عمر لا يقرأ مع الامام۔

وقال : اخبرنا مالك ثنا وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبدالله رضي الله عنه يقول : من صلى ركعة لم يقرأ فيها بأم القرآن فلم يصل إلا وراء الامام۔

قال محمد : اخبرنا اسماعيل حدثنى موسى بن ابى عائشة ان عبدالله بن شداد بن الهاد قال : أم رسول الله ﷺ للناس فى العصر ، قال : فقرأ رجل خلفه فغمزه الذى يليه ، فلما صلى ، قال : لِمَ غمزتنى ؟ قال : كان رسول الله ﷺ قدامك فكرهتُ أن تقرأ خلفه ، فسمعه النبى ﷺ فقال : من كان له امام فان قرأته له قرأة۔

وقال المحقق ابن الهمام بعد سوق الاحاديث الكثيرة فى هذا الباب ويقدم دليلنا لتقدم المنع على الاطلاق عند التعارض، ولقوة السند ، فان حديث المنع" من كان له امام " أصح وأطال فى الكلام وأحسن فمن اراد الاحاطة فليراجع إليه ، هكذا فى شرح ابى الطيب للترمذى۔

ترجمہ:...... یعنی علامہ طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں جو نبی ﷺ سے مروی ہے کہ: جس نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نماز ناقص ہے۔اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مراد اس نماز سے وہ نماز ہو جو امام کے پیچھے پڑھی جائے، بلکہ جائز ہے کہ اس نماز سے وہ نماز مراد ہو جو امام کے پیچھے نہ ہو، یعنی یہ حکم منفرد اور امام کا ہو، اور مقتدی کو آنحضرت ﷺ نے بذریعہ اس فرمان کے کہ ''جس کے لئے امام ہو تو قرأت امام کی قرأت مقتدی کی ہے'' اس حکم سے خارج کردیا، اور امام کی قرأت کو حکماً اس کے لئے قرأت قرار دے دی، اور '' من صلی صلوۃ فلم یقرأ فیھا '' الخ ، کے عموم سے اس کو خارج کردیا، اور ہم دیکھتے ہیں کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے بھی آنحضرت ﷺ سے اس حدیث کو سنا ہے جس طرح ابوداؤد اور عائشہ نے سنا ہے۔'' کل من صلی صلاۃ فلم یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب '' الخ ، باوجود اس کے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے نزدیک مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے، بلکہ یہ حکم منفرد یا امام کا ہے، لیکن حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ کی صاف بیان کرتی ہے اور خبر دیتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے مقتدیوں کے لئے بھی حکم قرأت فاتحہ خلف الامام کا فرمایا ہے، اب ہم چاہتے ہیں کہ نظر کریں کہ اس حدیث عبادہ کے مخالف کوئی اور حدیث ہے یا نہیں؟ تو اس کے مخالف وہ حدیث ہم نے پائی جو یونس نے ہم سے بیان کی، ابن وہب سے امام مالک نے روایت کی ہے ابن شہاب زہری سے اور انہوں نے ابن اکیمہ الیثی سے اور انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ: رسول خدا ﷺ فارغ ہوئے اس نماز سے کہ جس میں جہر سے قرأت پڑھی تھی پھر فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے میرے پیچھے پڑھا ہے؟ تو ایک شخص نے کہا: ہاں! یارسول اللہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میں خیال کرتا تھا کہ میں کشاکش کیوں کیا جاتا ہوں؟ یعنی نماز میں۔ کہا راوی نے: پھر

باز رہے لوگ قرأت سے پیچھے رسول خدا ﷺ کے اس نماز میں جس میں حضرت ﷺ قرأت جہر سے پڑھتے تھے جب سے یہ فرماتے ہوئے سنا۔ (یعنی عتاب اور ناراضگی آپ کی)

اور روایت ہے جابر رضی اللہ عنہ سے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: جس کے واسطے امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ اور اسی طرح جابر رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث ہے کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں، مگر جب امام کے پیچھے ہو۔ (تو پھر کچھ ضرورت مقتدی کو پڑھنے کی نہیں ہے)

پس جب اس بارہ میں یہ مختلف روایات پائی جاتی ہیں تو ہم نے اس کا فیصلہ بطریق نظر کرنا چاہا تو ہم نے سب کو اس بارہ میں متفق دیکھا کہ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ نماز میں شامل ہوا ایسی حالت میں کہ امام رکوع میں ہو تو وہ شخص تکبیر کہے اور رکوع کرے اور وہ رکعت اس مقتدی کی شمار کی جائے گی باوجودیکہ اس مقتدی نے سورہ فاتحہ خلف الامام اس رکعت میں نہیں پڑھی ہے، پھر جب کہ یہ رکعت اس کی بغیر سورہ فاتحہ کے ہوگئی تو اس میں دو احتمال ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ یہ کفایت بہ سبب ضرورت کے ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ رکعت اس لئے ہوگئی کہ قرأت خلف الامام فرض نہیں ہے، پھر ہم نے دیکھا کہ علماء اس بارہ میں مختلف نہیں ہیں کہ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ رکوع کی حالت میں شامل ہوا اور بغیر تکبیر تحریمہ کہے رکوع میں چلا جائے تو اس کی یہ رکعت نہ ہوگی، اس پر سب متفق ہیں حالانکہ یہاں بھی تکبیر اس نے بوجہ ضرورت کے چھوڑی ہے، مگر فرائض کی یہی حالت ہے کہ ان کا چھوڑنا ایسی ضرورت میں بھی جائز نہیں ہوتا، پس جب کہ حکم قرأت کا اس کے مخالف ہے اور قرأت ساقط ہو جاتی ہے حالت ضرورت میں تو بے شک قرأت اس کی جنس سے نہیں ہے، یعنی فرض نہیں ہے۔ تو یہ بات بالبداہت ثابت ہوگئی کہ قرأت سورہ فاتحہ کی فرض نہیں

ہے، اور جب فرض نہیں ہے تو اس قرأت کے بغیر ضرورت ترک ہونے میں بھی کچھ ضرر نہیں ہے۔

اور امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی ''مؤطا'' میں فرمایا ہے کہ: خبر دی ہم کو امام مالک نے انہوں نے کہا: حدیث بیان کی ہم سے نافع نے اور وہ روایت کرتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ: جب میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کرتا کہ کیا کوئی امام کے پیچھے قرأت کرے؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما جواب دیتے کہ جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس مقتدی کو امام کی قرأت کافی ہے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما خود بھی امام کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے۔

اور امام محمد رحمہ اللہ نے کہا: خبر دی ہم کو امام مالک رحمہ اللہ نے انہوں نے کہا: حدیث بیان کی ہم سے وہب بن کیسان نے، انہوں نے سنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہ جس نے ایک رکعت بدون سورہ فاتحہ کے پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوئی، مگر امام کے پیچھے یعنی امام کے پیچھے مقتدی نہ پڑھے۔

اور کہا امام محمد رحمہ اللہ نے: خبر دی ہم کو اسماعیل نے، انہوں نے کہا کہ: حدیث بیان کی مجھ سے موسیٰ بن ابی عائشہ نے، اور انہوں نے عبداللہ بن شداد سے، کہا انہوں نے: امامت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی نماز عصر میں، کہا راوی نے: پس قرأت کی ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تو اس کے پاس والے شخص نے اس کو انگلی سے اشارہ کیا، پس جبکہ نماز ہوگئی تو پڑھنے والے نے کہا کہ: تو نے میرے انگلی کیوں ماری؟ اس نے جواب دیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیری امامت کرتے تھے تو میں نے مکروہ جانا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تو پڑھے، پس سن لیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گفتگو کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔

اور محقق علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے بعد ذکر احادیث منع کے کہا ہے کہ: مقدم ہے ہماری دلیل مثبت قرأت خلف الامام پر بوجہ مقدم ہونے منع کے اثبات پر وقت تعارض کے اور بوجہ قوت سند کے کیونکہ حدیث منع کی" من کان له امام " اصح ہے،اور بہت طویل کلام کیا ہے اور اچھا کیا ہے، پس جس کا ارادہ احاطہ کرنے کا ہو تو وہ "فتح القدیر" کی طرف رجوع کرے۔

علاوہ اس کے احادیث صحیحہ " لاصلوة إلا بفاتحة الكتاب " کی دوسری تقریریوں ہے کہ معمر نے اپنے شیخ ابن شہاب زہری سے روایت کرنے میں " فصاعداً " زیادہ کیا ہے، حالانکہ دوسرے راوی یونس اور سفیان وغیرہ نے حدیث مذکور میں یہ لفظ زیادہ نہیں کیا ہے، اور بعض روایتوں میں لفظ " فمازاد " کا ہے، بنا بریں معنی یہ ہوئے کہ جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ اور زیادہ سورہ فاتحہ سے نہ پڑھا تو اس کی نماز نہیں ہوئی،اور اس بات پر اتفاق ہے کہ مقتدی پر سوائے فاتحۃ الکتاب کے کسی نے اور کچھ واجب نہیں کہا ہے، اگرچہ سورہ فاتحہ میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ تصریح اس کی نیل میں موجود ہے۔

قال الحافظ في الفتح : وادعى ابن حبان والقرطبي وغيرهما الاجماع على عدم وجوب قدر زائد على الفاتحة۔

یعنی علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباری" میں کہا ہے کہ: دعویٰ کیا ہے ابن حبان اور قرطبی وغیرہما نے اجماع کا اس بات پر کہ فاتحہ سے زائد کچھ واجب نہیں ہے۔ پس اس صورت میں حدیث مذکور سے اور اسی مضمون کی دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حکم ان احادیث کا منفرد اور امام پر منحصر ہے غیروں کو شامل نہیں ہے، جس طرح سے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے "ترمذی" میں اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے "مسلم" میں اور عبداللہ بن عمر

رضی اللہ عنہ سے ''موطا'' میں اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ''طحاوی'' میں اور امام احمد بن حنبل سے ''جامع الترمذی'' میں اور سفیان ثوری سے ''ابوداؤد'' میں اور علامہ زرقانی سے ''شرح موطا'' میں اور مولانا عبدالحی مرحوم سے ''سعایہ'' اور ''تعلیق الممجد'' میں اور علامہ ابن ہمام سے ''فتح القدیر'' میں اور علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری سے ''عینی'' میں منقول ہے، اور اوپر ذکر اس کا ہو بھی چکا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ ابن شہاب سے یونس اور سفیان ثوری وغیرہما نے یہ حدیث روایت کی ہے جیسے کہ معمر نے روایت کی ہے، لیکن سوائے معمر کے کسی نے '' فصاعدا ''اور' فمازاد ' کو روایت نہیں کیا، پس معمر تنہا مخالف اتنے ثقہ راویوں کے ہوئے تو معمر کی روایت ساقط ہونی چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: معمر ثقہ ہے اور زیادتی ثقہ کی مقبول ہے گو کہ دوسروں نے اس زیادتی کو روایت نہیں کیا، پس اس بنا پر تاویلات علماء محدثین ومجتہدین کی جو اوپر مذکور ہیں تمام کی تمام درست اور صحیح اور قابل عمل ہیں، فتأمل۔

احناف کے دلائل

اب ہم وہ دلائل پیش کرتے ہیں جن سے ہمارے علماء حنفیہ کا مدعا ثابت اور مخالفوں کا دعویٰ باطل ہوتا ہے۔

﴿ اذا قرئ القراٰن فاستمعوا له وانصتوا ﴾

دلیل اول:...... قال اللّٰه تعالیٰ : ﴿ اذا قرئ القراٰن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون ﴾ یعنی ''جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپکے رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ''۔

علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ ''فتح القدیر'' میں اس آیتِ کریمہ سے دلیل لاتے ہیں اور

لکھتے ہیں:

فان المطلوب امران : الاستماع والانصات ، فيعمل بكل منهما، والأول يختص بالجهرية ، والثانی لا ، فيجری علی اطلاقه فيجب السكوت عند القراءة مطلقا۔

یعنی اس آیت میں دو چیزیں مطلوب ہیں: سننا اور چپ رہنا۔ پس دونوں پر عمل کیا جاوے گا، اور سننا خاص ہے جہری نماز کے ساتھ اور چپ رہنا نہیں، پس مطلق باقی رہے گا، پس واجب ہوگا چپ رہنا عموماً قرأت کے وقت یعنی جہری نماز میں سننا اور چپ رہنا دونوں پر عمل ہوسکتا ہے، اور سری نماز میں چپ رہنا، چونکہ سننا غیر ممکن ہے، تو اللہ تعالیٰ کے اس دوسرے حکم پر یعنی چپ رہنے پر عمل ہوگا، بہرنوع مقتدی کو ہر نماز میں چپ رہنا چاہئے، کیونکہ اللہ پاک فرما چکا ہے کہ ''جب قرآن پڑھا جائے تو تم لوگ چپکے رہو'' اور چونکہ امام سری اور جہری دونوں میں قرأت قرآن کرتا ہے، لامحالہ مقتدیوں کو دونوں حالتوں میں چپ رہنا پڑے گا۔

کیا یہ آیت خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟

اس جگہ غیر مقلدوں کا اعتراض ہے کہ یہ آیت دربارۂ خطبہ کے نازل ہوئی ہے جیسا کہ ''معالم التنزیل'' میں بعض لوگوں کا قول نقل کیا ہے، اور ''قسطلانی'' میں بھی مذکور ہے، اور امام فخر الدین رازی نے ''تفسیر کبیر'' میں لکھا ہے کہ: یہ قول سعید بن جبیر اور مجاہد اور عطا کا ہے۔

جواب:......اس کا یہ ہے کہ اول تو یہ قول چنداں معتبر نہیں، کیونکہ قول مستند اور قابل اعتبار یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ دربارۂ قرأت نماز کے نازل ہوئی ہے، عماد بن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

قال علی بن طلحة عن ابن عباس قوله : ﴿ واذا قرئ القراٰن ﴾ یعنی فی الصلوة المفروضة۔

یعنی کہا علی بن طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ قول اللہ پاک کا: ﴿ واذا قـــرئ القراٰن ﴾ فرض نمازوں کے بارے میں ہے۔

اور حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے تفسیر ''درمنثور'' میں لکھا ہے:

اخرج عبد بن حمید والبیهقی فی القرأة عن ابی العالیة ان النبی ﷺ کان إذا صلی بأصحابه....... فنزلت هذه الآیة فسکت القوم وقرأ النبی ﷺ۔

یعنی روایت کی عبداللہ بن حمید اور بیہقی نے باب قرأت میں ابوالعالیہ سے کہ: رسول خدا ﷺ جب نماز پڑھتے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اور قرأت فرماتے تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم بھی قرأت کرتے تھے، پس یہ آیت اتری تو چپ ہوئے لوگ، اور قرأت کی رسول خدا ﷺ نے

اور امام بغوی رحمہ اللہ نے ''تفسیر معالم التنزیل'' میں قول فیصل تحریر کردیا ہے یعنی اس آیت کی شروع تفسیر میں لکھا ہے: '' ذهب جماعة إلی انها فی القراء ة فی الصلوة ''، یعنی پس ایک گروہ اس بات کی طرف گیا ہے کہ یہ آیت نماز کی قرأت کے بارے میں ہے۔ اس کے بعد امام بغوی نے ان لوگوں کا نام لیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ یہ آیت خطبہ میں اتری ہے، یا دربارۂ کلام فی الصلوۃ وارد ہوئی ہے، اور پھر اخیر میں فیصلہ منصفانہ کردیا۔ والأول اولی وهو انها فی القراء ة فی الصلوة (معالم التنزیل میں ہے کہ) پہلی بات اولیٰ ہے اور وہ یہ کہ آیت دربارۂ قرأت کے ہے۔

اور کہا قاضی ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے:

اجمعوا علی انه لم یرد به کل موضع یستمع فیه القرآن ، وانما اراد الصلوة

ویشهد له قوله ﷺ فی الامام ، وإذا قرأ فانصتوا، صححه ابن حنبل ، فاین المذهب عن السنة وظاهر القرآن۔

(زرقانی شرح مؤطا میں ہے) یعنی لوگوں نے اجماع کیا ہے کہ اس سے ہر وہ جگہ مراد نہیں جہاں سنا جاوے، بلکہ صرف نماز مراد ہے، اور گواہی دیتی ہے اس پر حدیث رسول خدا ﷺ کی امام کی شان میں کہ وہ جب پڑھے تو چپ رہو۔ صحیح کہا اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے۔

پس ان روایات سے ثابت ہوا کہ یہ آیت بقول صحیح خطبہ میں نہیں وارد ہے، بلکہ لوگ نماز میں امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے، اس بارے میں یہ آیت اتری ہے۔

ثانیا:...... اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ آیت خطبہ کے بارے میں اتری ہے تاہم معترض کو کچھ مفید نہیں، اس لئے کہ سبب اگرچہ خاص ہو مگر حکم تو عام ہوتا ہے یعنی جب قرآن پڑھا جاوے تو سننا اور چپ رہنا چاہئے، پس مقتدی کے لئے بھی یہ حکم واجب التعمیل ہوگا اور پوری تفصیل آگے آتی ہے۔

کیا آیت سے مراد بات کرنے یا زور سے قرأت کی نفی ہے؟

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ لوگ امام کے پیچھے زور سے قرأت کرتے تھے، بلکہ نماز میں باتیں کرتے تھے تب یہ آیت اتری، اور اس سے صرف یہ مقصود ہے کہ نماز میں باتیں نہ کی جاوے یا انتہا یہ کہ زور سے مقتدی لوگ قرأت قرآن نہ کریں، پس اس سے حنفیوں کا یہ دعویٰ کہ مطلق قرآن نہ پڑھا جاوے ثابت نہیں ہوتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: یہ آیت کریمہ کس کے بارے میں اتری ہو، مگر یہ دیکھو کہ خدا پاک نے کیا حکم دیا ہے؟ یہ تو حکم نہیں دیا کہ نماز میں باتیں نہ کرو، یہ تو نہیں فرمایا کہ زور سے

قرأت نہ کرو، بلکہ یہ فرمایا کہ: سنو اور چپ رہو، پس جو حکم ہو اس کی تعمیل ہوگی، نہ یہ کہ شان نزول کی وجہ سے آیت خاص کر لی جاوے گی۔ یہ ایک قاعدہ مسلّم ہے کہ جب کوئی آیت کسی خاص موقع پر نازل ہوتی ہے تو جو حکم آیت میں ہوتا ہے وہ اس خاص موقع پر محدود نہیں رہتا، بلکہ تعمیم حکم قائم رہتی ہے، اور وہ حکم دوسری جگہ اور حالتوں سے بھی متعلق ہوتا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اختلف أهل الأصول هل العبرة بعموم اللفظ أو بخصوص السبب ؟ والأصح عندنا الأول۔

یعنی اختلاف کیا ہے اصول والوں نے اعتبار لفظ کے عام ہونے کا یا سبب کے خاص ہونے کا، اور صحیح ہم لوگوں کے نزدیک پہلا قول ہے۔

(اسی طرح تفسیر اتقان میں ہے)

قلت :ومن الأدلة على اعتبار عموم اللفظ احتجاج الصحابة وغيرهم رضي الله عنهم في وقائع بعموم آيات نزلت على اسباب خاصة شائعا ذائعا بينهم۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ: لفظ کے عام ہونے کے اعتبار کی دلیلوں سے یہ ہے کہ صحابہ وغیرہم رضی اللہ عنہم واقعات میں ان آیتوں کے عموم سے استدلال کرتے تھے جو کسی خاص سبب سے نازل ہوئی تھیں، اور یہ بات ان میں شائع ذائع تھی۔

اس کے بعد حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال نقل کئے ہیں۔ غرض یہ مسلّم ہے کہ جو حکم بطور عموم کے بیان کیا گیا ہے وہ اس وجہ سے کہ اس کا شانِ نزول خاص ہے خاص نہیں ہوسکتا، چنانچہ امام فخر الدین رازی شافعی نے ان اعتراضات کو مجبوراً ضعیف تسلیم کر کے آیت کا یہ جواب دیا ہے، یعنی حنفیوں کی دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے:

السوال الثالث : وهو المعتمد ان نقول الفقهاء اجمعوا على انه يجوز تخصيص عموم القراٰن بخبر الواحد ، فهب ان عموم قوله تعالیٰ :﴿ واذا قرئ القراٰن فاستمعوا له وانصتوا ﴾ يوجب سكوت المأموم عند قرأة الامام إلا ان قوله عليه الصلوة والسلام " لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب " وقوله " لا صلوة إلا بفاتحة الكتاب " اخص من ذلک العموم ، وثبت ان تخصيص عموم القرآن بخبر الواحد لازم ، فوجب المصير إلى تخصيص عموم هذه الآية بهذا الخبر وهذا السوال حسن۔

تفسیر کبیر مطبوعہ مصر میں ہے: یعنی تیسرا اعتراض اور وہ معتمد ہے، یہ ہے کہ فقہاء نے اجماع کیا ہے کہ عموم قرآن کی تخصیص خبر واحد سے جائز ہے، پس تسلیم کرتے ہیں کہ " اذا قرئ القراٰن " کا عموم واجب کرتا اس بات کو کہ جب امام قرأت کرے تو مقتدی چپ رہیں، مگر آنحضرت ﷺ کا یہ قول " لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب "اور یہ قول " لا صلوة إلا بفاتحة الكتاب " خاص ہے اس عموم سے، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عموم قرآن کی تخصیص خبر واحد سے ضرور ہے تو ضرور آیت کو اس حدیث سے خاص کر لینا چاہئے، اور یہ اعتراض پسندیدہ ہے۔

دیکھو! امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے باوجودیکہ شافعی ہیں یہ تسلیم کیا کہ آیت قرآنی سے مقتدی کو امام کی قرأت کے وقت چپ رہنا ضروری ثابت ہوتا ہے، مگر امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید کی وجہ سے جواب یہ دیا کہ آیت سے قرأت فاتحہ خارج ہے، یعنی قرأت فاتحہ کی کرنا چاہئے، باقی چپ رہنا چاہئے، سو اس قول امام رازی رحمہ اللہ کا جواب آگے آتا ہے۔

....

کیا آیت سے مراد فاتحہ کے علاوہ کا پڑھنا ہے؟

تیسرا شبہ یہ ہے کہ: یہ آیت اس حدیث نبوی سے مخصوص ہے یعنی مقتدی کو فاتحہ چھوڑ کر اور کچھ نہیں پڑھنا چاہئے، جیسا کہ ابھی امام رازی رحمہ اللہ نے جواب دیا ہے، اور قاضی بیضاوی شافعی رحمہ اللہ نے بھی یہی جواب دیا ہے۔

پہلا جواب:......اولاتو قرآن کی تخصیص ایسی حدیث سے نہیں ہوسکتی، یہ مسئلہ اصول میں کافی طور سے ثابت ہوا ہے، اور یہ بات ظاہر بھی ہے، کیونکہ قرآن قطعی الثبوت ہے، اور حدیث احاد غیر مشہور کا ثبوت ظنی ہے، پس ظنی کو یقینی کا مخصص نہیں کر سکتے۔

دوسرے یہ کہ:......حدیث خود مخصوص ہے یعنی مقتدی کے حق میں نہیں ہے، اور اس کا بیان بالتفصیل اس حدیث کی بحث میں آتا ہے، بہرنوع جب یہ حدیث دوسری حدیثوں سے مخصوص یا کم سے کم متعارض ہے، تو قرآن پاک کے حکم کو کیا خاص کرے گی، بلکہ خود وہ حدیث امام یا منفرد کے حق میں خاص ہوگی۔

کیا آیت سے صرف جہری نماز میں قرأت کا ممنوع ہونا ثابت ہوتا ہے؟

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ......اس آیت سے صرف نماز جہری میں قرأت کی ممانعت نکلتی ہے، کیونکہ آیت میں سننے کا حکم ہے، اور سننا سری نماز میں ممکن نہیں، پس یہ آیت صرف اسی نماز سے متعلق ہوگی جس میں امام زور سے قرأت کرتا ہے، یعنی جہری تو حنفیوں کا مدعا پورے طور سے ثابت نہ ہوا۔

جواب:......آیت مذکورہ میں دو حکم مذکور ہیں: ایک سننا دوسرا چپ رہنا۔ ایک حکم یعنی سننا نماز جہری کے ساتھ خاص ہے، اور دوسرا یعنی چپ رہنا دونوں قسم کی نمازوں سے متعلق ہے، چنانچہ یہ مطلب صاحب فتح القدیر کی عبارت سے سابقاً منقول ہوا، یہ کلام الٰہی ہے

اس کا نطقہ تک بیکار نہیں، اور ہر لفظ سے نیا فائدہ اور جدا حکم مستنبط ہوتا ہے۔

کیا یہ آیت ﴿ فاقرؤا ما تیسر من القراٰن ﴾ سے معارض ہے؟

پانچواں اعتراض:...... یہ آیت ایک دوسری آیت سے معارض ہے، اور وہ آیت یہ ہے: ﴿ فاقرؤا ما تیسر من القراٰن ﴾ یعنی ''تم پڑھو قرآن میں سے جو آسان ہو''۔ پس اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ مقتدی کو بھی کچھ نہ کچھ قرآن پڑھنا چاہئے، اور آیت کریمہ ﴿ واذا قرئ القراٰن ﴾ سے ثابت ہوا کہ مقتدی کو کچھ نہیں پڑھنا چاہئے اور بالکل چپ رہنا چاہئے، پس دونوں آیتیں آپس میں مخالف اور معارض ٹھہری، لہذا دونوں کا حکم ساقط ہو جائے گا، اس آیت کریمہ سے مقتدیوں کا چپ رہنا نہ ثابت ہوگا۔

جواب:...... ان دونوں آیتوں میں کچھ تعارض نہیں ہے، مطلب کی غلط فہمی سے تعارض ثابت ہوتا ہے، کیونکہ '' فاقرؤا '' سے اس قدر معلوم ہوا کہ مقتدی سے بھی قرأت مطلوب ہے، سو ہم کہتے ہیں کہ مقتدی قرأت تو کرتا ہے، مگر اس کی قرأت کیا ہے؟ امام کا قرأت کرنا یہ تو خود ہم کو رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا کہ '' من صلی خلف الإمام فقرأة الإمام له قرأة '' یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت عین مقتدی کی قرأت ہے۔ پس مقتدی بحکم آیت کریمہ ﴿ واذا قرئ القراٰن ﴾ چپ بھی ہے اور آیت کریم '' فاقرؤا '' کی تعمیل بھی کر رہا ہے اس طرح پر کہ قول رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوا۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ ''بنایہ'' میں لکھتے ہیں:

فإن قلت قوله عليه السلام: '' قرأة الإمام له قرأة '' معارض لقوله تعالیٰ: ﴿ فاقرؤا ﴾ فلا يجوز تركه بخبر الواحد؟ قلت: جعل المقتدی قاريا بقرأة الإمام فلا يلزم الترک۔

پس ظاہر ہوگیا کہ دونوں آیتوں میں تعارض نہیں ہے،اور ہر ایک اپنے حکم پر باقی ہے، اور یہ بھی ایک قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب تعارض واقع ہوتو جہاں تک ممکن ہو جمع کریں گے، نہ یہ کہ دونوں کو ساقط کر دیں۔

کیا امام کے سکتہ میں مقتدی کا پڑھنا آیت کے مخالف نہیں؟

چھٹا اعتراض:......آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو چپ رہنا چاہئے، پس ممکن ہے کہ جب امام سکتہ کرے تو اس وقت مقتدی قرأت کرے کہ آیت کریمہ کی مخالفت بھی نہ لازم آوے،اس اعتراض کو امام فخر الدین رحمہ اللہ نے ''تفسیر کبیر'' میں واحدی سے نقل فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں:

سلمنا ان اللفظ يفيد العموم إلا انا نقول بموجب الآية ، وذلك لأن عند الشافعي يسكت الإمام حينئذ و يقرأ المأموم الفاتحة فى حال سكتة الإمام ، كما قال أبوسلمة : للإمام سكتتان فاغتنم القرأة فى ايهما شئت۔

یعنی ہم نے تسلیم کیا کہ لفظ عموم کا فائدہ دیتا ہے،مگر ہم بھی موجب آیت کے قائل ہیں، اور یہ اس لئے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ امر ہے کہ سکتہ کرے امام،اور اس وقت مقتدی قرأت کرے جیسا کہ ابوسلمہ نے کہا ہے کہ امام کے لئے دو سکتے ہیں سو غنیمت سمجھو قرأت کو ان دونوں میں سے جس میں چاہو۔

جواب:......خود امام رازی رحمہ اللہ شافعی المذہب نے چند طرح سے اس کا جواب دیا ہے: چنانچہ ایک جواب ہم نقل کرتے ہیں:

ولقائل ان يقول سكوت الإمام اما ان نقول انه من الواجبات ، أو ليس من الواجبات ، والاول باطل بالاجماع ، والثاني يقتضي ان يجوز له ان لا يسكت

فبتقدير ان لا يسكت يلزم ان تحصل قرأة المقتدى و تلك تفضى إلى ترك الاستماع وإلى ترك السكوت عند قرأة الامام ، ذلك على خلاف النص۔

یعنی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ امام کا سکتہ واجب ہے یا نہیں؟ واجب ہونا تو بالا جماع باطل ہے، اور نہ واجب ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ امام کو سکتہ نہ کرنا جائز ہو، پس اس تقدیر پر کہ امام سکتہ نہ کرے، یہ لازم آوے گا کہ مقتدی امام کے ساتھ قرأت کرے اور یہ مفضی ہے طرف چھوڑنے استماع کے اور چھوڑ دینے سکوت کے بوقت قرأت امام کے اور یہ نص قرآنی کے خلاف ہے۔

اور اخیر میں امام رازی لکھتے ہیں:

فثبت أن هذا السوال الذى اورده الواحدى غير جائز ، یعنی پس ثابت ہوا کہ یہ اعتراض جو واحدی نے کیا ہے درست نہیں۔

دیکھو امام رازی رحمہ اللہ کی تحریر سے بھی واضح ہوا کہ جو شخص قرأت فاتحہ سکتہ میں کرنے کا قائل ہے اس کو ضرور ماننا پڑے گا کہ قرأت فاتحہ مقتدی کو واجب اور ضروری نہیں۔

امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ تم لوگ اس کی اقتدا کرو

عن أبي هريرة ﷺ أن رسول الله ﷺ قال : انما جعل الإمام ليؤتم به ، فإذا كبر فكبروا ، وإذا قرأ فانصتوا ، رواه احمد ومسلم وابوداؤد والنسائى ، وقال مسلم : هو صحيح۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے کہ: فرمایا آپ ﷺ نے: امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ تم لوگ اس کی اقتدا کرو، پس جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور

جب وہ پڑھے تو چپکے رہو۔ روایت کیا اس حدیث کو احمد اور مسلم اور ابوداؤد اور نسائی نے، اور مسلم نے کہا کہ: یہ حدیث صحیح ہے۔

ف:......اس حدیث سے صاف ثابت ہوا کہ مقتدی کو کسی نماز میں خواہ وہ سری ہو یا جہری امام کے پیچھے کچھ نہیں پڑھنا چاہئے، اور چپ رہنا چاہئے اس حدیث صحیح سے۔

قولہ تعالیٰ: ﴿فاذا قرئ القراٰن فاستمعوا له وانصتوا﴾ کے مطلب کی کافی توضیح ہو جاتی ہے جیسا کہ سابقاً قاضی ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے قول سے بحوالہ علامہ زرقانی شارح مؤطا مالک ثابت ہو چکا ہے۔

یہ فقرہ:" واذا قرأ فانصتوا " حدیث مذکور کا وہم ہے؟

اس حدیث کے معنی چونکہ صاف صاف حنفیوں کے مدعا پر دلالت کرتے ہیں، اس واسطے حضرات غیر مقلدین وغیرہم اس کے ضعیف ثابت کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں، اور ابوداؤد سے نقل کرتے ہیں کہ یہ فقرہ حدیث مذکور کا وہم ہے۔" واذا قرأ فانصتوا " اور یہ وہم ابوخالد راوی حدیث مذکور سے ہوا ہے، مگر یہ کہنا غیر مقلدین وغیرہم کا بحوالہ ابوداؤد کے تعصب سے خالی نہیں، کیونکہ اکثر محدثین نے مثلاً علامہ عالم ربانی قاضی شوکانی نے تصریح کردی ہے کہ ابوداؤد کا ابوخالد کی روایت میں فقرہ" واذا قرء فانصتوا "کو وہم کہنا ابوداؤد کا وہم ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ اصل اعتراض دو امر پر مبنی ہے، ایک یہ کہ ابوخالد نے وہم کیا ہے، اور دوسرے یہ کہ سلیمان تیمی نے اصحاب قتادہ سے مخالفت کی ہے، یعنی یہ فقرہ قتادہ کے اور اصحاب نے روایت نہیں کیا ہے۔

سو امر اول کا جواب تو یہ ہے کہ ابوخالد احمر وہ شخص ہے جس سے امام بخاری اور امام مسلم

سند لیتے ہیں، چنانچہ ''نیل الاوطار'' میں ہے: حافظ منذری نے اپنے مختصر میں ابوداؤد پر اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے:

وهذا فيه نظر ، فان ابا خالد الاحمر هذا هو سليمان بن حبان ، وهو من الثقات الذى احتج بهم البخارى مسلم ، ومع هذا لم ينفرد بهذه الزيادة ، بل تابعه عليها أبوسعيد محمد بن سعد الانصارى الاشهلى المدنى نزيل البغداد ، وقد سمع من ابن عجلان وهو ثقة ، وثقه يحى بن معين و محمد بن عبدالله المخرمى وابوعبدالرحمن النسائى ، وقد اخرج هذه الزيادة النسائى فى سننه من حديث ابى خالد الاحمر ومن حديث محمد بن سعد ، وقد اخرج مسلم فى الصحيح هذه الزيادة فى حديث ابى موسى الاشعرى من حديث جرير بن عبدالحميد عن سليمان التيمى عن قتادة ، قال المنذرى : ولم يؤثر عند مسلم تفرد سليمان بذلك لثقته وحفظه ، وصحح هذه الزيادة يعنى مسلما ، الخ۔

یعنی ابوداؤد کے قول میں نظر ہے، کیونکہ یہ ابوخالد احمر سلیمان بن حبان ہے اور وہ ایسا ثقہ ہے کہ بخاری و مسلم نے اس سے استدلال کیا ہے، اور پھر وہ اکیلا بھی نہیں ہے اس فقرہ '' وإذا قرئ فانصتوا '' کے بڑھانے میں بلکہ اس کی متابعت کی ہے ابوسعید محمد بن سعد انصاری نے الخ۔

اور علامہ صاحب الجوہر النقی ''الجوہر النقی'' میں ابوخالد احمر کو ثقہ اور مستند ثابت کر کے لکھتے ہیں جیسا کہ ''نیل الاوطار'' کی عبارت مذکورہ سے واضح ولائح ہے کہ:

'' وبهذه يظهر أن الوهم ليس من أبى خالد كما زعم أبوداؤد '' یعنی اس سے ظاہر ہوا کہ وہم ابوخالد سے نہیں ہے جیسا کہ ابوداؤد کو شبہ ہوا ہے۔

باقی امر ثانی کی یہ کیفیت ہے کہ سلیمان تیمی نے تمام اصحاب قتادہ کی مخالفت بھی نہیں کی ہے، جیسا کہ علامہ شوکانی کی عبارت ''نیل الاوطار'' سے واضح ہوتا ہے، اور ''الجوہر النقی'' میں ہے:

وقد تابعه على روايته سعيد بن ابى عروبة وعمرو بن عامر ، فرواه عن قتادة ، كذلك اخرجه البيهقى من حديث سالم بن نوح عنهما فبطل قول ابى على خالف اصحاب قتادة كلهم۔

یعنی سلیمان تیمی کی روایت پر متابعت کی ہے سعید بن ابی عروبہ وعمرو بن عامر نے کہ اسی طرح قتادہ سے روایت کی ہے، روایت کیا اس کو بیہقی نے سالم بن نوح کی حدیث سے ان دونوں سے پس باطل ہوا قول ابوعلی کا کہ سلیمان نے سب اصحاب قتادہ سے مخالفت کی ہے، اوراس حدیث مذکور کے صحیح ہونے کی اور دلیلیں بھی ہیں وہ ہم نقل کرتے ہیں:

دلیل اول:...... مسلم شریف میں اس فقرہ '' **وإذا قرأ فانصتوا** '' کی نسبت لکھا ہے کہ: '' **عندى صحيح** '' یعنی یہ فقرہ میرے نزدیک صحیح ہے۔ اور یہ مسلّم ہے کہ مسلم کی تصحیح ابوداؤد کی جرح پر مقدم ہے۔

دلیل ثانی:......امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی اس فقرہ '' **وإذا قرأ فانصتوا** '' کو صحیح لکھا ہے، چنانچہ علامہ زرقانی رحمہ اللہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں:

ويشهد له قوله صلى الله عليه وسلم فى الإمام : '' وإذا قرأ فانصتوا ''، صححه ابن حنبل ، فاين المذهب عن السنة وظاهر القرآن؟۔

یعنی شاہد ہے اس پر قول رسول اللہ ﷺ کا امام کے بارے میں '' **وإذا قرأ فانصتوا** '' صحیح کہا ہے اس کو احمد ابن حنبل نے، پس کہاں جانے کی جگہ ہے حدیث اور ظاہر قرآن سے؟

دلیل ثالث:......امام ابن حزم نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔" الجوھر النقی" میں ہے:
" قلنا : وابن حزم صحح حدیث ابن عجلان "یعنی کہتے ہیں کہ امام ابن حزم نے صحیح کہا ہے ابن عجلان کی حدیث کو۔

دلیل رابع:......امام ابن خزیمہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے،"بنایہ" میں ہے:

" وصحح ابن خزيمة حديث ابن عجلان المذكور فيه تلك الزيادة "

یعنی ابن خزیمہ نے ابن عجلان کی حدیث کو جس میں یہ بڑھا ہوا فقرہ مذکور ہے صحیح کہا ہے۔

اور قاعدہ اصول کو دیکھو وہ بھی اس فقرہ کو صحیح کہتا ہے، کیونکہ اصولِ حدیث کا یہ ایک قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب راوی کوئی فقرہ دوسرے راویوں سے زیادہ روایت کرے تو یہ دیکھیں گے کہ جس راوی نے وہ فقرہ بڑھایا ہے ثقہ ہے یا نہیں؟ درصورتِ اول فقرۂ زائدہ کو صحیح مانیں گے، علامہ امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" زيادات الثقة مقبولة مطلقا عند الجماهير من أهل الحديث والفقه والأصول "

یعنی ثقہ کی زیادتی مقبول ہے عموماً جمہور محدثین وفقہاء واصولین کے نزدیک۔

اور جب ثابت ہوا کہ ابو خالد احمر ثقہ ہے، اور بخاری اور مسلم اس سے استدلال کرتے ہیں اور سند لاتے ہیں، تو اس کا بڑھایا ہوا فقرہ خواہ مخواہ مقبول ہوگا، اور اسی طرح ابن عجلان کی زیادتی بھی مقبول ہوگی، کیونکہ وہ خود ثقہ ہے، اور دوسرے راویوں نے اس کی متابعت بھی کی ہے:

" كما فى " الجوهر النقى " ابن عجلان وثّقه العجلى ، وفى " الكمال " لعبد الغنى ثقة ، كثير الحديث ، وذكر الدار قطنى : أن مسلما اخرج له فى صحيحه فهذا كما مر زيادة ثقة ، وقد تابعه عليها خارجة ابن مصعب ويحى بن العلاء كما ذكره

البيهقي ، انتهى۔

یعنی ابن عجلان کو عجلی نے ثقہ کہا ہے، اور عبدالغنی کی کمال میں ہے کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث ہے، اور دارقطنی نے ذکر کیا ہے کہ مسلم نے اپنی صحیح میں اس کی حدیث روایت کی ہے، پس یہ جیسا کہ گذرا ثقہ کی زیادتی ہے، اور اس کی متابعت خارجہ بن مصعب و یحی بن العلانی نے کی ہے جیسا کہ بیہقی نے ذکر کیا۔

غرض اس حدیث کی صحت میں اب کسی محقق کو کیا، بلکہ عامیوں کو بھی شک نہ کرنا چاہئے، ہم نے اس بحث کو ذرا طول دیا ہے، تاکہ ناظرین پر روشن ہوجائے کہ مذہب حنفی اس مسئلہ میں بے اصل نہیں ہے، اور یہ بھی جانیں کہ معترضوں کے اعتراضات بے اصل، قابل تردید ہیں۔

دوسری حدیث اور سنئے جس سے اور حدیثوں کی توضیح ہوجائے گی۔

وعن أبي موسى رضي الله عنه قال : أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبنا فبيّن لنا سنتنا ، وعلمنا صلا تنا، فقال : " إذا صليتم فأقيموا صفوفكم ، ثم ليؤمكم أحدكم ، فإذا كبر فكبروا ، وإذا قرأ فانصتوا ، وإذا قال : غير المغضوب عليهم ولا الضالين ، فقولوا : آمين ' يجبكم الله "، رواه احمد ومسلم والنسائی وأبوداؤد۔

ترجمہ:......یعنی ابوموسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ سنایا ہم کو، بیان کردیئے ہمارے واسطے طریقے ہمارے اور سکھائی ہم کو نماز ہماری، پھر فرمایا: جب نماز پڑھو تو سیدھی کرو تم صفیں اپنی، پھر چاہئے کہ امامت کرے تمہاری ایک تم میں سے، پھر جب تکبیر کہے امام تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم چپ رہو، اور جب امام " غیر المغضوب علیهم ولا الضالين " کہے تو تم آمین کہو، قبول کرے گا خدا۔ آخر حدیث تک۔

روایت کیا اس کو احمد اور مسلم اور نسائی اور ابوداؤد نے۔

ف:......اس حدیث کی تخریج بھی منتقی متن نیل الاوطار میں کی ہے، اور اس حدیث میں بھی وہی اعتراض مخالفین کے ہیں اور جوابات بھی مثل اجوبہ سابقہ کے ہیں، دوبارہ اعادہ کرنا طول بلا طائل ہے۔

اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ جس فقرہ کو ابوداؤد وہم اور غیر صحیح فرمائیں، اسی فقرہ کو مسلم بجا اور صحیح فرمائیں، اور بھی چند محدثین۔ تو اب موازنہ کیا جاوے کہ ابوداؤد اور مسلم میں سے کس کو ترجیح دی جائے؟ تو محدثین مقلدین اور غیر مقلدین کے نزدیک یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ تصحیح مسلم کی مقدم ہے ماسوائے بخاری کے تمام محدثین پر، جیسا کہ شرح نخبۃ الفکر اور الفیہ عراقی اور اس کی شرح میں اس کی تصریح تمام ہے۔ من شاء فلیراجع، پس اے مخالفین! فبأي حديث بعده يومنون۔

مجھ سے کیوں تنازع کیا جاتا ہے قرآن میں؟

تیسری حدیث بھی لیجئے:

وعن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي ﷺ انصرف من صلوة جهر فيها بالقرأة، فقال: هل قرأ معى أحد منكم؟ فقال رجل: نعم! يا رسول الله ﷺ! قال: انّى أقول مالى أنازع القرآن؟ قال: فانتهى الناس عن القرأة مع رسول الله ﷺ فيما يجهر فيه رسول الله ﷺ من الصلوة بالقرأة حين سمعوا ذلك من رسول الله ﷺ، رواه الترمذى ومالك وابن ماجة وأبوداؤد والنسائى، وقال الترمذى: حسن۔

ترجم:......یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جناب رسولِ خدا ﷺ ایک نماز سے پھرے جس میں قرأت آپ ﷺ نے زور سے فرمائی تھی، پس فرمایا: تم لوگوں میں سے کس نے

میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا: ہاں! یا رسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جبھی تو میں کہتا تھا کہ مجھ سے کیوں تنازع کیا جاتا ہے قرآن میں؟ راوی کہتا ہے کہ پس لوگ باز رہے قرأت کرنے سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز جہری میں جب سے یہ بات آنحضرت ﷺ سے سنی۔ روایت کیا اس حدیث کو ترمذی اور مالک اور ابن ماجہ اور ابوداؤد اور نسائی نے، اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز جہری میں قرأت کرنا مقتدیوں کا آنحضرت ﷺ کو ناگوار گذرا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرأت کرنا بالکل چھوڑ دیا، اس حدیث سے استدلال کرنے پر مخالفین نے چند اعتراضات کئے ہیں:

اعتراض کہ یہ حدیث مرفوع نہیں

پہلا:...... یہ فقرہ " فانتهى الناس " یعنی لوگ قرأت سے باز آئے۔ زہری کا قول ہے کہ جیسا کہ بہت سے محدثین نے لکھا ہے، پس مرفوع نہ ہوا، لہذا یہ حدیث حجت نہیں۔

جواب:...... ہمارا استدلال قول زہری سے نہیں ہے، ہمارا استدلال تو قول رسول اللہ ﷺ سے ہے، یعنی " مالى أنازع القرآن " سے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مقتدی کو قرأت نہیں کرنا چاہئے، جیسا کہ ہم آگے ثابت کریں گے، اور جس کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرأت کرنا چھوڑ دیا۔

یہ اعتراض کہ: آہستہ سے قرأت میں تنازع نہیں ہوگا

دوسرا اعتراض:...... یہ مقتدی آہستہ سے قرأت کرے گا، پس اس وقت تنازع نہ واقع ہوگا، بعض مخالفین ترمذی سے نقل کرتے ہیں کہ اس آیت سے قرأت خلف الامام کا منع ہونا نہیں نکلتا، کیونکہ یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور انہوں نے جب اس حدیث کو

روایت کیا تھا کہ " من صلی صلوة لم یقرأ فیھا بأم القرآن فھی خداج غیر تمام " یعنی جو شخص ایسی نماز پڑھے کہ اس میں الحمد للہ نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے۔ تو ان سے سوال ہوا کہ امام کے پیچھے کیا کیا جاوے؟ پس ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ " اقرأ فی نفسہ "یعنی اپنے جی میں پڑھو، تو معلوم ہوا کہ قرأت خلف الامام منع نہیں ہے، کیونکہ اگر منع ہوتی تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آہستہ پڑھنے کا حکم کیوں دیتے؟ چنانچہ بعض ہم عصر غیر مقلدوں نے اسی طرح لکھا ہے۔

جواب:...... اول تو ہم منازعت کا لفظ جو حدیث میں وارد ہے اس کے معنی لکھتے ہیں، پھر اصلی جواب پیش نظر ناظرین کریں گے، دیکھو علامہ زرقانی شارح مؤطا امام مالک اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال ابو عبدالملک : أی إذا جھرتُ بالقرأة ، فان قرأتم ورائی فکأنما تنازعونی فی القرآن الذی اقرأو ، لکن انصتوا ، وقال الباجی : ومعنی منازعتھم له ان لا یفردوہ بالقرأة وأقرأُ معه۔

یعنی کہا ابو عبد الملک نے: مطلب یہ ہے کہ جب میں نے پڑھا زور سے، پس اگر تم نے میرے پیچھے پڑھا تو جھگڑا کیا قرآن میں جس کو میں پڑھتا ہوں، لیکن ہاں چپکے رہو تم لوگ، اور علامہ باجی رحمہ اللہ نے کہا: منازعت کے معنی یہ ہیں کہ ان کو تنہا نہ پڑھنے دیں اور ان کے ساتھ خود بھی پڑھیں۔

پس جو معنی منازعت کے ہیں وہ ہر حالت میں پائے جاتے ہیں خواہ مقتدی زور سے پڑھے خواہ آہستہ سے، جیسا کہ ابو عبد الملک اور علامہ باجی سے منقول ہے، اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قطعاً قرأت کرنا نماز جہری میں چھوڑ دیا، نہ آہستہ پڑھتے تھے، نہ زور سے،

اور اگر زور سے پڑھنا صرف منع ہوتا تو آنحضرت ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ فرماتے کہ تم لوگ بالکل قرأت مت چھوڑو، بلکہ آہستہ پڑھا کرو۔

اور قاضی ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی سند سے علامہ زرقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وعموم الحديث يقتضى ان لا يجوز القرأة مع الإمام إذا جهر بأم القرآن ولا غيرها"۔

یعنی عموم حدیث اس بات کو چاہتا ہے کہ قرأت کرنا امام کے ساتھ ناجائز ہو جب امام زور سے قرأت کرے، نہ الحمد للہ پڑھنا جائز ہے، نہ اور کچھ، پس ثابت ہوا کہ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ مقتدی کو کسی طرح پر پڑھنا نہ چاہئے۔

اب قول ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا جواب سنو! یہ قول ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا "اپنے جی میں پڑھو" اس وقت کا ہے کہ جب انہوں نے یہ حدیث روایت کی "من صلیٰ صلاۃ "الخ، اور یہ حدیث جو منازعت کی ہم نے نقل کی ہے اس وقت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں فرمایا تھا، پس دوسری حدیث کے مطلب کو جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا اس حدیث میں ملانا بالکل تاویل مالا یرضیٰ بہ القائل ہے، قطع نظر اس کے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو مطلب حدیث کا سمجھا اور جس کے بناپر مطلق قرأت کو ترک کردیا ہم اسے اختیار کریں یا ایک ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کو۔

یہ بھی مسلم نہیں کہ قرأت فی النفس آہستہ پڑھنے کو کہتے ہیں، کیونکہ بہت سے علماء اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ نفس میں قرأت کرو یعنی امام جو پڑھے اس کو غور کرو اور سوچو، چنانچہ عیسی اور ابن نافع سے یہ قول علامہ زرقانی نے نقل کیا ہے کہ مراد دل سے سوچنا ہے بغیر اس کے کہ زبان سے پڑھے۔

باقی اس قول پر یہ اعتراض کرنا کہ دل سے غور کرنے کو قرأت نہیں کہہ سکتے، صحیح نہیں ہے، کیونکہ عام طور پر قرأت نہ کہیں، مگر قرأت نفسی تو کہہ سکتے ہیں، جس طرح سے سوچنے کو اردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ دل ہی دل میں باتیں کرنا، غرض حدیث سے جو حکم صاف طور سے نکلتا ہے اس میں تاویلات سے کاروائی کرنا غیر مقلدین گوارا کریں تو ان کو اختیار ہے، مگر ہم تو ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

علاوہ اس کے تیسرا جواب وہ ہے جو اوپر بالتفصیل گذر چکا ہے۔ " من صلی صلاۃ "الخ اور " لا صلوۃ إلا بفاتحۃ الکتاب " منفرد اور امام کے واسطے حکم ہے، مقتدی کے واسطے یہ حکم نہیں ہے، کیونکہ بہت سے علماء غیر احناف بھی قائل ہیں کہ مراد اس حدیث سے منفرد ہے، چنانچہ علامہ سفیان رحمہ اللہ راوی حدیث مذکور تلمیذ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ بعد نقل کرنے حدیث کے ابوداؤد میں " أي لمن یصلی وحدہ " تصریح فرماتے ہیں، اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے "جامع ترمذی" میں منقول ہے کہ یہ حکم منفرد کا ہے مقتدی کا نہیں ہے، باوجود اس کے بعض روایتوں میں اخیر فقرہ " فصاعداً " کا اور "زائدۃً" کا زیادہ ہے، اور اوپر گذر چکا ہے کہ کسی کے نزدیک مقتدی پر سورہ فاتحہ سے زائد کوئی دوسری سورت پڑھنا واجب نہیں ہے، تو یہ فقرہ زائدہ بھی دلیل ہے کہ یہ حکم مقتدی کا نہیں ہے، اور راوی اس فقرہ کا معمر ہے، اور معمر ثقہ ہے، اور زیادتی ثقہ کی مقبول ہے، چنانچہ کتبِ اصول سے تصریح اس کی گذر چکی ہے، فتأمل۔

امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے

چوتھی حدیث:......وعن جابر رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : " من کان له إمام فان قرأۃ الإمام له قراءۃ "، رواہ ابن ماجۃ۔

ترجمہ:...... روایت ہے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: فرمایا رسولِ خدا ﷺ نے: جس شخص کے واسطے امام ہو تو قرأۃ امام کی اس کے واسطے قرأت ہے، روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

ف:...... یعنی مقتدی پر قرأت واجب نہیں ہے، عام اس بات سے کہ سورۂ فاتحہ ہو یا اور کچھ، اگر کوئی کہے کہ اس حدیث میں راوی جابر جعفی ضعیف ہے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث مذکور میں ضعیف فقط جابر جعفی ہے، اور جابر جعفی کا ضعیف ہونا مختلف فیہ ہے، کیونکہ بہت لوگوں نے اس کو ثقہ بھی کہا ہے، اور پھر جرح بھی مبہم ہے اور جرح مبہم پر توثیق مقدم ہے، جیسا کہ ''تعلیق الممجد'' میں اس کی تصریح ہے:

وفیہ جابر الجعفی متکلم فیہ، قد وثقہ سفیان وشعبۃ والثوری وغیرھم، ھکذا فی میزان الاعتدال۔

یعنی اس حدیث میں جابر جعفی ہے اور اس میں کلام کیا گیا ہے، اور توثیق کی ہے اس کی سفیان بن عیینہ اور شعبہ اور سفیان ثوری رحمہم اللہ وغیرہم نے، جیسا کہ ''میزان الاعتدال'' میں ہے۔ علاوہ اس کے اگر ہم تسلیم کرلیں کہ جابر جعفی ضعیف ہے، تاہم یہ حدیث بہت طرق سے وارد ہے، اور حدیث ضعیف جب طرق کثیرہ سے وارد ہو تو بنا بر قاعدہ مسلمہ اصول کے درجۂ حسن کو پہنچ جاتی ہے، اور حدیث حسن حجت ہے:

'' قال العینی: قد ذکرنا ان الضعیف قد یتقوی بالصحیح، ویقوی بعضھا بعضا الخ، کما فی السعایۃ والبنایۃ''۔

علاوہ اس کے جابر جعفی کی متابعت لیث نے کی ہے، اور لیث سے ثقات نے روایتیں کی ہیں، پس بنا بر اس کے بھی حدیث مذکور قابل حجت ہے۔

اخرج ابن عدی والدار قطنی عن الحسین بن صالح عن لیث بن ابی سلیم

وجابر عن ابى الزبير مرفوعا ، نحوه قال بن عدى هذا معروف بجابر الجعفى ولكن الحسين بن صالح قربه بالليث ، والليث ضعفه احمد والنسائى وابن معين ' ولكنه مع ضعفه يكتب حديثه فان الثقات رووا عنه كشعبة ، الخ۔

من صلى خلف الإمام فإن قرأة الإمام له قرأة

پانچویں حدیث:......وقال محمد :اخبرنا ابوحنيفة قال : حدثنا ابوالحسن موسى بن ابى عائشة عن عبد الله بن شداد بن الهاد عن جابر بن عبدالله ﷺ عن النبى ﷺ قال : من صلى خلف الإمام فإن قرأة الإمام له قرأة۔

ترجمہ:...... جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ:''جو نماز پڑھے امام کے پیچھے تو قرأت امام کی اس کے واسطے قرأت ہے''۔روایت کیا اس حدیث کو امام محمد رحمہ اللہ نے ''مؤطا'' میں۔

ف:......علامہ عینی رحمہ اللہ نے ''بنایہ'' میں لکھا ہے کہ: یہ حدیث ابی حنیفہ کی صحیح ہے، کیونکہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو ابوحنیفہ ہی ہیں، یعنی مجتہد اور عابد اور متقی اور ثقہ بے نظیر ہیں کہ مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک ان کا مقبول بارگاہ ہونا معروف ومشہور ہے، اور موسی بن ابی عائشہ رحمہ اللہ کوفی ثقہ اور اثبات اور رجال صحیحین میں سے ہیں، اور عبداللہ بن شداد رحمہ اللہ کبار شامیین اور ثقات میں سے ہیں، چنانچہ ''سعایہ'' اور ''تعليق الممجد'' میں ہے:

قال العينى فى البناية : حديث أبي حنيفة حديث صحيح ، امام ابوحنيفة فأبوحنيفة ، وموسى بن ابى عائشة الكوفى من الثقات ، الاثبات ، من رجال الصحيحين ، وعبدالله بن شداد من كبار الشاميين وثقاتهم۔

اور علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے ''فتح القدیر'' میں لکھا ہے کہ: جن لوگوں نے یہ کہا کہ حدیث'' من صلی خلف الامام فان قرأة الإمام له قرأة ''کو حفاظ حدیث نے مرفوع روایت نہیں کیا، ان کا قول صحیح نہیں، کیونکہ احمد بن منیع نے اس طرح روایت کی ہے:

نا اسحاق الازرق ، نا سفيان وشريک عن موسى بن عائشة عن ابن شداد عن جابر ، قال : ونا جرير عن موسى بن ابى عائشة مرفوعا ولم يذكر عن جابر، ورواه عبد بن حميد ، نا ابو نعيم ، نا الحسن بن صالح عن ابى الزبير عن جابر مرفوعا فهؤلاء سفيان وشريک وجرير وابو الزبير رفعوه بالطرق الصحيحة فبطل عدهم فى لم يرفعه۔

اور عینی رحمہ اللہ نے ''بنایہ'' اور ''عمدۃ القاری'' میں لکھا ہے کہ: یحی بن معین سے ابو حنیفہ کے حال سے سوال کیا گیا، تو یحی نے کہا کہ: ابو حنیفہ ثقہ ہے، میں نے کسی کو نہیں سنا کہ اس نے ابو حنیفہ کو ضعیف کہا ہو۔ اور شعبہ بن حجاج لکھتے ہیں کہ: ابو حنیفہ سے روایت کی جائے، اور یہ بھی کہا ہے کہ: ابو حنیفہ ثقہ' اہل صدق سے ہیں اور متہم بالکذب نہ تھے' اور مامون فی دین اللہ اور صدق تھے فن حدیث میں، الخ۔

سئل يحى بن معين عن ابى حنيفة ، فقال : ثقة ، ما سمعت أحدا ضعفه هذا شعبة بن الحجاج يكتب إليه ان يحدث ، وقال ايضا : كان ابو حنيفة ثقة من اهل الصدق ولم يتهم بالكذب وكان ماموناً على دين الله ، صدوقا فى الحديث ، واثنى عليه جماعة من الأئمة الكبار مثل ابن المبارک وابن العيينة والاعمش والثورى وعبدالرزاق وحماد بن زيد ووكيع ، وكان يفتى برأيه الأئمة الثلاثة مالک والشافعى وأحمد وآخرون ، قال العينى بعد نقل هذه العبارات : فقد ظهر لنا من

هـذه تحامل الدار قطنی علیه ، وتعصبه الفاسد فمن این ...... تضعيف ابی حنيفة وهو مستحق التعريف وقد روی فی مسنده احاديث سقيمة ومعلولة ومنكرة وموضوعة ، انتهی۔

إذا صلى أحدكم مع الإمام فحسبه قرأة الإمام

چھٹی حدیث: ......وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ انـه كان إذا سئل هل يقرأ أحد مع الإمام ؟ قال: " إذا صلى أحدكم مع الإمام فحسبه قرأة الإمام "، وكان ابن عمر لا يقرأ مع الإمام ، رواه مالك فی المؤطا۔

ترجمہ: ......ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: جب وہ سوال کئے جاتے کہ امام کے پیچھے کوئی قرأت کرے؟ تو جواب میں فرماتے کہ: جب کوئی امام کے ہمراہ نماز پڑھے تو اس کو امام کی قرأت کافی ہے، اور ابن عمر ہمراہ امام کے نہیں پڑھتے تھے۔ روایت اس کو مالک رحمہ اللہ نے "مؤطا" میں۔

ف: ...... یہ حدیث اگر چہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، مگر یہ معلوم ہے کہ یہ کمال درجہ کے تابعدار حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے، یہاں تک کہ بخاری، مسلم کی حدیث میں وارد ہے کہ: جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ بیٹھے ہوتے یا لیٹے ہوتے اس جگہ بدون ضرورت کے محض اتباع نبوی کے لئے آپ نشست کرتے، یا پہلو زمین پر لگاتے تھے، یا جس لباس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے تھے اسی کو آپ رضی اللہ عنہ پسند کرتے تھے، باوجود اتباع بلیغ کے جب یہ حکم فرماتے ہیں تو ضرور اس میں بھی متابعت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، کیونکہ یہ صحابی جلیل القدر عبادلہ ثلاثہ میں سے ہیں، پھر کیونکر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کر سکتے ہیں، پس اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ مقتدی پر قرأت خلف الامام واجب نہیں، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ بدون قرأت سورۂ

فاتحہ کے مقتدی کی نماز درست ہے۔

من صلى ركعة لم يقرأ فيها بأم القرآن فلم يصل إلا وراء الإمام

ساتویں حدیث:......وعن جابر بن عبدالله رضی اللہ عنہ يقول : من صلى ركعة لم يقرأ فيها بأم القرآن فلم يصل إلا وراء الإمام ، رواه مالك والترمذى ، وقال : هذا حديث حسن صحيح۔

ترجمہ:...... جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے تھے: جو نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ اس نے نہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوئی، مگر جب کہ پیچھے امام کے ہو۔ (یعنی اس وقت کچھ ضرور نہیں) روایت کیا اس حدیث کو امام مالک اور ترمذی نے اور ترمذی نے کہا کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

من كان له إمام فقرأة الإمام له قرأة

آٹھویں حدیث:......وعن ابى سعيد الخدرى رضی اللہ عنہ مرفوعا : " من كان له إمام فقرأة الإمام له قرأة "، رواه الطبرانى فى معجمه الأسط عن محمد بن الأصبهانى عن أبيه عن جده عن ابن عبدالله عن الحسن بن صالح عن هارون العبدى۔

ترجمہ:......ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ: جس شخص کا کوئی امام ہو تو قرأت امام کی اس کے واسطے قرأت ہے۔ روایت کیا اس کو طبرانی نے معجم اوسط میں، الخ۔

ف:......ان دو حدیثوں سے ثابت ہوا کہ جابر رضی اللہ عنہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بھی یہ مذہب ہے کہ مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں ہے، اور بدون سورۂ فاتحہ پڑھنے کے مقتدی کی نماز جائز ہے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس حدیث کو ابن عیسی نے کامل میں اسماعیل بن عمرو بن نجیح

سے روایت کیا ہے، اور یہ حسن بن صالح سے از روئے سند اور متن کے متحد ہے، لیکن اسماعیل راوی مذکور کی کسی نے متابعت نہیں کی، تو جواب یہ ہے کہ زیلعی نے ثابت کر دیا کہ اسماعیل کی متابعت نضر بن عبداللہ نے کی ہے، جس طرح کہ طبرانی نے تخریج کی۔

لا قرأة مع الإمام فی شیء

نویں حدیث:……وعن عطاء بن یسار أنه سأل زید بن ثابت عن القرأة مع الإمام ؟ فقال: " لا قرأة مع الإمام فی شیء "، رواه مسلم۔

ترجمہ:……عطا بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کا سوال کیا؟ تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: امام کے ہمراہ کسی نماز میں قرأت نہیں۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

ف:…… یہ حدیث موقوف صحیح مسلم کی ان حدیثوں میں سے ہے جن سے دوسری حدیثوں کو تقویت ہوتی ہے، اور مسلم نے اس کو "باب سجود التلاوۃ" میں روایت کیا ہے، اور اس سے بھی ثابت ہو گیا کہ جلیل القدر صحابی رئیس القراء زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی سورۂ فاتحہ خلف الامام مقتدی کو پڑھنا واجب نہیں ہے، اور بدون قرأت سورۂ فاتحہ کے مقتدی کی نماز جائز و صحیح ہے۔

لا یقرأ خلف الإمام

دسویں حدیث:……وعن سالم بن عمر قال : کان ابن عمر لا یقرأ خلف الإمام ، فسألت القاسم بن محمد عن ذلک ؟ فقال : ان ترکتَ فقد ترکه ناس یقتدیٰ بهم، وإن قرأتَ فقد قرأ ناس یقتدیٰ بهم ، وکان القاسم ممن لا یقرأ ، رواه محمد فی المؤطا۔

ترجمہ:......سالم بن عمر رحمہ اللہ نے کہا کہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما نہیں پڑھتے تھے امام کے پیچھے، تو سوال کیا میں نے قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے اس بات کا (یعنی امام کے پیچھے پڑھنے کا) تو کہا قاسم بن محمد رحمہ اللہ نے کہ: اگر نہ پڑھے تو؟ (یعنی امام کے پیچھے) تو البتہ ترک کیا ہے اس کو ایسے لوگوں نے کہ تابعداری کی جائے ان کی، اور اگر پڑھے تو البتہ پڑھا ہے ایسے لوگوں نے کہ ان کی تابعداری اور پیروی کی جاتی ہے، اور قاسم بن محمد رحمہ اللہ ان لوگوں میں سے ہیں جو نہیں پڑھتے تھے۔ روایت کیا اس حدیث کو امام محمد رحمہ اللہ نے ''مؤطا'' میں۔

انصت، فإن فی الصلوة شغلا سیکفیک ذاک الإمام

گیارھویں حدیث:......وعن أبي وائل قال : سئل ابن مسعود عن القرأة خلف الإمام فقال : انصت ، فإن فی الصلوة شغلا سیکفیک ذاک الإمام ، رواه محمد فی المؤطا۔

ترجمہ:......روایت ہے ابو وائل سے، کہا انہوں نے: سوال کئے گئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت سے؟ تو کہا: چپ رہ، کیونکہ نماز میں ایک شغل ہے اور کافی ہے تجھ کو قرأت امام کی۔ روایت کیا اس کو امام محمد رحمہ اللہ نے ''مؤطا'' میں۔

ابن مسعود کان لا یقرأ خلف الإمام

بارھویں حدیث:......وعن علقمة ان عبداللّٰه بن مسعود کان لا یقرأ خلف الإمام فی ما یجهر فیه ، وفی ما یخافت ، لا فی الأولیین ولا فی الأخریین ، رواه محمد فی المؤطا۔

ترجمہ:......اور علقمہ سے مروی ہے کہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نہیں پڑھتے تھے امام

کے پیچھے نہ جہری نماز میں اور نہ سری نماز میں، نہ اولین اور نہ آخرین میں۔

لا یقرأ خلف الإمام فی شیء من الصلوات

تیرھویں حدیث:......وعن عبداللّٰہ بن مقسم : أنه سأل ابن عمر وزید بن ثابت وجابر بن عبداللّٰہ ﷺ فقالوا : لا یقرأ خلف الإمام فی شیء من الصلوات ، رواہ الطحاوی۔

ترجمہ:...... عبداللہ بن مقسم نے سوال کیا ابن عمر اور زید بن ثابت اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے قرأت خلف الامام کے بارے میں، تو تینوں نے فرمایا: نہ قرأت کی جائے امام کے پیچھے کسی نماز میں۔ روایت کیا اس کو طحاوی نے۔

ما أری الإمام إذا أم القوم الا و قد کفاھم

چودھویں حدیث:......وعن کثیر بن مرۃ الحضرمی عن أبي الدرداء رضی اللہ عنہ سمعه یقول : سئل رسول اللّٰہ ﷺ أفی کل صلوۃ قرأۃ ؟ قال :" نعم " قال رجل من الأنصار: وجبت ھذہ ، فالتفت اِلَیَّ وکنت أقرب القوم منه ، فقال : ما أری الإمام إذا أم القوم الا وقد کفاھم ، رواہ النسائی۔

ترجمہ:...... کثیر بن مرہ الحضرمی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: کہتے تھے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، سوال کیا گیا رسول اللہ ﷺ سے کہ کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ تو فرمایا: ہاں، کہا ایک شخص نے انصار میں سے کہ: واجب ہوئی یہ قرأت، تو متوجہ ہوئے میری طرف درانحالیکہ میں اقرب القوم تھا، پھر فرمایا کہ: میں خیال کرتا ہوں کہ امام جب کسی کی امامت کرے تو وہ ان کے لئے کافی ہے۔ (یعنی اس کی قرأت قوم کے لئے قرأت ہے) روایت کیا اس حدیث کو نسائی نے۔

ف:......اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ حدیث اگرچہ ''نسائی'' نے روایت کی ہے، مگر خود

نسائی نے لکھ دیا ہے کہ اس حدیث کا ثبوت نہیں، بلکہ یہ قول ابی الدرداء کا ہے۔

توجواب اس کا یہ ہے کہ: نسائی رحمہ اللہ کا یہ کہنا دعویٰ بلا دلیل ہے، اور دعویٰ بلا دلیل غیر مقبول ہے، علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے اس پر قدح کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ:

قال ابن الهمام فی فتح القدیر : لو لم یكن هذا من قول رسول ﷺ بل من كلام ابی الدرداء رضی اللہ عنہ ، فلم یكن لیروی فی كل صلاة قرأة ثم یعتد بقرأة الإمام عن المقتدی الا لعلم عنده فیه عن رسول الله ﷺ۔

پس یہ آثار اور حدیثیں اور ان کے علاوہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور بھی بہت کثرت سے ہیں جو بسبب خوف طوالت کے چھوڑ کر اور انہیں حدیثوں پر کفایت کر کے کہتا ہوں کہ حنفی مذہب کے یہ دلائل ہیں۔

امام کے پیچھے قرأت نہ پڑھنے پر اکثر صحابہ کا اجماع ہے

اور صاحب ہدایہ نے ترک قرأت مقتدی پر اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کا نقل کیا ہے۔ اور علامہ عینی نے کہا کہ: صاحب ہدایہ کا اجماع صحابہ نقل کرنا باعتبار اتفاق اکثر صحابہ کے ہے، اور منع قرأت کو اسی (۸۰) صحابہ سے نقل کیا ہے: جن میں حضرت علی مرتضی اور عبادلہ ثلاثہ یعنی عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم بھی ہیں، اور شیخ امام عبداللہ بن یعقوب ''کشف الاسرار'' میں عبداللہ بن زید بن اسلم اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ دس صحابہ جو قرأت خلف الامام کو بہت سختی سے منع کرتے تھے: وہ سیدنا ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی اور عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص اور ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔

ادلۂ حنفیہ پر چند اعتراضات اوران کے جوابات

اب میں وہ اعتراضات مع جوابوں کے ذکر کرتا ہوں جو مخالفین ادلۂ حنفیہ پر وارد کرتے ہیں۔

''قرأة الامام قرأة له'' کے جمیع طرق ضعیف ہیں

اعتراض اول:......حدیث '' قرأة الامام قرأة له '' کے جمیع طرق ضعیف ہے۔وقد اجمع الحفاظ علی ضعفه کما ذکره ابن حجر فی فتح الباری۔

جواب اس کا یہ ہے کہ:......ضعف اس حدیث کا مخل مقصود نہیں ہے، کیونکہ اس ضعف کا جبر کثرت طرق سے ہوگیا ہے جیسا کہ یہ قاعدہ اصول کا اپنے موضوع پر ثابت ومبرہن ہے، باوجود اس کے اس حدیث کے بعض طرق سالم عن القدح ہیں، چنانچہ قاضی شوکانی نے ''فوائد المجموعة ''میں کہا ہے کہ: حدیث'' لا تجزی صلوة لا یقرأ فیها بفاتحة الکتاب إلا أن یکون وراء الإمام'' کی اسناد میں محمد بن اشوش متہم اور متروک ہے، باوجود اس کے تم جانتے ہو کہ اس حدیث کو مالک اور ترمذی نے روایت کیا ہے، اور ترمذی نے کہا کہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور اسی طرح طحاوی نے اس حدیث کو چند طرق سے روایت کیا ہے، مگر ان میں یہ محمد بن اشوش نہیں ہے۔ پس اس سے صاف واضح ولائح ہوگیا کہ جن لوگوں نے علی العموم اس حدیث کے کل طرق کو ضعیف کہہ دیا ہے ان کا یہ حکم کلی خطا اور دھوکہ ہے، اور کیوں نہ ہو جب کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی مسلم شریف میں یہ حدیث وارد ہے، چنانچہ اوپر گذر چکی، پھر کیسے اس حدیث کے کل طرق کو ضعیف کہنے والوں کا قول صحیح ہوسکتا ہے؟۔

یہ حدیث محمول ہے ترک جہر بالقراءت خلف الامام پر اور محمول

اعتراض دوم:...... یہ حدیث محمول ہے ترک جہر بالقراءت خلف الامام پر، اور محمول ہے سورت پر نہ فاتحہ پر جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز پڑھی پھر فرمایا: شاید تم پڑھتے ہو امام کے پیچھے، تو ہم نے کہا: ہاں! یارسول اللہ ﷺ، حضرت ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو، سوائے فاتحہ کے پس یہ حدیث مبین ہے اس حدیث " الا ان یکون وراء الامام "کی کہ مراد اس میں الحمد کے سوا سورت کی قرأت ہے۔ جواب اس کا علامہ عینی نے یہ دیا ہے کہ اس حدیث میں کوئی بیان قرأت خلف الامام کا نہیں ہے، اور فرق درمیان جہر اور سر کے صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں اسقاط واجب کا ساتھ مسنون کے ہوتا ہے ان کے نزدیک، بلکہ امام محمد رحمہ اللہ نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے تصریح اس کی بایں طور کی ہے کہ یہ قصہ نماز عصر میں ہوا ہے اور وہ نماز سری ہے، اور یہ تصریح باطل کرتی ہے تاویل مذکور کو۔

یہ حدیث معارض ہے

اعتراض ثالث:...... یہ ہے کہ حدیث " الاوراء الامام " کی معارض ہے:﴿فاقرء وا ما تیسر من القرآن﴾ کے، اور لازم آتا ہے ابطال قعطی کا ساتھ خبر واحد کے؟

جواب اس کا "فتح القدیر" وغیرہ میں منقول ہے کہ: جب حدیث صحیح ہو تو واجب ہے خاص کرنا عموم آیت کو، اس حدیث سے بنا پر مذہب خصم کے علی الاطلاق پس نکل گیا اس سے مقتدی فھوالمطلوب۔ اور ہمارے طریقہ حنفیہ پر بھی اس آیت کی تخصیص اس صحیح حدیث سے کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ عام مخصوص منہ البعض ہے، اس لئے کہ مدرک رکوع بالاتفاق مدرک رکعت ہے تو جائز ہوگئی تخصیص اس کی خبر واحد سے، بلکہ کہا جاتا ہے کہ مقتدی کے

لئے بھی شرعاً قرأت ثابت ہے، کیونکہ قرأۃ امام کی قرأت مقتدی کی ہے پھر باوجود اس کے اگر مقتدی پڑھے تو نماز میں دو قرأتیں ہوتی ہیں اور یہ غیر مشروع ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے چند اشکالات اور ان کے جوابات

اعتراض رابع:......وہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''قرأۃ خلف الامام'' میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے رد میں لکھا ہے کہ: قرأۃ خلف الامام کو منع کرنے والا استدلال کرتا ہے آیت:﴿ فاستمعوا له وانصتوا ﴾ سے اور یہ حجت منقوض ہے ساتھ ثنا پڑھنے کے یعنی حنفی مذہب میں ثنا امام کے پیچھے پڑھنا جائز ہے، باوجودیکہ یہ مستحب ہے اور قرأۃ خلف الامام فرض ہے پھر تعجب ہے کہ ابوحنیفہ ثنا پڑھنے کا تو امام کے پیچھے حکم دیں اور استماع پر عمل نہ کریں، اور فاتحہ کی اجازت نہ دیں، تو ابوحنیفہ کے نزدیک فرض یعنی قرأت سنت یعنی ثنا سے بھی کم درجہ ہے اور یہ صریح خلاف ہے۔

پھر بخاری رحمہ اللہ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ: ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا جائے کہ جب امام قرأت جہر سے نہ پڑھے تو مقتدی اس کے پیچھے پڑھے یا نہیں؟ اگر کہیں کہ نہیں تو غلط ہے، کیونکہ یہاں استماع نہیں ہوتا، اور ابن عباس سے مروی ہے کہ:'' فاستعموا له وانصتوا '' خطبہ کے بارے میں اتری ہے، تاہم یہ ہوسکتا ہے کہ مقتدی سکتات امام میں پڑھے، اور سکتہ کرنا امام کا حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت ﷺ دو سکتے کرتے تھے جیسا کہ ابو مسلمہ بن عبدالرحمٰن اور میمون اور سعید بن جبیر وغیرہم جائز سمجھتے تھے قرأت مقتدی کی بوقت سکوت امام کے عملاً ''بقوله لا صلوة إلا بفاتحة الكتاب ''اور مقتدی کے چپ رہنے کے وقت قرأت امام کے قائل تھے بوجہ آیت:﴿ فاستمعوا له وانصتوا ﴾ کے۔

اور استدلال کیا ہے ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حدیث'' من كان له امام قرأة الامام له قرأة ''

سے یہ حدیث اہل علم کے نزدیک ثابت نہیں، نہ اہل حجاج کے نزدیک، نہ اہل عراق کے، کیونکہ یہ حدیث مرسل اور منقطع ہے، مرسل اس لئے کہ اس حدیث کو عبداللہ بن شداد نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔ اور منقطع اس طرح کہ حسن بن صالح جابر الجعفی سے اور وہ ابو الزبیر سے اور یہ جابر سے روایت کرتے ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ جابر جعفی نے ابوالزبیر سے سنا ہے یا نہیں، اگر سماع ثابت بھی ہو تو تاہم سورۂ فاتحہ اس سے مستثنیٰ ہے یعنی ''من كان له امام فقرأة الإمام قرأة له إلا فاتحة الكتاب''۔

اور ایک اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو داؤد قیس نے ایک شخص سے اولاد سعد سے روایت کیا ہے، اور وہ شخص روایت کرتا ہے سعد سے کہا سعد نے کہ: ''جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے میں پسند کرتا ہوں کہ اس کے منہ میں انگارہ ہو''۔ یہ مرسل ہے اور سند میں ایک شخص مجہول ہے۔

اور اس حدیث سے بھی حجت پکڑی ہے جس کو ابوحبان نے سلمہ ابن کہیل سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے عبداللہ سے روایت کیا ہے کہا عبداللہ نے: ''درست رکھتا ہوں میں کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کا منہ انگارہ سے بھر جائے''۔ اور یہ بھی مرسل ہے حجت پکڑنے کے قابل نہیں ہے، اس کے علاوہ عون نے ابراہیم سے سلمہ کے خلاف روایت کی ہے کہ اس میں '' ناراً '' کے بدلے ''رضفاً '' ہے۔

پھر یہ ساری باتیں اہل علم کے شایاں نہیں۔ دو وجہوں سے: اول یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''لا تلاعنوا بلعنة الله ولا تعذبوا بعذاب الله'' تو پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی اہل علم یوں کہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں آگ ہو۔ (جو خدا کا عذاب ہے)۔ دوسرے یہ کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ جو قرأت کرتے تھے ان کے

منہ میں آگ ہونے کی کون آرزو کرسکتا ہے؟ جیسے کہ عمراور ابی بن کعب اور حذیفہ اور علی بن ابی طالب اور ابو ہریرہ اور عائشہ اور عبادہ (رضی اللہ عنہم) وہ صحابہ جو قرأت خلف الامام کو جائز سمجھتے تھے، کیا ان کے منہ گرم پتھر اور انگارہ اور مٹی کے لائق ہیں؟

اور حجت پکڑتے تھے اس حدیث سے جس کو روایت کیا ہے عمر بن محمد نے موسی بن سعید سے اور انہوں نے زید بن ثابت سے کہا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہ: جس نے قرأت خلف الامام کی اس کی نماز نہیں ہے، مگر اس سند میں بعض کا سماع بعض سے معلوم نہیں ہوتا، اور مثل اس سند کے صحیح نہیں ہے۔

اور روایت کیا سلمان تیمی اور عمر بن عامر نے قتادہ سے انہوں نے یونس بن جبیر سے انہوں نے حطان سے انہوں نے ابوموسی سے اپنی حدیث طویل میں " وإذا قرأ فانصتوا " یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ: جب امام پڑھے تو تم چپ رہو، حالانکہ سلیمان نے قتادہ سے اور قتادہ نے یونس سے اور ہشام اور سعید اور ابوعوانہ اور ابوہمام اور ابان بن یزید وغیرہ نے قتادہ سے یہ حدیث روایت کی ہے، مگر ان لوگوں نے " وإذا قرأ فانصتوا " کو حدیث میں ذکر نہیں کیا، اور یہ زیادتی اگر صحیح بھی ہو تو محمول ہوگی ماسوائے سورۂ فاتحہ پر۔

اور ابوخالد الاحمر نے ابن عجلان سے انہوں نے زید بن اسلم وغیرہ سے انہوں نے ابوصالح سے انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: إنما جعل الإمام ليؤتم به ، اور اس میں " وإذا قرأ فانصتوا " زیادہ کیا ہے، اور نہیں معلوم ہوتی یہ زیادتی، مگر حدیث سے ابوخالد کی، امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ: ابوخالد کو میں جانتا ہوں کہ مدلس ہے، اور اس روایت کو لیث اور بکر نے ابن عجلان سے انہوں نے ابوالزناد سے انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے مگر اس میں یہ زیادتی نہیں ہے۔

اور......قرأت سے یہ بھی کہا جائے کہ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام جماعت کی جانب سے کسی فرض کا متحمل نہیں ہوتا، پھرتم قائل ہو کے امام فرض قرأت میں مقتدیوں کو کافی ہوتا ہے باوجود اس کے یہ بھی کہتے ہو کہ امام سنتوں میں مثل: ثنا، تسبیح وغیرہ کے مقتدیوں کو کافی نہیں ہوتا، پس اس سے معلوم ہوا کہ تمہارے نزدیک فرض کم درجہ ہے تطوع سے۔ یہاں تک تھا کلام بخاری کا۔

أقول وبالله التوفيق ، ومنه الصواب إلى سواء الطريق: مولانا عبدالحی لکھنوی اپنی تالیفات میں ''سعایہ'' وغیرہ کے تحریر فرماتے ہیں کہ: تعجب کرتا ہوں امام بخاری رحمہ اللہ سے کہ کیونکر جرأت کی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے رد کی ایسے کلمات ضعیفہ سے باوجود جلالت شان اور عظمت کے، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس جگہ جو کلام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر کیا ہے وہ سراسر مخدوش ہے، کوئی کلام خدشہ سے خالی نہیں:

اما اولاً:...... بخاری کا یہ قول'' وهذا منقوض بالثناء'' اس میں خدشہ ظاہر ہے، کیونکہ ہمارے اصحاب حنفیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ جب مقتدی نماز میں داخل ہو اور امام جہر سے قرأت پڑھتا ہو تو مقتدی نہ ثنا پڑھے نہ کچھ اور، اس پر استماع واجب ہے، ہاں اگر مقتدی نماز میں داخل ہو اور امام آہستہ قرأت کرتا ہو تو مقتدی ثنا پڑھے، پس کچھ نقض نہ رہا اور یہی مطلوب ہے۔

اعتراض دوم کا جواب: بخاری کا قول'' القرأة فرض ''اطلاق اس کا ہمارے نزدیک غیر مسلّم ہے، بلکہ قرأت فرض ہے امام اور منفرد کے حق میں اور مقتدی پر استماع فرض ہے بمقتضائے قوله تعالىٰ: ﴿ فاستمعوا له ﴾ پس نہیں لازم آتا مقتدی کو ترک قرأت سے ترک فرض، کیونکہ قرأت مقتدی پر فرض نہیں ہے۔

جواب تیسرے اعتراض کا یہ ہے کہ: بخاری کا کہنا: '' ویقال له '' الخ، بھی صحیح نہیں، کیونکہ آیت سے فقط حالت جہر امام میں واجب استماع ثابت کرنا مقصود تھا، نہ مطلقا ترک قرأت، پس اگر اس سے سری نماز میں مقتدی کا سکوت ثابت نہ ہو تو ہم کو کچھ مضر نہیں ہے۔ علاوہ اس کے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مطلوب آیت کریمہ سے دو امر ہیں: ایک استماع، دوسرا سکوت۔ پس دونوں پر عمل کیا جانا ضروری ہے، اول نماز جہری کے ساتھ خاص ہے اور ثانی نماز سری سے تعلق رکھتا ہے، پس واجب ہے سکوت کرنا مقتدی کا وقت قرأت امام کے۔

جواب اعتراض چہارم: بخاری کا کہنا: '' روی عن ابن عباس '' الخ، نزول اس آیت کریمہ کا خطبہ میں ہو تو بھی ہمارے مقصود کے منافی نہیں ہے، کیونکہ اعتبار اطلاق لفظ کا ہے شان نزول کے ساتھ حکم خاص نہیں ہو جاتا یعنی مورد اگرچہ خاص ہوتا ہے، لیکن حکم عام ہوتا ہے، پس حکم وجوب استماع کا اگر نزول آیت کریمہ کا خطبہ میں بھی ہو، تاہم خطبہ کے ساتھ خاص نہ ہوگا، بلکہ یہ حکم بوجہ اہتمام قرآن کے ہے، اور وہ اہتمام بالقرآن نماز میں بھی موجود ہے، پس فرض ہوا استماع قرآن کا نماز میں بھی۔

جواب اعتراض پنجم کا: قول بخاری '' وقد روی عن سمرة '' الخ، اگرچہ احادیث سے دو سکتے ثابت ہیں: ایک سکتہ بعد تکبیر قبل شروع قرأت کے اور ایک سکتہ قرأت سے فارغ ہونے کے بعد، مگر ثابت ہونا ایسے سکتہ طویلہ کا جس میں قرأت فاتحہ سے مقتدی فارغ ہو جائے محال ہے، ومن ادعیٰ فعلیه البیان۔

جواب اعتراض ششم کا: قول بخاری کا '' هذا لم يثبت '' الخ، اس سے فقط صحت مصطلحہ کا عدم لازم آتا ہے، ترک احتجاج بالکلیہ لازم نہیں آتا۔

جواب اعتراض ہفتم: نہ ثابت ہونا اہل حجاز اور اہل عراق کے نزدیک مضر نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث کوفیوں کے نزدیک ثابت ہے، اور زیادتی ثقہ کی مقبول ہے، چنانچہ کتب اصول اس سے مملو ہیں۔

جواب اعتراض ہشتم کا: بخاری کا'' لا رسالہ '' کہنا بھی مضر نہیں، کیونکہ مرسل حدیث ہمارے نزدیک حجت ہے۔

جواب اعتراض نہم کا: کہنا امام بخاری کا:'' ولو ثبت فیکون الفاتحة '' الخ، یہ دعویٰ امام بخاری رحمہ اللہ کا بلا دلیل ہے، ہم کہیں گے: قرأت مقتدی کی مستثنیٰ ہے '' حدیث لا صلوة إلا بفاتحة الكتاب'' سے۔

جواب اعتراض دہم کا: پھر کہنا بخاری رحمہ اللہ کا'' وهذا مرسل'' الخ، مرسل ہمارے نزدیک مقبول ہے، لہذا اس میں ہم کو کچھ ضرر نہیں ہے۔

جواب اعتراض یازدہم: قول بخاری'' كأن و لم يعرف الرجل ولا يسمى '' الخ، زیادہ سے زیادہ اس خاص طریقہ سے یہ حدیث معتبر نہ ہوگی، باقی اور طریقے اس کے جو قوی اور موید بالآثار ہیں وہ قابل عمل اور لائق استناد ہوں گے۔

جواب اعتراض دوازدہم کا: قول بخاری کا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے:''مت لعنت کرو کسی کو ساتھ لعنت خدا کی اور مت عذاب کرو ساتھ عذاب خدا کے''۔ اس میں عذاب دینے کی نہی ہے، ڈرانے کی اور تخویف کی نہی نہیں ہے، بلکہ تخویف اور ترہیب کے لئے اس قسم کے الفاظ خود بخاری اور مسلم کی روایتوں سے ثابت ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول خدا ﷺ نے ایک روز فرمایا کہ: میں نے ارادہ کیا کہ مؤذن کو حکم دوں کہ وہ اذان کہے پھر کسی کو حکم کروں کہ وہ نماز پڑھائے، پھر اپنے آدمیوں کے ساتھ لکڑیاں لے کر

ان لوگوں کے یہاں جاؤں جو نماز میں نہیں آتے اور ان کے گھروں میں آگ لگا دوں، یعنی جی چاہتا ہے کہ جو لوگ جماعت میں حاضر نہیں ہوتے اور اپنے مکانوں میں بیٹھے رہتے ہیں ان کو مکانوں میں بند کر کے مکانوں کو جلا دوں، تا کہ وہ بھی جل جائیں۔ دیکھو اس میں بھی مثل احادیث مذکورہ کے تخویف ہے، پھر جو جواب امام بخاری اس روایت کا دیں گے وہی جواب حنفیہ اس روایت کا دیں گے۔

سیز دہم اعتراض کا جواب: کہنا امام بخاری رحمہ اللہ کا " ولم يذكر سليمان" الخ، نہ ذکر کرنا اس کا سماع کو کچھ مضر نہیں، کیونکہ ذکر کرنا اور شئی ہے اور عدم سماع شئی دیگر ہے، اور زیادتی ثقہ کی مقبول ہے، اور ثقہ ہونا اس کا بدلائل ناطقہ اظہر من الشّمس ہے، اعادہ کی حاجت نہیں۔

جواب اعتراض چہار دہم کا: قول بخاری کا: " ولو صح يحمل على ماسوى الفاتحة " الخ، جواب اس کا یہ ہے کہ: اس میں ...... پر کیا دلیل ہے؟ جو دلیل ہو وہ پیش کی جائے، کیونکہ کلام کو معنی ظاہر متبادر سے پھیر کر دوسرے معنی پر بلا دلیل لے جانا محال ہے، پس اس کے واسطے کوئی دلیل جلی ہونی چاہئے، اور یہ غیر ممکن الوجود ہے۔

جواب اعتراض پانز دہم کا: قول بخاری کا: " ولا يعرف هذا إلا من حديث خالد " الخ، جواب اس کا یہ ہے کہ: ابو خالد ثقہ ہے، توثیق کی ہے اس کی ایک جماعت کثیرہ اور جمہور نے، اور بعض کا جرح مبہم مخالف ہے جماعت اور جمہور کے، اور یہ جرح کچھ مضر نہیں، چنانچہ تصریح اس کی گذر چکی ہے۔

جواب اعتراض شانز دہم کا: قول بخاری " ولم ......أبو خالد في زيادته " الخ، جواب اس کا یہ ہے کہ: محمد بن سعد وغیرہ نے متابعت کی اس کی اس زیادتی میں، جیسا کہ یہ قصہ اوپر

گذر چکا ہے، دوبارہ اعادہ کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

جواب اعتراض ہفت دہم کا: قول بخاری کا:" ویقال لهذا القائل " الخ، جواب اس کا یہ ہے کہ: اس قائل نے جو کچھ کہا ہے بوجہ متابعت نصوص واردہ کے کہا ہے، نہ بمجرد رائے کے کہ قول بخاری کا ان کے طرف عائد ہو۔

تنبیہ:...... عاجز ہیچ مدان ناظرین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ میں نے یہ تینوں اقوال مع تاویل وجرح اور مع سوال وجواب کے لکھے ہیں، اس سے کسی پر اعتراض یا عناداً جرح وطعن مقصود نہیں ہے، بلکہ فقط اظہار حق مقصود ہے، تاکہ متعصب طعن سے باز آئیں، امید کہ ناظرین اس کے عیبوں کو دور کر کے زینت اصلاح سے مزین فرمائیں، ورنہ اظہار عیوب سے سکوت فرما کر پردہ پوشی کریں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

تاریخ اختتام:

۱۳؍رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ

حررہ: عبد من عباد اللہ خادم الطلباء

القاضی رحمت اللہ

ترتیبُ المسائِل

علٰی اقوی الدّلائل

حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری، راندیری

ترتیب وحواشی واضافہ وعنوانات

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات کفلیتہ

ترتیبُ المسائِل علیٰ اقوی الدّلائل

اس رسالہ میں حضرت امام ابو احنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف کئے گئے چند اعتراضات کے تشفی بخش جوابات دیئے گئے ہیں۔اور اٹھارہ مشہور اور اختلافی مسائل جن کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ احناف کے پاس ان کے دلائل نہیں ہیں' کو احادیث و آثار سے مدلل اور مبرہن کر کے لکھا گیا ہے۔ ہر حنفی کو' اور اعتراض کرنے والے جملہ احباب کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری' راندیری

ترتیب،حواشی،اضافہ وعنوانات

مرغوب احمد لاجپوری

عرض مرتب

حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری‘ محدث راندیری رحمہ اللہ کی اپنے موضوع پر یہ بہترین کتاب ’’ترتیب المسائل علٰی اقوی الدّلائل ‘‘ کی اشاعت کی توفیق پر راقم الحروف بارگاہ ایزدی میں شکر گذار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سعی کو حضرت مصنف رحمہ اللہ اور راقم اور اس کی طباعت میں تعاون کرنے والے جملہ احباب کے لئے ذریعۂ نجات و ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

حضرت رحمہ اللہ نے اس کتاب میں ایسے مسائل کو جن میں احناف پر یہ اعتراض و پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ ان مسائل کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں‘ کو سوال و جواب کے انداز میں باحوالہ دلائل کے ساتھ مرتب فرمایا۔ ان مسائل کے لئے فہرست کو ایک نظر میں دیکھ لیا جائے تاکہ معلوم ہو کہ اس کتاب میں کیسے کیسے مسائل جمع ہو گئے ہیں۔

آج جبکہ احناف کے خلاف اس طرح کی کاروائی اور الزام کا دور ایک منظّم چال کے لئے ذریعہ خوب پھیلایا جارہا ہے، انشاء اللہ ایسے وقت میں اس کی طباعت امید قوی ہے کہ مفید سے مفید تر ثابت ہوگی۔

شروع میں ارادہ تھا کہ حضرت رحمہ اللہ کی زبان (جو آج سے تقریباً ۷۰/۸۰ سال پہلے کی زبان ہے) کو آج کی زبان میں تبدیل کردوں، مگر بڑوں کے مشورے سے یہی طے پایا کہ اسی کو باقی رکھا جائے۔

مرغوب احمد لاجپوری

تعارف کتاب

حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب لاجپوری محدث راندیری رحمہ اللہ نے چند اہم مسائل کو قوی دلائل سے مزین کر کے اس کتاب میں مرتب کیا ہے۔آج ایک طبقہ احناف کے خلاف اپنی صلاحیت کو صرف کرنا عین خدمت دین سمجھ رہا ہے، اس لئے علماء احناف کو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان حضرات کے اعتراضات کے جوابات احادیث کی روشنی میں دیئے جائیں، الحمد للہ علماء امت نے ہر ہر مسئلہ کو احادیث کی روشنی میں مبرہن کیا اور ان حضرات کے اعتراضات کے مدلل اور تسلی بخش جوابات دیئے، جو اہل انصاف کے لئے کافی وشافی ہیں، ہاں ضد کا تو کوئی علاج نہیں۔

حضرت مؤلف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں بہت اہم مسائل جمع کئے ہیں مثلا:

(۱)......تقلید مذہب معین کس کے لئے واجب ہے اور کس کے لئے مستحسن؟

(۲)......تقلید ائمۂ مجتہدینؒ درحقیقت اطاعت خدا اور رسول میں داخل ہے۔

(۳)......کیا تقلید شرک ہے؟

(۴)......امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مأخذ پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول اللہ پھر قضایائے صحابہ (رضی اللہ عنہم) ہیں۔

(۵)......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ارشاد کہ: حدیث کے مقابلہ میں میرا قول ترک کرو۔

(٦)......حدیث ضعیف بھی قیاس پر مقدم ہے۔

(۷)......غیر مجتہد کے لئے تقلید واجب ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی بعض بعض کا اقتدا کرتے تھے۔

(۸)......امام صاحب رحمہ اللہ پر بعض حضرات جرح کرتے ہیں تو یہ جرح مقبول ہے یا

مردود؟

(۹)......جرح دو ہیں: ایک مبہم، دوسری مفسر۔

(۱۰)......امام صاحب رحمہ اللہ پر یہ اعتراض کہ: آپ قیاس کو مقدم کرتے ہیں۔

(۱۱)......ایک اعتراض یہ کہ: آپ قلیل الروایۃ ہیں۔

(۱۲)......ایک اعتراض یہ کہ: آپ کثیر التعبد تھے۔

(۱۳)......ایک اعتراض یہ کہ: آپ پر بڑے بڑے محدثین نے طعن کیا ہے۔

(۱۴)......معاصرین ومتأخرین کی جرح۔

(۱۵)......بعض جرح میں متشدد ہیں۔

(۱۶)......ایک جرح آپ پر یہ ہے کہ: آپ کے اکثر شاگرد وضاع اور مجروح ہیں۔

(۱۷)......ایک جرح یہ ہے کہ: آپ اکثر ضعفاء سے روایت کرتے ہیں۔

ان عنوانات میں سے بعض کے تحت مؤلف رحمہ اللہ نے بڑی تفصیلی اور حوالوں سے مدلل بحث کر کے ایک ایک اعتراض کا منہ توڑ جواب دیا ہے، اور بعض ابحاث پر مختصر کلام کر کے کتب معتبرہ کے حوالے دے کر قاری کی رہنمائی فرمائی ہے کہ ان کتابوں میں اس موضوع پر تفصیلی بحث موجود ہے، وقت پر وہاں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ ہر بحث قابل مطالعہ ہے۔ انشاء اللہ ان ابحاث کے مطالعہ سے حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے خلاف پروپیگنڈے کی حیثیت معلوم ہو جائے گی کہ معترضین کے اعتراضات میں کتنا دم ہے، اور خالی الذہن ہو کر مطالعہ کرنے والا امام صاحب رحمہ اللہ کے مرتبہ اور مقام کا تأثر لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ان موضوعات کے بعد موصوف نے اٹھارہ مشہور اور اہم اختلافی مسائل کو اپنے مخصوص

انداز میں سوال و جواب کے طرز پر لکھ کر بڑی مفید اور کام کی باتیں جمع فرمادی، مثلاً:

(۱)......سجدے میں جانے کی ترتیب کس طرح ہوگی، پہلے گھٹنے' پھر ہاتھ' پھر سر زمین پر رکھا جائے گا یا اور کوئی ترتیب ہوگی؟

(۲)......جلسۂ استراحت ہے یا نہیں؟

(۳)......قعدہ میں داہنے پیر کو کھڑا رکھنا اور بائیں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا۔

(۴)......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو اختیار کرنے کی وجوہات کیا ہیں؟

(۵)......کیا امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک تشہد میں اشارہ کرنا مکروہ و بدعت ہے؟

(۶)......سجدۂ سہو سلام کے بعد ہے یا سلام سے پہلے؟

(۷)......وتر کے وجوب کی دلیل کیا ہے؟

(۸)......وتر کی تین رکعتیں ایک سلام سے ہیں یا دو سلام سے؟

(۹)......وتر میں رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھنا اور رفع یدین قنوت سے پہلے کرنا ہے یا بعد میں؟

(۱۰)......ایک رکعت ملنے کی امید ہو تو فجر کی سنت پڑھے یا نماز میں شامل ہو جائے؟ اور اگر پڑھے تو کہاں پڑھی جائے؟

(۱۱)......عیدین کے خطبے دو ہیں یا ایک؟

(۱۲)......جمع بین الصلوتین جائز ہے یا نہیں؟

(۱۳)......سورج گہن کی نماز میں قرائت جہری ہے یا سری؟ اور رکوع ایک ہے یا زیادہ؟

(۱۴)......غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

(۱۵)......دفن کے بعد قبر پر تلقین کی کیا حیثیت ہے؟

(۱۶)......سونے اور چاندی کے زیور جو استعمال کے لئے ہیں ان میں زکوۃ فرض ہے یا نہیں؟

(۱۷)......قربانی کے دن چار ہیں یا تین؟

(۱۸)......فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا کیسا ہے؟

وغیرہ مسائل کو تفصیل سے احادیث اور آثار صحابہ سے مدلل کر کے لکھا ہے۔ کئی جگہوں پر ان دلائل اور احادیث پر کئے جانے والے اشکالات کے جوابات بھی دیئے ہیں۔ ہر عالم کے لئے خصوصا اور علم ذوق عوام کے لئے بھی اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

راقم نے بعض مواضع میں مفید باتیں اپنے بزرگوں کی کتابوں کو سامنے رکھ کر حاشیہ میں بڑھادی ہیں، انشاء اللہ ناظرین کے لئے وہ بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوں گی۔ اصل کتاب میں قدیم طرز کے مطابق عنوانات نہیں تھے، راقم نے پوری کتاب میں اپنی سمجھ کے مطابق عنوانات قائم کئے ہیں، تاکہ تلاش میں آسانی وسہولت ہو۔

اللہ تعالی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور حضرت مؤلف رحمہ اللہ اور راقم ومرتب اور اس کی اشاعت میں تعاون کرنے والے جملہ احباب کے لئے ذخرۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

تقریظ

جناب مولانا مولوی محمد امین الدین صاحب

مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی سنہری مسجد

الحمد للّٰہ رب العٰلمین ، والصلوٰۃ والسّلام علی رسولہ محمّد واٰلہ واصحابہ اجمعین ، اما بعد !

ناظرین منصفین پر واضح ہو کہ جناب مولانا قاضی محمد رحمت اللہ صاحب راندیری سلمہٗ ربہ القوی، کا یہ جامع رسالہ جو حنفیہ کی تائید میں مولانا موصوف نے تحریر فرمایا ہے، خاکسار نے اکثر مواقع سے دیکھا۔ غیر مقلدین متعصبین کے اعتراضات دفع کرنے کے لئے کافی ووافی پایا۔ خدا تعالیٰ جناب مؤلف کو اس محنت و جانکاہی کا اجر جزیل عطا فرمائے، اوران کا فیض ہمیشہ ہمیشہ جاری رکھے، آمین۔ فقط

امین الدین غفرلہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد للّٰہ علیٰ نواله الافخم ، والصلوة والسلام علی رسوله المعظم ، وعلیٰ اٰله وصحبه ذوی المجد والکرم ، اما بعد۔

تقلید مذہب معین کس کے لئے واجب ہے اور کس کے لئے مستحسن

جاننا چاہئے کہ بعض محققین نے تقلید مذہب معین کو مذاہب اربعہ میں سے واجب کہا ہے، اور بعضوں نے مستحسن۔ ان دونوں قولوں میں تطبیق کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص فن حدیث کا عالم ہو، چاروں مذاہب کے مآخذ اور اصول سے واقف ہو، کلام اللہ کی آیات منسوخہ اور غیر منسوخہ اور ان کے معانی سے بخوبی مطلع ہو، اور معرفت ضعف وصحت حدیث میں ملکہ رکھتا ہو، کیفیت رواۃ سے آگاہ ہو، احادیث کثیرہ اس کو مستحضر ہوں، اکثر کتابیں حدیث کی اس کے مطالعہ سے گذری ہوں، ان سب باتوں کا جو شخص جامع ہو اس کو تقلید مذہب معین کی کرنا مستحسن ہے۔ اور جس شخص میں یہ شرائط متحقق نہیں، تقلید کا وجوب اس کے حق میں ہے۔

اور اس زمانے میں ایسا شخص جو شرائط مذکورہ کا جامع ہو، اکثر مقامات میں متحقق نہیں، اگرچہ ممکن الوجود بامکان عقلی ہے۔

تقلید ائمہ مجتہدین، درحقیقت اطاعت خدا اور رسول میں داخل ہے

اور تقلید ائمہ مجتہدین کی مسائل شرعیہ میں، درحقیقت اطاعت خدا اور رسول میں داخل ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرّسول ﴾ اور اسی واسطے مفسرین نے ﴿ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ سے امرا اور سلاطین مسلمین مراد لئے ہیں، [1] نہ مجتہدین شریعت۔

[1]...... ”اُولِی الْاَمْر“ کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ: اس سے مراد مسلمان حکام ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ: اس سے فقہاء مراد ہیں۔ یہ دوسری تفسیر حضرت جابر بن عبداللہؓ

اس وجہ سے کہ اطاعت مجتہدین عین اطاعت خدا اور رسول ہے۔ ہاں اگر فرق ہوتا تو علماء

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) حضرت مجاہدؒ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ حضرت عطاء بن السائبؒ حضرت حسن بصریؒ حضرت ابوالعالیہ (رحمہم اللہ) اور دوسرے بہت سے مفسرین سے منقول ہے۔ اور امام رازی رحمہ اللہ نے اسی تفسیر کو متعدد دلائل کے ذریعہ ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے:

''اس آیت میں لفظ'' اُولِی الْاَمْر '' سے علماء مراد لینا اولیٰ ہے''۔ (تفسیر کبیر ص ۳۳۴ ج ۳)

اور امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: دونوں تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں، بلکہ دونوں مراد ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ حکام کی اطاعت سیاسی معاملات میں کی جائے، اور علماء وفقہاء کی مسائل شرعیت کے باب میں۔

اور علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: امراء کی اطاعت کا نتیجہ بھی بالآخر علماء ہی کی اطاعت ہے کیونکہ امراء بھی شرعی معاملات میں علماء کی اطاعت کے پابند ہیں: فطاعة الامراء لطاعة العلماء۔

رہا اس آیت کا اگلا جملہ جس میں ارشاد ہے کہ: ﴿ فان تنازعتم فی شیء فردوه الی الله والرسول ان کنتم تؤمنون بالله والیوم الآخر ﴾ پس اگر کسی معاملہ میں تمہارا باہم اختلاف ہو جائے تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

سو یہ اس تفسیر کے مطابق مستقل جملہ ہے، جس میں مجتہدین کو خطاب کیا گیا ہے، چنانچہ امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ'' اُولِی الْاَمْر '' کی تفسیر علماء سے کرنے کی تائید میں لکھتے ہیں:

اور'' اُولِی الْاَمْر '' کی اطاعت کا حکم دینے کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ'' اگر کسی معاملہ میں تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو'' اس بات کی دلیل ہے کہ '' اُولِی الْاَمْر '' سے مراد فقہاء ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو ان کی اطاعت کا حکم دیا، پھر'' فان تنازعتم ''فرما کر'' اُولِی الْاَمْر '' کو حکم دیا کہ جس معاملے میں ان کے درمیان اختلاف ہوا سے اللہ کی کتاب اور نبی کریم ﷺ کی سنت کی طرف لوٹا دو، یہ حکم فقہاء ہی کو ہو سکتا ہے، کیونکہ عوام الناس اور غیر اہل علم کا یہ مقام نہیں ہے اس لئے کہ وہ اس بات سے واقف نہیں ہوتے کہ اللہ کی کتاب اور سنت کی طرف کسی معاملے کو لوٹانے کا کیا طریقہ ہے؟ اور نہ انہیں نت نئے مسائل مستنبط کرنے کے لئے دلائل کے طریقوں کا علم ہوتا ہے، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ خطاب علماء کو ہے۔

مشہور اہل حدیث عالم حضرت علامہ نواب صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر میں

امت اور مجتہدین ''اولوالامر منکم '' سے مراد ہوتے۔ چنانچہ ''بیضاوی'' میں ہے کہ: اس کی تائید کرتا ہے قول اللہ تعالیٰ کا: ﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾۔ اس واسطے کہ مقلد کو جائز نہیں ہے کہ مجتہد سے اس کے حکم میں نزاع کرے، بخلاف امرا کے۔ اور عبارت اس کی یہ ہے:

''وَهُوَ يُؤَيِّدُ الْوَجْهَ الْاَوَّلَ اِذْ لَيْسَ لِلْمُقَلِّدِ اَنْ يُّنَازِعَ الْمُجتهِدَ فِیْ حُكْمِهٖ بخلاف المَرْؤُسِ انتهت''۔

اور کیونکر اطاعت علمائے مجتہدین کی' اطاعت خدا اور رسول کی نہ ہوگی، حالانکہ وہ لوگ حاملانِ علم نبوت اور شارحان کتاب وسنت ہیں۔

کیا تقلید شرک ہے؟

اور بعض جہلا جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تقلید ابوحنیفہ اور شافعی وغیرہما کی ایسی ہے جیسے مشرکین اپنے آبا اور اجداد کی کرتے تھے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ قیاس اس تقلید کا مشرکین کی تقلید پر قیاس مع الفارق اور باطل ہے، کیونکہ مقلدین مجتہدین کو علم نبوت کا وسیلہ اور اصول احکام شریعت کا ذریعہ سمجھ کر تقلید کرتے ہیں، بالاستقلال ان کو مصدر احکام نہیں جانتے۔[1]

یہ اعتراف فرمایا ہے کہ'' فان تنازعتم ''الخ، کا خطاب مجتہدین کو ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''والظاهر انه خطاب مستقل مستانف موجه للمجتهدين ''اور ظاہر یہ ہے کہ یہ مستقل خطاب جس میں روئے سخن مجتہدین کی طرف ہے۔ (تفسیر فتح البیان ص ۳۰۸ ج ۲۔ تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۶)

[1]......غیر مقلدین قرآن کریم کی آیت: ﴿ واذا قيل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما وجدنا عليه آبائنا اولو كان الشيطان يدعوهم الى عذاب السعير ﴾

اور جب ان کو کہیے چلو اس حکم پر جو اتارا اللہ نے، کہیں گے نہیں ہم تو چلیں گے اس پر جس پر پایا ہم

نے اپنے باپ دادوں کو، بھلا اور جو شیطان بلاتا ہوان کو دوزخ کے عذاب کی طرف تو بھی۔

یعنی اگر شیطان تمہارے باپ دادوں کو دوزخ کی طرف لے جارہا ہوتب بھی اس کے پیچھے چلو گے؟اور جہاں وہ گریں گے وہیں گرو گے؟۔(ترجمہ از: شیخ الہند رحمہ اللہ اور تشریح از: مولانا عثمانی رحمہ اللہ) سے استدلال کرتے ہیں کہ جس طرح قرآن کریم نے باپ داداؤں کی تقلید سے منع کردیا اسی طرح ائمہ کرام کی تقلید بھی ممنوع اور شرک ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: ان آیات میں جس تقلید کی تردید کی گئی ہے وہ ایسی تقلید ہے جو اللہ تعالی اور جناب رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مدمقابل ہو، ایسی تقلید کے حرام٬ شرک٬ مذموم اور قبیح ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اہل اسلام اور اہل علم میں کون ایسی تقلید کو جائز قرار دیتا ہے؟ اور ایسے مقلدوں کو کون مسلمان اور حق پر سمجھتا ہے جو خدا تعالی اور اس کے پیغمبروں کی تعلیم اور ان کے حکم کے خلاف کہتے اور کرتے ہیں؟ الغرض ان آیات سے جس تقلید کی تردید ثابت ہے اس کا کوئی بھی مسلمان قائل نہیں، اور جس تقلید کے اہل اسلام قائل ہیں اس کی تردید ان آیات سے ثابت نہیں ہے، بلکہ اگر باپ دادے علم وعقل اور ہدایت پر ہوں تو ان کی اتباع کا ثبوت ملتا ہے، جیسا کہ کسی بھی عاقل سے مخفی نہیں، اور خود قرآن کریم سے اہل حق آباء واجداد کی پیروی کرنا ثابت ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں سے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ:

﴿ نعبد الهک واله اٰبائک ابراهیم و اسمعیل واسحق الها و احدا ﴾۔(سورۂ بقرہ آیت نمبر:۱۳۳)

ہم بندگی کریں گے تیرے باپ دادوں کے رب کی جو کہ ابراہیم٬ اسماعیل اور اسحاق ہیں (علیہم السلام) وہی ایک معبود ہے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ اگر باپ دادے حق پر ہوں تو ان کے طریقہ پر چلنا اور ان کی اتباع و پیروی کرنا پیغمبرانہ وصیت میں داخل ہے، تو اس کے جائز اور پسندیدہ ہونے میں کیا کلام ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں قیدیوں کو تبلیغ کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا:

﴿ واتبعت ملة اٰبائی ابراهیم و اسحق و یعقوب ﴾۔(سورۂ یوسف: آیت نمبر:۵)

اور میں نے اپنے باپ دادوں ابراہیم٬ اسحٰق٬ یعقوب (علیہم السلام) کی ملت کی پیروی کی ہے۔

اگر دین حق میں باب دادوں کی پیروی مذموم اور بری ہوتی تو حضرت یوسف علیہ السلام اس پیروی

امام ابوحنیفہ کا مأخذ اول کتاب اللہ پھر سنت پھر قضایائے صحابہ ہیں

چنانچہ امام ابوجعفر (رحمہ اللہ) نے بسند متصل نقل کیا ہے کہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہمارا مأخذ اول کتاب اللہ پھر سنت رسول اللہ پھر قضایائے صحابہ ہیں، اور ہم

کا کبھی تذکرہ نہ فرماتے اور نہ اللہ تعالی اس کو مقام مدح میں بیان فرماتے۔

قرآن کریم کی ان نصوص کی روشنی میں یہ بات بالکل عیاں ہوگئی کہ اللہ تعالی اور اس کے برحق انبیاء کرام علیہم السلام کے احکام کے مقابلہ میں آباء واجداد کی تقلید حرام ہے اور اللہ تعالی اور اس کے سچے پیغمبروں کی اتباع میں اہل حق آباء واجداد کی پیروی جائز اور محمود ہے، اور اس صریح فرق کو نظر انداز کرنا کسی عاقل اور متدین کا کام نہیں ہوسکتا۔ الغرض حرام اور مذموم تقلید کی حرمت سے جائز اور مطلوب تقلید کا عدم جواز ثابت کرنا یک طرفہ کاروائی اور نرالا تماشا ہے۔

صاف وشفاف تھی پانی کی طرح نیت دل کی دیکھنے والوں نے دیکھا اسے گدلا کرکے

امام قرطبی (محمد بن احمد ابوعبداللہ الانصاری الاندلسی م: ۶۷۱) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اس آیت سے بعض لوگوں نے تقلید کی مذمت پر استدلال کیا ہے جنہوں نے باطل میں اپنے باپ دادوں کی اتباع کی اور کفر اور معصیت میں ان کی اقتدا کی ہے اور ایسی باطل تقلید کے بطلان پر اس سے استدلال صحیح ہے۔ رہی حق کے سلسلہ میں تقلید تو وہ اصول دین میں سے ایک اصل ہے، اور مسلمانوں کے دین کی حفاظت کا ایک بڑا ذریعہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ دین کے معاملہ میں تقلید ہی پر اعتماد کرتا ہے۔ (تفسیر قرطبی ص۱۹۴ ج۱، طبع مصر)

قاضی بیضاوی (ابوالخیر عبداللہ بن عمر شیرازی م: ۶۸۵) فرماتے ہیں: بہرحال احکام دین میں غیر کی اتباع یہ جاننے کے بعد کہ وہ حق پر ہے جیسا کہ حضرات انبیاء کرام اور حضرات مجتہدین تو یہ درحقیقت مذموم تقلید نہیں، بلکہ یہ اس حکم کی جو اللہ تعالی نے نازل کیا اتباع ہے۔ (تفسیر بیضاوی ص۱۱۱)

علامہ آلوسی (شہاب الدین م: ۱۲۷۰ھ) رحمہ اللہ لکھتے ہیں: بہرحال دین میں غیر کی اتباع دلیل کے ساتھ یہ جاننے کے بعد کہ وہ حق پر ہے تو درحقیقت یہ اس حکم کی پیروی ہے جو اللہ تعالی نے نازل فرمایا ہے اور اس کا مذموم تقلید سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ تم اہل علم سے سوال کرو اگر تم خود نہیں جانتے۔ (روح المعانی ص۱۴۱ ج۲)

عمل کرتے ہیں جس پر اتفاق ہوتا ہے صحابہ کا، اور جس میں کہ اختلاف ہوتا ہے صحابہ کا اس میں قیاس کرتے ہیں۔

اور روایت کیا بیہقی نے ''مدخل'' میں بسند صحیح حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے:

عن عبداللّٰہ ابن المبارک قال : سمعت ابا حنیفة رحمة اللّٰہ علیه یقول : اذا جاء عن النبی صلی اللہ علیه وسلم فعلی الرأس والعین ، واذا جاء عن اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم نختار من قولهم ، واذا جاء من التابعین زاحمناهم۔

یعنی جو بات منقول ہو پیغمبر خدا ﷺ سے وہ سر اور آنکھوں پر ہے، اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہو اس میں سے ہم چن لیتے ہیں اور جو تابعین سے منقول ہو تو ہم ان کی مزاحمت کرتے ہیں، یعنی اس میں کلام کرتے ہیں اور قیاس کو دخل دیتے ہیں۔

اور کس طرح حضرت امام صاحب (رحمہ اللہ) تابعین کے قول میں مزاحمت نہ کریں گے، کیونکہ خود بھی وہ تابعین میں سے ہیں، چنانچہ میں نے رسالہ ''سبع سنابل'' میں بادلۂ مثبتہ مسکتہ ثابت کر دیا ہے، جسے منظور ہو مطالعہ فرمائے۔

حدیث کے مقابلہ میں میرا قول ترک کرو، حدیث ضعیف بھی قیاس پر مقدم

اور ''روضۃ العلماء'' سے منقول ہے: '' اُتْرُکُوا قولی بخبر رسول اللّٰہِ صلی اللہ علیه وسلم ''یعنی فرمایا امام صاحب نے: ترک کرو قول میرا بمقابلہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے۔

اور فرمایا: ''اذا صحّ الحدیث فهو مذهبی ''یعنی جب صحیح ثابت ہو جائے حدیث تو وہی میرا مذہب ہے۔

اور ''صراط مستقیم'' میں ہے کہ: اصحاب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم متفق ہیں کہ حدیث اگر چہ

اس کی سند ضعیف ہو قیاس سے مقدم اور اولیٰ ہے، چنانچہ کتب اصول میں مصرح ہے، اور ''میزان شعرانی''میں ہے:

''وماطعن احد فی قول من اقوالھم الا بجھلہ بہ ، اما من حیث دلیلہ ' واما من حیث دقۃ مدارکہ علیہ ، لاسیّما الامام الاعظم ابو حنیفۃ الذی اجمع السّلف والخلف علی علمہ وورعہ وعبادتہ ودقۃ مدارکہ واستنباطاتہ ، وحاشاہ من القول فی دین اللّٰہ بالرأی الذی لایشھد لہ ظاھر کتاب ولاسنۃ''۔

یعنی نہیں طعن کیا کسی نے کسی قول میں اقوال مجتہدین سے، مگر اپنی جہالت سے یا تو اس کی دلیل سے واقف نہ ہوا، یا اس کے مأخذ کی باریکی نہ سمجھی، بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے علم اور ورع اور عبادت اور دقت مدارک اور استنباطات پر خلف وسلف متفق ہیں، اور حاشا اللہ کہ انہوں نے دین میں کوئی ایسی رائے قائم کی ہو جس کی کتاب یا سنت شاہد نہ ہو۔

غیر مجتہد کے لئے تقلید واجب، اور صحابہ بھی بعض، بعض کا اقتدا کرتے تھے

اب رہا یہ کہ غیر مجتہد کے لئے تقلید واجب ہے، تو اس پر علمائے امت نے اتفاق کیا ہے۔ جلال الدین محلی (رحمہ اللہ) نے ''شرح جمع الجوامع''میں لکھا ہے:

''یجب علی العامی وغیرہ ممن لم یبلغ مرتبۃ الاجتھاد التزام مذھب معیّن من مذاھب المجتھدین ، انتھٰی''۔

یعنی واجب ہے عامی اور غیر عامی پر جو نہ پہنچا ہو درجۂ اجتہاد تک کہ مجتہدین کے مذاہب میں سے ایک مذہب کا التزام کرے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ مذہب معین کی تقلید واجب ہے تو صحابہ اور تابعین کے زمانہ

میں اس کا ثبوت ہونا چاہئے اوران سے منقول ہونا چاہئے ،اگر زمانہ مشہود لہا بالخیر میں اس تقلید کا ثبوت ہوتو نقل کرو، ورنہ ذکر چھوڑ دو۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ: علامہ مفتی عظیم مفتی الخفیہ بمکۃ المعظمۃ المتوفی ۱۰۵۰ھ جو معتبرین احناف سے ہیں اپنے رسالہ’’ القول السدید فی مسائل التقلید ‘‘میں لکھتے ہیں

’’ قد کان صحابة يقتدى بعضهم ببعض و كذا التابعون ، وفيهم المجتهدون ولم ينقل عن احد من السلف انه كان لايرٰی الا قتداء بمن يخالف قوله فی بعض المسائل ولو فی خصوص الطهارة ، بل كان يقتدى بعضهم ببعض‘‘ انتہٰی۔

۱؎...... چندمثالیں درج ذیل ہیں

(۱):......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے متعلق فرمایا کہ: اگر میں خلافت کے لئے کسی کو نامزد کردوں تو بے شک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لئے (مجھے) نامزد کیا تھا، اور اگر میں خلافت کے لئے کسی کو نامزد نہ کروں تو آنحضرت ﷺ نے (علی التعیین نام لے کر) کسی کو نامزد نہیں کیا تھا۔

یعنی میرے لئے دونوں کی گنجائش ہے،اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اتباع کو دلیل بنایا۔

(۲):......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

’’اگر تمام لوگ ایک وادی اور گھاٹی میں چلنے لگیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی اور وادی اور گھاٹی میں چلیں تو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وادی اور گھاٹی میں ہی جاؤں گا۔

(۳):......حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کسی نے دادا کی وراثت کے متعلق سوال کیا،تو آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے بیان فرمادی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دادا کو باپ کی طرح سمجھتے تھے۔

(۴):......یہی واقعی بعینہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی صحیح بخاری (ص۵۱۶ ج۱) میں مذکور ہے۔

یعنی صحابہ اور تابعین اقتدا کرتے تھے بعض ساتھ بعض کے۔ ۱ے اور ''عقد الجید'' میں بھی اس کی تصریح ہے۔ اس کے سوا بہت ادلہ در بارہ ثبوت تقلید ہیں جو صاحب شکوک اور اوہام دفع کرنا چاہیں وہ بنظر انصاف جناب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''عقد الجید'' کو ملاحظہ فرمائیں وہ کافی وشافی ہے، فتدبر۔

امام صاحب پر بعض جرح کرتے ہیں تو یہ جرح مقبول ہے یا مردود؟

سوال: ......کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جناب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر بعض الناس جرح وطعن کرتے ہیں تو یہ جرح وطعن مقبول ہے یا مردود؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ......واضح کہ اول تو یہ ضروری ہے کہ مزکی یعنی تزکیہ کرنے والا خود عادل اسباب جرح اور تعدیل سے واقف ہو، اور یہ کہ وہ منصف مزاج اور ناصح ہو نہ یہ کہ متعصب اور معجب یعنی خود پسند ہو، کیونکہ جو متعصب اور خود پسند ہو اس کے قول کا کیا اعتبار ہے، وہ خود

---

(۵): ......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:
''جب کوئی ثقہ آدمی ہم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتوی بیان کرے تو ہم اس سے ذرا بھی پس و پیش نہیں کریں گے۔

(۶): ......حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے کسی نے ایک سوال کیا، انہوں نے جواب دیا اور پھر فرمایا کہ: جا کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھ لو، پھر یہی سوال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کیا گیا، انہوں نے جو جواب دیا وہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے جواب کے مخالف تھا، حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے جواب کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے رجوع کرتے ہوئے فرمایا جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے: ''لا تسئلونی ما دام هذا الحبر فيكم'' جب تک یہ متبحر عالم تم لوگوں میں موجود ہیں تم مجھ سے مت پوچھا کرو۔ (بخاری ص ۹۹۷ ج ۲۔ ابوداؤد ص ۴۴ ج ۲۔ ترمذی ص ۳۰ ج ۲۔ الکلام المفید فی اثبات التقلید ص ۳۹)

غیر معتبر اور غیر معتمد ہے، جیسا کہ دارقطنی وغیرہ نے امام صاحب (رحمہ اللہ) پر جرح کیا ہے کہ جناب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ضعیف ہیں حدیث میں، یہ طعن کرنا دارقطنی کا انصاف سے بعید اور تعصب اور خود پسندی کے قریب ہے، چنانچہ تصریح اس کی علامہ قاضی محمد بن ابراہیم بن سعداللہ الحموی الدمشقی نے ''فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت '' میں کی ہے:

''لابد للمزكى ان يكون عدلا عارفًا باسباب الجرح والتعديل ، وان يكون منصفا ناصحاً لا ان يكون متعصبا ومعجبا بنفسه ، فانه لا اعتداد بقول المتعصب كما قدح الدار قطنى فى الامام ابى حنيفة بأنه ضعيف فى الحديث ، وايُّ شناعة فوق هذا ؟ فانّه امام ورع تقى نقى خائف من اللّٰه وله كرامات شهيرة ، فباى شيءٍ تطرق اليه الضعف ؟ فتارة يقولون : انه كان مشتغلا بالفقه ، انظر بالانصاف ايّ قبح فيما قالوا ؟ بل الفقيه اولٰى بان يؤخذ الحديث منه ، وتارةً يقولون : انه لم يلاق ائمة الحديث انما اخذ ما اخذ من حماد ، وهذا ايضا باطل، فانه روى عن كثير من الائمة كالامام محمد الباقر والاعمش وغيرهما ' مع ان حمادا كان عالما بل كان وعاء للعلم ' فالاخذ منه اغناه عن الاخذ عن غيره ، وهٰذا ايضا اٰية على ورعه وكمال تقواه وعمله فانّه لم يكثر الاساتذة لئلا تتكثر الحقوق فيخاف عجزه عن ايفائها ، وتارة يقولون : انه كان من اصحاب القياس والرأى ، وكان لايعمل بالحديث حتى وضع ابوبكر بن ابى شيبة فى كتابه بابا للردّ عليه وترجمه بباب الرّد على ابى حنيفة ، وهذا ايضا من التعصب ، كيف ؟ وقد قبل المراسيل وقال : ماجاء من رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم فبالرأس والعين ' وماجاء عن اصحابه فلا اتركه ' ولم يتخصص بالقياس عام خبر الواحد فضلا عن عام الكتاب ، ولم يعمل بالاخالة

والمصالح المرسلة ، والعجب انهم طعنوا فی هذا الامام مع قبولهم الامام الشافعی، وقد قال فی اقوال الصحابة کیف اتمسک بقول من لو کنت فی عصره لحاجته وردّ المراسیل وخصّص عام الکتاب بالقیاس وعمل بالاخالة ، وهل هذا الا بهت من ھٰولاءِ الطاعنین ، والحق ان الا قوال الّتِی صدرت عنهم فی حق هذا الامام الهمام کلّها صدرت من التعصب لایستحق ان یلتفت الیها ولاینطفی نورالله بافواههم فاحفظ ''۔

اوراسی طرح'' تنویر الصحیفه بمناقب الامام ابی حنیفه ''میں ہے کہ: خطیب بغدادی کے کلام پر دھوکا مت کھاؤ، کیونکہ وہ بھی متعصب ہے،اس نے ایک جماعت پر علماء کی تعصب کیا ہے مثل ابوحنیفہ اوراحمد (رحمہما اللہ) کے۔اور خطیب کے رد میں بعض علماء نے ''السهم المصیب فی کبد الخطیب '' تالیف کی ہے،لیکن ابن الجوزی نے متابعت کی ہے خطیب کی،اوراس کے نواسے نے اس پر طعن کرتے ہوئے کہا ہے کہ: خطیب سے طعن کرنے میں عجب نہیں ہے، کیونکہ اس کی ہر شخص پر طعن کرنے کی عادت ہے،لیکن تعجب مجھے اپنے جدامجد پر آتا ہے کہ انہوں نے کیوں خطیب کی متابعت کی؟ اورمرتکب کبیرہ ہوئے۔ اوروہ عبارت یہ ہے:

'' لا تغتر بکلام الخطیب ، فان عنده العصبیة الزائدة علی جماعة من العلماء کابی حنیفة واحمد وبعض اصحابه ، وتحامل علیهم بکل وجه ، وصنف فیه بعضهم '' السهم المصیب فی کبد الخیب '' وامّا ابن الجوزی فقد تابع الخطیب ، وقد عجب سبطه منه حیث قال : فی'' مرآة الزّمان '' ولیس العجب من الخطیب فانه طعن فی جماعة من العلماء ، وانما العجب من الجدّ کیف سلک اسلوبه وجاء بما هو اعظم'' انتهٰی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جبکہ کسی قرینہ حالیہ یا مقالیہ سے معلوم ہو جائے کہ جرح کرنے والا بسبب تعصب کے طعن کرتا ہے تو اس کا طعن ہرگز مقبول نہیں، اور دارقطنی اور خطیب کا حال اسی طرح ہے۔ پس یہ طعن مردود ہے۔

جرح دو ہیں: ایک مبہم، دوسری جرح مفسر

اور اسی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ جرح دو ہیں: ایک مبہم، دوسری جرح مفسر۔

جرح مبہم وہ ہے کہ......جس میں سبب جرح بیان نہ کیا جائے۔

اور جرح مفسر وہ ہے کہ......جس کے ساتھ جرح کا سبب بھی بیان ہو۔

پس جرح مبہم مقبول نہیں ہے۔ اور یہ جرح تعدیل پر مقدم بھی نہیں ہوتا۔ اور جرح مفسر مقبول ہے، اور یہ جرح تعدیل پر مقدم بھی ہے، مگر دو شرطوں کے ساتھ، چنانچہ تصریح اس کی گذر چکی ہے۔

اور علامہ مولوی عبدالحی لکھنوی ''الرفع والتکمیل '' کے صفحہ:۷رمیں ''بخاری'' اور ''مسلم'' اور ''ابوداؤد'' سے نقل کرتے ہیں کہ: جرح ثابت نہیں ہوتا، مگر جب کہ اس کا سبب بیان کیا جائے:

'' وذلک دال علی انهم ذهبوا الی انّ الجرح لایثبت الاَّ اذا فسر سببه '' انتهٰی۔

اور علامہ زین العراقی (رحمہ اللہ) نے ''شرح الفیہ'' میں اس کی تصریح فرمائی ہے، اور وہ یہ ہے:'' وقال الزّین العراقی فی شرح اَلْفیّتهٖ فی القول الاوّل : انه الصحیح المشهور'' انتهٰی۔

پس ثابت ہو گیا کہ جن لوگوں نے جرح مبہم کو تعدیل پر مقدم کر کے مقبول رکھا ہے ان کا قول غلط ہے، کیونکہ صحیح کا مقابل غلط ہے، جیسا کہ اصح کا مقابل صحیح ہے۔ تصریح اس کی

’’شامی‘‘ جلداول میں ہے۔اور جن لوگوں نے جناب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کیا ہے وہ جرح مبہم ہے، لہٰذا وہ جرح مردود ہے، جس کی وجہ تعصب اور عناد ہے، چنانچہ اس کی تصریح بھی صفحہ گذشتہ میں گذر چکی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ حافظ ابن حجر (رحمہ اللہ) نے ’’شرح نخبہ‘‘ میں فرمایا ہے کہ جرح مبہم ومجمل اس شخص کے حق میں جو تعدیل سے خالی ہو مقبول ہے، کیونکہ جو شخص تعدیل سے خالی ہے وہ مجہول کے حکم میں ہے اور ایسے مجہول کے حق میں جرح کرنے والوں کا قول مان لینا نہ ماننے سے اولیٰ ہے۔ ہاں جس شخص کی توثیق اور تعدیل کی گئی ہو اس کے حق میں جرح مجمل اور مبہم مقبول نہیں ہے۔اس بنا پر (امام) ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کے حق میں جرح مبہم مقبول ہونا چاہئے، کیونکہ کسی نے ان کی تعدیل اور توثیق نہیں کی ہے۔تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ قول کہ امام صاحب کی کسی نے تعدیل اور توثیق نہیں کی ہے، بالکل باطل اور مردود ہے، بلکہ جناب امام اعظم صاحب (رحمہ اللہ) کی توثیق محدثین محققین نے کی ہے، چنانچہ’’ الرفع والتکمیل ‘‘کے صفحہ:۱۱ر میں ہے۔

’’ولم یقبل جرح النسائی فی ابی حنیفة ، ولم یقبل جرح الخطیب البغدادی فیه ، وفی متبعیه بعد قول ابن حجر فی’’ خیرات الحسان‘‘ نقلا عن ابن عبدالبر رأس علماء الشان ، الّذین رَوَوْا عن ابی حنیفة ووثقوه واثنوا علیه اکثر من الذین تکلّموا فیه ، والّذین تکلّموا فیه من اهل الحدیث اکثر ماعابوا علیه الاغراق فی الرای والقیاس ، وقد مرّان ذٰلک لیس بعیب ، وقال الامام علیّ بن المدینی : ابوحنیفة روٰی عنه الثوری وابن المبارک وحماد بن زید وهشام ووکیع وعباد بن العوام وجعفر بن عون وهوثقة لابأس به ، وکان شعبة حسن الرای فیه ، وقال یحيٰ بن معین

اصحابنا یفرطون فی ابی حنیفة و اصحابه ، فقیل له أکان یکذب قال : لا ‘‘ انتھی۔

یعنی نہیں قبول کیا گیا جرح نسائی کا ابی حنیفہ کے بارے میں، اور یہ نسائی ان میں سے ہیں جو بہت تشدد کرتے ہیں' جرح میں۔ یہ جرح ’’میزان الاعتدال‘‘ میں مذکور ہے کہ (ضعیف کہا ہے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو نسائی نے حافظہ میں) اور نہیں قبول کیا گیا جرح خطیب بغدادی کا ابوحنیفہ اوران کے متبعین کے بارے میں، جبکہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ’’خیرات الحسان‘‘ میں علامہ ابن عبدالبر سے نقل کر چکے ہیں، جن لوگوں نے روایت کی ہے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اور توثیق اور ثنا کی ہے ان کی، وہ ان لوگوں سے جنہوں نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے زیادہ ہیں، اور اہل حدیث میں سے جنہوں نے کلام کیا ہے اس میں زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ ابوحنیفہ قیاس اور رائے میں زیادہ مستغرق ہیں، اور تحقیق گذر چکی ہے یہ بات کہ مشغول ہونا رائے اور قیاس میں کچھ عیب نہیں۔ اور کہا ہے امام علی بن المدینی نے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے ثوری اور ابن المبارک اور حماد بن زید اور ہشام اور وکیع اور عباد بن العوام اور جعفر بن عون نے (رحمہم اللہ) اور ابوحنیفہ ثقہ لابأس بہ ہیں۔ اور شعبہ ان کے بارے میں اچھا خیال رکھتے تھے۔ اور کہا یحیٰ بن معین نے کہ: ہمارے اصحاب زیادتی کرتے ہیں ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب یعنی شاگردوں میں، تو یحیٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ کیا وہ جھوٹ بولتے تھے؟ کہا نہیں، انتہی۔

امام صاحب پر اعتراض کہ قیاس کو مقدم کرتے ہیں

اور جن لوگوں نے امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) پر بیہودہ طعن کیئے ہیں، ان کا ذکر اور ان کے جواب یہ ہیں۔

بعضے کہتے ہیں کہ: ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قیاس کو مقدم حدیث پر کرتے ہیں، لیکن یہ تہمت

ہے، کیونکہ کتب اصول کو دیکھوان میں تصریح ہے کہ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) کے نزدیک خبر ضعیف اوراقوال صحابہ قیاس پر مقدم ہیں، بخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ اخبار ضعیفہ اوراقوال صحابہ کو قیاس مجتہد پر مقدم نہیں فرماتے تو یہ طعن امام شافعی پر ہوانہ امام صاحب پر، فتامل۔

اوراس سے زیادہ تصریح منظور ہوتو ’’خیرات الحسان‘‘ اور’’میزان الاعتدال‘‘ کا مطالعہ کروجس سے ظاہر ہوجائے گا کہ یہ خیال غلط اور ظاہر البطلان ہے۔

یہ اعتراض کہ امام صاحب قیاس زیادہ کرتے ہیں

دوسرااعتراض یہ ہے کہ: امام صاحب (رحمہ اللہ) رائے اور قیاس زیادہ کرتے ہیں۔ اسی سبب سے محدثین ان کواوران کے اصحاب کواصحاب رائے کہتے ہیں۔

اور یہ حقیقت میں طعن نہیں ہے، کیونکہ کثرت رائے اور قیاس عقلمندوں کے نزدیک امام صاحب کی عقل کے کمال پر دال ہے۔اور یہ بات ظاہر ہے کہ عقل بدون نقل کے مفید نہیں اور نہ نقل بدون عقل کے کام دے سکتی ہے۔اور ہمارا اور ہر منصف کا اعتقاد ان کے حق میں یہ ہے کہ امام اعظم صاحب وہ زمانہ جس میں احادیث بکثرت منقول ہوئیں پاتے توان کے مذہب میں بھی قیاس زیادہ منقول نہ ہوتا، جیسا کہ عبدالوہاب شعرانی نے’’میزان‘‘ اور ملامعین نے’’دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب‘‘میں تصریح تام فرمائی ہے

ایک طعن کہ امام صاحب قلیل الروایۃ ہیں

اورایک طعن یہ ہے کہ: امام صاحب (رحمہ اللہ) قلیل الروایۃ ہیں۔

اور یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ مرتبہ حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کے مرتبہ کے مشابہ ہے، پس اگر قلیل الروایۃ ہونا طعن کے لائق ہے،تو یہ طعن جناب سیدنا ابو

بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی ہوگا، باوجودیکہ انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل البشر آپ کی ذات بابرکات ہے، کیونکہ آپ بھی قلیل الروایۃ ہیں بہ نسبت بقیہ صحابہ کے، وحاشاہ عن ہذہ الوسمۃ۔

ایک طعن یہ ہے کہ امام صاحب کثیر التعبد تھے

اور ایک طعن یہ ہے کہ: امام صاحب کثیر التعبد تھے، یہاں تک کہ تمام رات قیام کرتے تھے، اور یہ بدعۃ ضلالہ ہے۔

لیکن اس خیال کا منشاء غفلت اور جہالت ہے۔ اس بات کے سننے سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور قائل پر سخت تعجب ہوتا ہے، کیونکہ کثرت عبادت جیسے تمام رات نماز پڑھنا اور ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کرنا اور ایک رات میں ہزار رکعت ادا کرنا یہ تمام باتیں صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے بنقول صحیحہ منقول ہیں، بلکہ تبع تابعین اور فقہاء ومحدثین سے بھی منقول ہیں۔ مثل حضرت عثمان غنی اور حضرت عمر اور ابن عمر اور تمیم داری اور علی اور شداد بن اوس رضی اللہ عنہم، اور اسی طرح مسروق اور اسود اور نخعی اور عروۃ بن زبیر اور ثابت البنانی اور زین العابدین علی بن الحسین اور قتادہ اور محمد بن واسع اور منصور بن زاذان اور علی بن عبد اللہ بن عباس اور امام شافعی اور سعد بن ابراہیم الزہری اور شعبہ بن الحجاج اور خطیب البغدادی (رحمہم اللہ) وغیرہم ممّن لا تعدّ ولا تحصٰی سے منقول ہے۔ پس اس بنا پر لازم آتا ہے کہ یہ تمام حضرات مبتدعین میں سے ہوں، **نعوذ باللّٰہ من سوء هذا الاعتقاد**، بلکہ ایسی تہمت لگانے والا اور نسبت کرنے والا خود اکبر المبتدعین الضالین ہے، فتنبہ۔

ایک طعن یہ ہے کہ امام صاحب پر بڑے بڑے محدثین نے طعن کیا ہے

اور ایک طعن یہ ہے کہ: امام صاحب پر سفیان ثوری اور دار قطنی اور خطیب بغدادی اور

ذہبی وغیرہم محدثین نے طعن کیا ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ: اس قول کا منشا بھی اصول سے غفلت ہے، کیونکہ مطلق جرح معتبر ہو اور اس کی وجہ سے ترک لازم آتا ہو تو چاہئے کہ ترک کیے جائیں، بخاری اور مسلم اور شافعی اور احمد اور مالک وغیرہم اجلہ اصحاب محدثین ومجتہدین بھی کہ یہ سب بھی مجروح اور مقدوح ہیں، بلکہ جرح وطعن سے اصحاب رسول اللہ ﷺ بھی سلامت نہیں رہے، تو کیا کوئی حکم دے سکتا ہے کہ صحابہ بھی متروک ہیں؟ اور ان کے حق میں جرح مقبول ہے؟ حاشا للہ و کلا واللہ۔ اگرچہ بعض اقسام جرح کے مجروح کا ترک لازم کرتے ہیں، لیکن امام صاحب ایسے جرح سے بری ہیں نزدیک اصحاب انصاف کے، کیونکہ بعض جرح آپ پر مبہم ہیں مانند قول ذہبی کے ''میزان الاعتدال'' میں: اسمٰعیل بن حماد بن الامام ابی حنیفة ثلا ثتھم ضعفاء، انتہٰی۔ اور کتب اصول حدیث میں ثابت ہے کہ ''انہ لایقبل الجرح المبھم ''یعنی قبول نہ کیا جائے جرح مبہم خاص کر اس کے حق کہ ثابت ہووے عدالت اس کی اور مسلم ہو امامت اس کی۔

معاصرین ومتأخرین کی جرح

اور بعض جرح معاصرین سے صادر ہوئے ہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ ہم زمانے کا جرح معتبر نہیں، بالخصوص جبکہ وہ جرح تعصب اور عناد کی وجہ سے صادر ہوا ہو۔ ورنہ ابن معین کا جرح امام شافعی پر اور احمد کا جرح محاسبی پر اور حارث محاسبی کا جرح احمد پر بھی مقبول ہونا چاہئے۔

اور بعض جرح صادر ہوئے ہیں متاخرین متعصبین سے مثل دارقطنی اور ابن عدی وغیرہما کے۔ اور قرائن جلیہ اس بات پر شاہد ہیں کہ ان کا جرح محض تعصب اور عناد کی وجہ

سے ہے۔اور یہ تعصب ہر شخص کی طبیعت میں ہوتا ہے۔ہاں جسے خدا محفوظ رکھے وہی محفوظ رہ سکتا ہے۔اور یہ بات بھی ثابت ہوچکی ہے کہ ایسا جرح غیر مقبول ہے، بلکہ ایسے جرح سے خود قائل مجروح ہوجاتا ہے۔اور سچ کہا ہے علامہ شیخ الاسلام بدرالدین محمود العینی نے دارقطنی کے حق میں اثناء بحث قرائۃ الفاتحہ کے ''بنایہ شرح ہدایہ'' میں:

'' من این لہ تضعیف ابی حنیفۃ وھو مستحق للتضعیف ، فانہ روی فی مسندہ احادیث سقیمۃ ومعلولۃ ومنکرۃ وغریبۃ وموضوعۃ '' انتھی۔

یعنی دارقطنی کو ابوحنیفہ کی تضعیف کا حق کیا ہے، بلکہ دارقطنی خود مستحق تضعیف ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی مسند میں احادیث ضعیفہ اور معلولہ اور منکرہ اور غریبہ اور موضوعہ ہر قسم کی جمع کردی ہیں، انتہی۔

اسی طرح علامہ عینی اسی کتاب کے ''بحث اجارہ زمین ومکانات مکہ'' میں لکھتے ہیں:

'' واما قول ابن القطان وعلتہ ضعف ابی حنیفۃ فاساءۃ ادب وقلۃ حیاء منہ ، فان مثل الامام الثوری وابن المبارک واضرابھما وثقوہ واثنوعلیہ خیرا ، فما مقدار من یضعفہ عند ھؤلاء الاعلام '' انتھی،

یعنی ابن قطان کا یہ قول کہ علت اس کی ضعف ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہے بے ادبی اور قلۃ حیا ہے، کیونکہ امام ثوری اور ابن المبارک اور اسی طرح اور لوگوں نے ان کی توثیق اور ثنا کی ہے، پس کیا مقدار ہے ان لوگوں کی جو امام صاحب کو ضعیف کہیں، بمقابلہ ان بڑے بڑے عالموں کے۔

بعض، جرح میں بہت متشدد ہیں

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو جرح کرنے میں بہت تشدد کرتے ہیں، اور نہایت بے

پروائی سے راویوں کو مطعون کر ڈالتے ہیں، اور بہت سی روایات غیر موضوعہ کو موضوعات میں داخل کر دیا ہے، ان میں سے ابن جوزی اور صغانی اور جوزقانی اور مجد فیروز آبادی اور ابن تیمیہ الحرانی الدمشقی اور ابوالحسن بن القطان وغیرہم بھی ہیں، جیسا کہ کلام مبرم میں مذکور ہے، ان لوگوں کا قول وہی شخص قبول کر سکتا ہے جو ان کے حال اور عادت سے ناواقف ہو۔

ایک جرح امام صاحب پر یہ کہ ان کے اکثر شاگرد وضاع اور مجروح ہیں

اور ایک جرح امام صاحب پر یہ ہے کہ: اکثر شاگردان کے وضاع اور مجروح ہیں، جیسے نوح الجامع اور ابی مطیع البلخی اور حسن اللؤلوی۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ جرح مخالف ہے، اس آیت قرآنی کے ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ﴾ اگر ایسے جرح کا اعتبار ہو تو اکثر سادات اہل بیت جیسے جعفر صادق اور محمد باقر اور بہت سے حضرات مجروح ہو جائیں گے، کیونکہ ان کے شاگرد بھی رافضی اور متہم ہیں۔

ایک جرح یہ ہے کہ امام صاحب اکثر ضعفاء سے روایت کرتے ہیں

اور ایک جرح امام صاحب پر یہ ہے کہ: امام صاحب اکثر ضعفاء سے روایت کرتے ہیں۔

مگر یہ امر بھی درمیان علماء اس فن کے مشترک ہے، کیونکہ حضرت امام شافعی اور امام مالک اور احمد اور بخاری و مسلم بھی ضعفاء سے روایت کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جناب امام ابوحنیفہ کے مناقب اور فضائل بے حد و بیشمار ہیں اور معائب و جرح ان لوگوں کے بقول معتمد غیر مقبول ہیں، فتأمل۔ پس مذہب ان کا خیر المذاہب اور مشرب ان کا خیر المشارب ہے۔ کیا عمدہ کہا ہے کہنے والے نے ؎

مذهب النعمان خير المذاهب   كالقمر الوضاح بين الكواكب

یعنی مذہب نعمان رحمۃ اللہ علیہ کا خیر المذاہب ہے، جیسے ستاروں کے درمیان چاند چمکنے والا امتاز ہے۔

امام صاحب کی فضیلت دریافت کرنے میں ان کے شاگرد قاضی امام ابو یوسف کا قول کافی ہے۔ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ۔

حسبی من الخیرات ماعددته یوم القیامة فی رضی الرحمن

دین النبی محمّدٍ خیر الورٰی ثم اعتقادی مذهب النعمان

اور اقرار کیا ہے ان کے فضل وکمال کا مخالفین نے اور ان کے مرتبہ کو تسلیم کیا ہے علماء عاملین نے۔ حضرت امام مالک (رحمہ اللہ) سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے ابوحنیفہ کو دیکھا ہے؟ فرمایا: میں نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا شخص پایا ہے کہ اگر وہ اس ستون کو سونا ثابت کرنا چاہے تو دلیل سے ثابت کر ہی دیں، اور یہ بھی کہا ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حق میں کہ: ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے بہتر مونس ہے۔

اور جناب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ: تمام لوگ عیال ہیں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فقہ میں۔ اور ان کے حق میں کہا گیا ہے ۔

لَقَدْ زَانَ الْبِلادَ وَمَنْ عَلَيْها اِمَامُ الْمُسْلِمِيْنَ ابو حنيفة

فَما بِالْمَشرِقَيْن لَهُ نَظِيْرٌ وَلاَ بِالْمَغرِبَيْنِ وَلاَ بِكُوفةِ

اِمَامًا كَانَ لِلْاِسْلَامِ بَحْرا اَمِيْنًا لِلنَّبِيّ وَالْخَلِيْفَة

یعنی تحقیق کہ زینت دی شہروں کو اور ان لوگوں کو جو ان میں ہیں امام المسلمین ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے۔

پس نہیں ہے مشرقین میں ان کے لئے کوئی نظیر اور نہ مغربین میں اور نہ کوفہ میں۔

یہ وہ امام ہیں جو اسلام کے سمندر اور نبی کے امین اور نائب ہیں۔

اور جناب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی اکثر اوقات ان کے فضل وکمال کا ذکر فرماتے تھے، اوران کے لئے دعائے رحمت کرتے تھے، اور روتے تھے اوران کے فضائل میں یہ شعر پڑھتے ؎

واني لا أحصى ثناء خصاله ولو ان اعضائی جميعا تكلّم

تحقیق کہ میں ان کے فضائل حمیدہ کی تعریف کا احاطہ نہیں کرسکتا، اگرچہ تمام اعضاء میرے کلام کرنے لگیں۔

سجدے میں جانے کے وقت گھٹنے پھر ہاتھ زمین پر رکھنا پھر ماتھا ٹیکنا

سوال:......کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ حنفیہ کے نزدیک سجدے میں جانے کے وقت اوّل گھٹنے پھر دونوں ہاتھ زمین پر رکھنا پھر ماتھا ٹیکنا سنت ہے۔اور بعض مذاہب میں اس کے خلاف ہے۔تو اس بارے میں حنفی مذہب کے مطابق کونسی حدیثیں ہیں۔

الجواب:......حنفی مذہب میں سجدہ کرتے وقت پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھیں پھر دونوں ہاتھ کانوں کے مقابلہ میں اور دونوں ہاتھ کانوں کے درمیان میں نہ رکھنا بے شک مسنون ہے۔دلیل اس کی یہ حدیث ہے جو''مسند ابی یعلی'' میں ابی اسحاق سے مروی ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے سجدہ کی کیفیت ہم سے بیان کرنی چاہی،تو سجدہ کیا اور سہارا دیا اوپر دونوں ہاتھوں کے اور اٹھایا سرین کو اور کہا کہ اسی طرح کرتے تھے آنحضرت ﷺ۔

اور''صحیح مسلم'' میں وائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے جب سجدہ کیا تو رکھا منھ اپنا' دونوں ہاتھوں کے درمیان اور جب یہ ہوا تو ہاتھ مقابل کان کے ہوں گے،تو اب معارض ہوگا اس کے جو''صحیح بخاری'' میں فلیح بن سلیمان سے ہے، اگرچہ راجح

یہی ہے کہ وہ ثقہ ہیں، لیکن کلام کیا گیا ہے اس میں۔ضعیف کہا اس کو نسائی اور ابن معین اور ابوحاتم اور ابوداوٗد اور یحیٰ القطان اور ساجی نے۔

اور روایت کی اسحاق بن راہویہ نے مسند میں: ''اخبرنا الثوری عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر ''اس اسناد سے کہ، دیکھا میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہ رکھے دونوں ہاتھ مقابل کانوں کے۔اور یہ اسناد صحیح ہے۔

اور روایت کی عبدالرزاق نے مصنف میں ''اخبرنا الثوري ''اسی اسناد سے اور لفظ اس کے یہ ہیں: ''وکانت یداہ حذاء اذنیه ''اور تھے ہاتھ آپ کے مقابل کانوں کے۔

اور روایت کی طحاوی نے حفص بن غیاث سے' انہوں نے حجاج سے' انہوں نے ابی اسحاق سے' کہا کہ: پوچھا میں نے براء بن عازب سے کہ آنحضرت ﷺ اپنی پیشانی سجدے میں کس جگہ رکھتے تھے' جب نماز پڑھتے تھے؟ کہا درمیان دونوں ہاتھوں کے۔اسی طرح ''فتح القدیر'' اور ''عینی'' اور ''سعایہ'' میں ہے۔اور وہ عبارت یہ ہے:

''انما رواہ ابو یعلی عن ابي اسحاق قال: وصف لنا براء بن عازب السجود فسجد، فادعم علی کفیه ورفع عجزته وقال: ھٰکذا کان یفعل رسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم، وفی مسلم: من حدیث وائل بن حجر: انّه علیه السلام سجد ووضع وجھه بین کفیه، انتھٰی، ومن یضع کذلک وتکون یداہ حذاء اذنیه فیعارض ما فی البخاری من حدیث ابی حمید انّه صلی اللہ علیه وسلم لما سجد وضع کفیه حذو منکبیه، ونحوہ فی ابی داؤد والترمذی، ویقدم علیه بان فلیح بن سلیمان الواقع فی مسند البخاری وان کان الراجح تثبیته لکن قد تکلم فیه، فضعفه النسائی وابن معین وابو حاتم وابو داؤد ویحيٰ القطان والسّاجی، وقد روی اسحاق بن راھویه فی مسندہ قال: اخبرنا الثوری عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر قال:

رمقت النبی صلی الله علیه وسلم فلما سجد وضع یدیه حذاء اذنیه ، وروی عبد الرزاق فی مصنفه : اخبرنا الثوری به ولفظه : کانت یداه حذاء اذنیه ، واخرج الطحاوی عن حفص بن غیاث عن الحجاج ابی اسحاق قال : سألت البراء بن عازب این کان النبی صلی الله علیه وسلم یضع جبهته اذا صلّی ؟ قال : بین کفیه ، ولو قال قائل انّ السنة ان یفعل ایهما تیسر جمعا للمرویات بناء علی انه کان صلی الله علیه وسلم یفعل هذا احیانًا وهذا احیانًا ، الا ان بین الکفین افضل ، لان فیه من تخلیص المحاذاة المسنونة مالیس فی الاٰخر لکان حسنا‘‘۔

اسی طرح سجدہ میں جاتے وقت موافق مذہب حنفی کے پہلے دونوں گھٹنے پھر دونوں ہاتھ زمین پر رکھے، اوراس کا عکس نہ کرے کہ پہلے زمین پر دونوں ہاتھ پھر دونوں گھٹنے رکھے۔ اور دلیل اس کی یہ صحیح حدیث ہے:

عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر قال : رأیت رسول اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم اذا سجد یضع رکبتیه قبل یدیه ، واذا نهض رفع یدیه قبل رکبتیه ، رواه ابو داؤد والترمذی ، وقال : حسن غریب ، والنسائی وابن ماجة والدارمی واحمد والدّار قطنی والحاکم، وقال : علی شرط مسلم ، وابن حبان وصححه ، والطحاوی فی شرح معانی الاٰثار، قاله فی السعایة والمنتقی والنیل،

یعنی روایت ہے عاصم بن کلیب سے‘ وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ کلیب سے اور وہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ کو جب سجدہ کرتے تو رکھتے گھٹنے اپنے قبل دونوں ہاتھوں کے، اور جب اٹھتے تو اٹھاتے دونوں ہاتھ اپنے قبل دونوں گھٹنوں کے۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد اور ترمذی نے ،اور کہا ترمذی نے: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور روایت کیا ہے نسائی اور ابن ماجہ اور دارمی اور احمد اور دار قطنی اور حاکم

نے ،اور کہا حاکم نے: یہ حدیث اوپر شرط مسلم کے ہے ۔اور روایت کیا ہے اس حدیث کو ابن حبان نے ،اور صحیح کہا اس کو۔اور طحاوی نے ''شرح معانی الآثار'' میں'اسی طرح کہا ہے ''سعایہ'' اور ''منتقی'' اور ''نیل الاوطار'' میں،اور ترمذی میں ہے کہ اس پر عمل اکثر اہل علم کا ہے۔اور وہ عبارت یہ ہے: والعمل عليه عند اكثر اهل العلم ، انتهٰى۔

وعن ابى هريرة ان النبى صلى الله عليه وسلم قال : اذا سجد احدكم فليبدأ بركبتيه قبل يديه ولا يبرك بروک الجمل ، رواه الطحاوى۔

ترجمہ:......اور روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو چاہئے کہ ہاتھ رکھنے سے پہلے اپنے گھٹنے رکھے اور نہ بیٹھے مثل بیٹھنے اونٹ کے۔روایت کی طحاوی نے۔

وروٰى الطحاوى ايضًا عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم كان اذا سجد بدأ بركبتيه قبل يديه،

ترجمہ:...... اور طحاوی نے یہ بھی روایت کیا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ تحقیق نبی ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھتے ،

وروى عن علقمة والاسود قالا : حفظنا عن عمر في صلا ته انه خرّ بعد ركوعه على ركبتيه كما يخر البعير ووضع ركبتيه قبل يديه ، رواه الطحاوى۔

ترجمہ:......اور روایت ہے علقمہ اور اسود سے کہا دونوں نے کہ: ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات یاد ہے کہ وہ رکوع کے بعد سجدے میں اس طرح گرے جیسا گرتا ہے اونٹ،اور رکھے دونوں گھٹنے اپنے قبل دونوں ہاتھوں کے۔روایت کیا اس کو طحاوی نے۔

وروى عن ابراهيم النخعى انه قال : حفظت من عبد اللّٰه بن مسعود ان ركبتيه كانتا تقعان على الارض قبل يديه ، رواه الطحاوى۔

ترجمہ:...... روایت ہے ابراہیم نخعی (رحمہ اللہ) سے کہا کہ مجھے: عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کی یہ بات یاد ہے کہ ان کے دونوں گھٹنے زمین پر ہاتھوں سے پہلے گرتے تھے۔ روایت کیا اس کو طحاوی نے۔

اگر کوئی کہے کہ ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ''ترمذی'' میں اور ''نسائی'' اور ''دارمی'' اور ''طحاوی'' وغیرہ میں مروی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے، بعدہ دونوں گھٹنے زمین پر رکھیں۔ اور حافظ ابن حجر نے اس کو قوی کہا ہے۔

تو جواب اس کا ہم پانچ طور سے دیتے ہیں:

ایک یہ کہ:...... پہلی وائل کی حدیث جو کہ حنفی مذہب کی دلیل ہے وہ زیادہ قوی ہے، کیونکہ جماعت حفاظ نے اس کی تصحیح کی ہے، اور اس کی سند میں ایک راوی شریک قاضی ہیں، وہ اگرچہ متکلم فیہ ہیں، مگر ضعیف نہیں، کیونکہ مسلم نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے، پس اس بنا پر یہ حدیث اوپر شرط مسلم کے ہے، اس کے علاوہ اس حدیث کے اور بھی طریقے ہیں جس سے ضعف کا جبر ہو جاتا ہے، اور حدیث درجۂ حسن کو پہنچ جاتی ہے۔

اسی طرح خطابی اور ابن حجر (رحمہما اللہ) نے ''شرح مشکوٰۃ'' میں تصریح کی ہے۔ اور علامہ طحاوی (رحمہ اللہ) نے ''شرح معانی الآثار'' میں کہا ہے، جبکہ رسول کریم ﷺ سے گھٹنے اور زمین پر ہاتھ رکھنے کے بارے میں مختلف روایتیں ہوئیں، تو ہم نے اس کو نظر عقل سے دیکھا تو تطبیق کا طریقہ یہی معلوم ہوا کہ وائل رضی اللہ عنہ سے روایت مختلف نہیں ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں روایتیں مختلف وارد ہوئی ہیں، پس جو روایت وائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہی اولیٰ ہے، چنانچہ ''سعایہ'' کے صفحہ: ۱۹۴ر میں مذکور ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ:......جس کو علامہ محدث میرک (رحمہ اللہ) نے ’’تصحیح المصابیح‘‘ سے نقل کیا ہے کہ: حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی منسوخ ہے۔ جو حدیث وائل رضی اللہ عنہ اور مذہب حنفی وغیرہ کے خلاف ہے، جیسا کہ تصریح کی ابن خزیمہ نے مصعب بن سعد بن ابی وقاص سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، کہا: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہ: ہم رکھتے تھے دونوں ہاتھوں کو زمین پر سجدہ کرتے وقت قبل دونوں گھٹنوں کے تو ہم کو گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھنے کا حکم کیا گیا۔ اسی طرح ’’سعایہ‘‘ کے صفحہ مذکورہ میں میرک عن تصحیح المصابیح سے منقول ہے:

ھکذا ان حدیث ابی ھریرۃ منسوخ کما روی ابن خزیمۃ عن مصعب بن سعد بن ابی وقاص عن ابیه قال : کنا نضع الیدین قبل الرکبتین ، فامرنا بوضع الرکبتین قبل الیدین ، وفی ’’ ارشاد الساری ‘‘ عن سعد بن ابی وقاص قال : کنا نضع الیدین قبل الرکبتین ، فامرنا بالرکبتین قبل الیدین ، رواہ ابن خزیمۃ ، وادعٰی انّه ناسخ لتقدیم الیدین ۔

تیسری وجہ حدیث وائل کی ترجیح کی یہ ہے کہ:......خود حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں تناقض ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی راوی کو وہم ہوا ہے اور اس نے ’’لا یضع ‘‘ کی جگہ ’ولیضع‘‘ کہہ دیا، کیونکہ جب مصلی دونوں ہاتھوں کو زمین پر گھٹنوں سے پہلے رکھ دے تو نشست اونٹ کی ہوگئی، کیونکہ اونٹ پہلے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھتا ہے، پس جبکہ یہ بات ہے تو حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھی موافق حدیث وائل کے ہو جائے گی، چنانچہ اس کی تصریح ’’زاد المعاد‘‘ اور ’’نیل الاوطار‘‘ اور ’’سعایہ‘‘ اور ’’بنایہ شرح ہدایہ‘‘ میں پورے طور پر مذکور ہے۔

اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ:...... حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مقلوب ہے، کسی راوی سے اس میں الٹ پھیر ہوگیا ہے،اصل میں یوں تھا:’’ولیضع رکبتیہ قبل یدیہ ‘‘یعنی چاہئے کہ رکھے دونوں گھٹنوں کو قبل دونوں ہاتھوں کے،تو یہ روایت سہواً ایا عمداًالٹی ہوگئی اور تائید کرتی ہے اس کی وہ روایت جس کو ابن ابی شیبہ نے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:’’وفیہ تقدیم الرکبتین علی الیدین ‘‘یعنی اس میں تقدیم رکبتین کی اوپر دونوں ہاتھوں کے ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ:...... حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مضطرب ہے، کیونکہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک تو وہ ہے جو حدیث وائل کے موافق ہے،اور دوسری حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وائل کی حدیث کے مخالف ہے۔یعنی کبھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت موافق حدیث وائل کے کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ گھٹنے پہلے رکھے اور دونوں ہاتھ زمین پر پیچھے رکھے، اور کبھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مخالف حدیث وائل کے روایت کرتے ہیں اور دونوں ہاتھ قبل گھٹنوں کے رکھنا روایت کرتے ہیں،اور یہ قلب اور اضطراب اسباب ضعف سے ہے،چنانچہ تصریح اس کی’’ ظفر الامانی‘‘ کی بحث مقلوب میں ہے، اور’’ شرح ابی الطیب‘‘ کے صفحہ:۲۸۶/میں ہے:

قوله : اذانهض رفع يديه قبل ركبتيه ، أى اذا اراد النهوض وهو القيام رفع يديه قبل ركبتيه ، وبه قال علماؤنا ، ورواه ابو داؤد والنسائى وابن ماجة واحمد والدارقطنى والحاكم ، وصححه ابن حبان ، فتضعيف النووى لايضر۔

یعنی جب ارادہ قیام کا کرے تو اٹھاوے دونوں ہاتھوں کو قبل دونوں گھٹنوں کے،اور ہمارے (یعنی حنفی مذہب کے علماء)اسی کے قائل ہیں،اور روایت کیا اس کو’’ ابو داوٗد‘‘ اور

''نسائی'' اور''ابن ماجہ'' اور''احمد'' اور''دار قطنی'' اور''حاکم'' نے، اور صحیح کہا ہے اس کو ابن حبان نے، پس تضعیف نووی کی مضر نہیں ہوسکتی۔

اور اسی طرح شرح سراج احمد ترمذی کی صفحہ: ۲۸۷ رمیں ہے:

''وابوداؤد و نسائی و دارمی از ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بایں عبارت اخراج کردہ اند کہ: اذا سجد احدکم فلا یبرک کما یبرک البعیر ولیضع یدیه قبل رکبتیه ، ایں حدیث بظاہر مخالف حدیث اول است کہ دلالت دارد برنہادن دستہا پیش از زانوہا، وحدیث اول دلالت برنہادن زانوہا پیش از دستہا بود، ودرمیان ائمہ اختلاف است، جمہور ائمہ وابوحنیفہ وشافعی واحمد درانچہ مشہور است از مذہب دی عمل بحدیث وائل بن حجر کردہ اند، وزانوہا را پیش از دست ہا می نہند، ومالک واوزاعی واحمد درروایتے از وے وطائفہ از ائمہ حدیث عمل بحدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نمی کنند وگفتہ اند کہ حدیث وائل بن حجر اصح واثبت است از حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، وبعضے گفتہ اند کہ حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ناسخ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ است، ودر''صحیح ابن خزیمہ'' آمدہ است کہ آنحضرت ﷺ بسجدہ میرفت ابتدا می کرد برکبتین، ودر حدیث سعد بن ابی وقاص وحدیث ابی سعید خدری آمدہ کہ می نہادیم دستہا را پیش از زانوہا، پس امر کردہ شدیم بنہادن زانوہا پیش از دستہا، وصاحب مشکوٰۃ گفتہ است در کتاب خود: قال ابو سلیمان الخطابی : حدیث وائل بن حجر اثبت من حدیث ابی هریرة رضی الله عنه ، وقیل حدیث ابی هریرة منسوخ۔

عدم جلسۂ استراحت کی کیا دلیل ہے؟

سوال: ......کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جناب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی اور تیسری رکعت میں جلسۂ استراحت نہیں ہے، بدون جلسۂ استراحت

کے صدور قدمین پر فورًا کھڑے ہوجانے کے قائل ہیں۔اس مسئلہ پر کیا دلیل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:...... جب سجدے سے سر اٹھائے اول رکعت اور تیسری رکعت میں ،تو صورت مذکورہ میں نہ بیٹھے، بلکہ فوراً کھڑا ہوجائے ،اور امام شافعی (رحمہ اللہ) وغیرہ کے نزدیک بیٹھے، اور اس کو جلسۂ استراحت کہتے ہیں۔اور دلیل امام شافعی (رحمہ اللہ) وغیرہ کی وہ حدیث ہے جس کو مالک بن الحوریث (رضی اللہ عنہ) نے روایت کیا ہے کہ: انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ سجدے سے اٹھتے تو جب تک بیٹھ نہ لیتے کھڑے نہ ہوتے۔

اور جواب اس کا علماء احناف نے یہ دیا ہے کہ: یہ آنحضرت ﷺ کا حال ضعیفی میں تھا، مستقل جلسۂ استراحت کے واسطے نہیں تھا، جیسا کہ مولوی وحید الزماں صاحب نے ’’اردو شرح وقایہ‘‘ میں تصریح کی ہے۔اور ’’سعایہ حاشہ شرح وقایہ‘‘ اور ’’فتح القدیر‘‘ وغیرہ میں ہے کہ اکابر صحابہ مثل :ابن مسعود اور ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہم کے جو کہ رسول اللہ ﷺ کے خاص حاضر باش خدمت اور آپ کے افعال کو بہت سختی اور تاکید سے اختیار کرنے والے تھے، سب اس پر متفق ہیں کہ صدور قدمین پر اٹھتے تھے، تو ان کا فعل مالک بن الحویرث (رضی اللہ عنہ) کے فعل پر مقدم ہونا چاہئے۔

اور ’’فتح الباری‘‘ میں بضمن شرح حدیث مالک بن حویرث (رضی اللہ عنہ) کے ہے کہ: اس میں مشروعیت جلسۂ استراحت کی ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک طائفہ اس کا قائل ہے، اور اکثر علماء نے اس کو مستحب نہیں جانا۔

اور علامہ طحاوی (رحمہ اللہ) نے اس سے استدلال کیا ہے کہ ابوحمید (رضی اللہ عنہ) کی روایت میں جلسہ استراحت کا ذکر نہیں ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں: ’’فقام ولم یتورک‘‘

''ابوداؤد'' نے بھی اس کو اسی طرح روایت کیا ہے، پس اس سے واضح ہوا کہ مالک بن الحویرث (رضی اللہ عنہ) کی حدیث میں جو جلسۂ استراحت کا ذکر ہے وہ کسی خاص سبب سے تھا، جس کی وجہ سے آپ ﷺ بیٹھتے تھے۔

اور علامہ محبّ الدین عبدالسلام بن تیمیہ (رحمہ اللہ) سے منقول ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجماع کیا ہے ترک جلسۂ استراحت پر، لہٰذا بالضرور حدیث مالک بن الحویرث کی عذر پر محمول ہوگی۔

اور ''شرح مواہب'' میں علامہ زرقانی نے کہا ہے:

قد تمسّک من لم یقل باستحبابها بحدیث :لا تبادرونی بالقیام والقعود فانی قد بدنت ، فدل علی انه کان یفعله لهذا السبب فلا تشرع الا ّمن اتفق له نحو ذٰلک۔

یعنی جو لوگ جلسۂ استراحت کے استحباب کے قائل نہیں ہیں، وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں' مت جلدی کرو مجھ سے قیام اور قعود میں، کیونکہ میں بھاری ہوگیا ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ جلسۂ استراحت اسی کے حق میں ہے کہ جس کو ایسا ہی کوئی عذر پیش آجائے۔

اور دلائل حنفی مذہب کے اس باب میں یہ حدیثیں ہیں۔

عن عکرمة قال : صلّیت خلف شیخ بمکة ، فکبر ثنتین وعشرین تکبیرة ، فقلت : لابن عباس رضی اللّٰه عنه انه احمق ! فقال ثکلتک امُّک سنة ابی القاسم صلی الله علیه وسلم، رواه البخاری۔

ترجمہ:......روایت ہے عکرمہ (رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ میں نے ایک شیخ کے پیچھے مکہ شریف میں نماز پڑھی، تو اس نے بائیس تکبیریں کہیں تو میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ

شیخ احمق ہے، تو کہا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہ: تیری ماں تجھے روئے یہ تو سنت ابوالقاسم ﷺ کی ہے۔ (روایت کیا اس کو ''بخاری'' نے)

ف:......استدلال اس حدیث سے اس طرح پر ہے کہ اگر جلسہ استراحت شیخ مذکور نے کیا ہوتا تو تکبیریں بائیس نہیں ہوتیں، بلکہ اس صورت میں تکبیریں چوبیس ہوتیں ،یعنی دو تکبیریں زیادہ ہوتیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ: آنحضرت ﷺ تکبیر کہتے تھے، ہر ایک خفض ورفع میں، اور ہر ایک قیام وقعود میں، پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ جلسۂ استراحت نہیں فرماتے تھے، کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سنت ابوالقاسم ﷺ کی فرمایا ہے، اور ایسا مقولہ دلالت کرتا ہے مرفوع ہونے پر، چنانچہ کتب اصول ''نخبہ'' اور اس کی شرح وغیرہ میں موجود ہے۔

وعن عباس أوعياش بن سهل الساعدى انه كان فى مجلس فيه ابوه وكان من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم وفى المجلس ابو هريرة وابو حميد الساعدى وابو أُسيد فذكر الحديث ، وفيه : ثم كبر فسجد ثم كبر فقال : ولم يتورك ، رواه ابوداؤد واسناده صحيح۔

ترجمہ:......اور روایت کی عباس رضی اللہ عنہ یا عیاش بن سہل الساعدی (رضی اللہ عنہ) نے کہ: میں ایک ایسی مجلس میں تھا جس میں میرے والد اور اصحاب نبی ﷺ میں سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو حمید الساعدی اور ابو اسید (رضی اللہ عنہما) موجود تھے۔ پھر حدیث کو ذکر کیا اور اس میں یہ ہے کہ: پھر تکبیر کہی پھر سجدہ کیا پھر تکبیر کہی پھر قیام کیا اور تورک نہ کیا۔ روایت کیا اس کو ''ابوداؤد'' نے اور اسناد اس کی صحیح ہے۔

وعن عبدالرحمٰن بن غنم ان ابا مالك الاشعرى رضى الله عنه جمع قومه فقال :

یامعشر الأشعريين ! اجتمعوا واجمعوا نساء كم وابناء كم ، اعلمكم صلاة النبی صلی الله عليه وسلم ، صلّی لنا بالمدينة ، فاجتمعوا وجمعوا نساء هم وابناء هم ، فتوضأ وأراهم كيف يتوضأ ، فاحصى الوضوء الٰى اماكنه ، حتى لما ان فاء الفئی وانكسر الظل ' قام فاذن فصف الرجال فی ادنٰی الصف ' وصف الولدان خلفهم ' وصف النساء خلف الولدان ، ثم اقام الصلٰوة ' فتقدم فرفع يديه كبر ' فقرأ بفاتحة الكتاب وسورة يسرهما ' ثم كبر فركع ' فقال : سبحان اللّٰه وبحمده ثلاث مرار ' ثم قال : سمع اللّٰه لمن حمده ' واستوی قائمًا ' ثم كبّر وخر ساجدًا ' ثم كبر فرفع راسه ' ثم كبر فسجد ' ثم كبر ' فانتهض قائما ' فكان تكبيره فی اوّل ركعة ست تكبيرات ، وكبر حين قام الی الركعة الثانية ' فلما قضی صلا ته اقبل الی قومه بوجهه ' فقال : احفظوا تكبيری وتعلّموا ركوعی وسجودی ' فانها صلاة رسول اللّٰه صلی الله عليه وسلم التی كان يصلی لنا كذا الساعة من النهار ، رواه احمد واسناده حسن۔

اور روایت ہے عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے کہ: ابا مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے جمع کیا اپنی قوم کو پھر کہا اے جماعت اشعریین کی: جمع ہو جاؤ تم اور جمع کرو اپنی عورتوں کو اور اپنے بچوں کو' تا کہ تعلیم کروں میں تم کو نماز نبی ﷺ کی وہ نماز کہ پڑھائی تھی ہم کو مدینہ میں، پس جمع ہوئے اور جمع کیا عورتوں اور لڑکوں کو، پھر وضو کیا ابو مالک (رضی اللہ عنہ) نے اور دکھلایا ان کو، پس پہونچایا پانی وضو کا اس کی جگہ تک، پھر جب کہ ڈھلا آفتاب اور جھکا سایہ تو کھڑے ہوئے اور اذان کہی' پھر صف باندھی مردوں کی اپنے قریب میں' اور صف باندھی لڑکوں کی پیچھے ان کے' اور صف باندھی عورتوں کی پیچھے بچوں کے، پھر تکبیر کہی اور خود آگے بڑھے، پھر اٹھائے دونوں ہاتھ اور تکبیر کہی اور سورۂ فاتحہ اور ایک سورۃ پڑھی اور آہستہ

پڑھا دونوں کو، پھر تکبیر کہی اور رکوع کیا، پھر تین بار کہا: ''سبحان اللّٰہ وبحمدہ'' پھر کہا: ''سمع اللہ لمن حمدہ'' اور سیدھے کھڑے ہوئے، پھر تکبیر کہی اور سجدہ میں گرے پھر تکبیر کہی اور سر اٹھایا پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا پھر تکبیر کہی اور سیدھے کھڑے ہوئے، پس ہوئیں چھ تکبیریں ان کی پہلی رکعت میں، اور تکبیر کہی جس وقت کہ کھڑے ہوئے طرف دوسری رکعت کے، پھر جب تمام ہوئی نماز ان کی، تو متوجہ ہوئے ابو مالک اپنی قوم کی طرف اور کہا: یاد رکھو میری تکبیروں کو اور سیکھو تم رکوع اور سجود میرے، کیونکہ یہ نماز رسول خدا ﷺ کی وہ نماز ہے کہ پڑھاتے تھے ہم کو اس وقت دن میں۔ روایت کیا اس کو احمد نے اور سند اس کی حسن ہے۔

وعن ابن عمر قال : نهٰى رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم أن يعتمد الرجل على يديه اذا نهض فى الصلوٰة ، وفى رواية : نهى ان يصلى الرجل وهو معتمد على يديه ، وفي رواية : نهٰى ان يعتمد الرجل على يديه فى الصلوٰة ، رواه ابو داؤد۔

ترجمہ:......اور ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے، کہا کہ: منع فرمایا رسول خدا ﷺ نے یہ کہ نماز پڑھے مرد ایسی طرح کہ وہ معتمد ہو اپنے دو ہاتھوں پر۔ اور ایک روایت میں ہے: منع فرمایا نماز میں اس طرح بیٹھنے سے کہ ٹیکنے والا ہو دو ہاتھوں کو اپنے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: منع فرمایا سہارا دینے مرد کے اپنے ہاتھ پر نماز میں۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے۔

وعن عبداللّٰه بن مسعود انه كان ينهض فى الصلوٰة على صدور قدميه ولم يجلس ، وروى نحوه عن على وابن عمر ابن الزبير وعمر ، رواه ابن ابى شيبة فى مصنفه۔

ترجمہ:......اور روایت ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ: وہ نماز میں صدور قدمین پر کھڑے ہوجاتے تھے اور جلسہ نہیں کرتے تھے۔اور اسی طرح حضرت علی اور ابن عمر اور ابن زبیر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اسی طرح روایت کیا ہے۔

عن وائل بن حجر ان النبی صلی الله علیه وسلم لما سجد وقعت رکبتاه الی الارض قبل ان یقع کفاه ، فلما سجد وضع جبهته بین کفیه وجافیٰ عن ابطیه ، واذا نهض نهض علی رکبتیه واعتمد علی فخذیه ، رواه ابو داؤد۔

ترجمہ:......اور روایت کیا ہے وائل بن حجر (رضی اللہ عنہ) سے کہ نبی ﷺ جب سجدہ کرتے تھے تو آپ ﷺ کے ہاتھوں سے پہلے آپ کے گھٹنے زمین پر گرتے ،اور جب سجدہ کرتے تو رکھتے اپنی پیشانی درمیان دونوں ہاتھوں کے،اور ہاتھوں کو بغل سے دور رکھتے تھے،اور جب قیام کرتے تھے تو قیام کرتے اوپر زانوا پنے کے،اور اعتماد کرتے تھے اوپر رانوں کے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

ف:......''نیل الاوطار'' میں علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ: اس حدیث کی تخریج ''ابوداؤد'' نے عبدالجبار بن وائل بن حجر کے طریق سے کی ہے،اور یہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے،اور تخریج کی اس کی مسلم نے اور توثیق کی ہے۔اور ثقہ کہا ہے عبدالجبار کو ابن معین نے اور کہا ہے کہ: نہیں سنا ہے عبدالجبار نے اپنے والد سے کچھ بھی۔اور یہ بھی کہا ہے ابن معین نے کہ: عبدالجبار کے والد انتقال کر گئے جب وہ حمل میں تھے۔اور ذہبی نے اس قول کو مردود کہا ہے، کیونکہ عبدالجبار سے بسند صحیح منقول ہے کہ میں چھوٹا لڑکا تھا کچھ جانتا اور سمجھتا نہ تھا اپنے والد کی نماز کو۔

پس ان احادیث سے ثابت ہوا کہ جلسۂ استراحت ثابت نہیں ہے۔ اور جو بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے تو جواب اس کا اوپر گذر چکا ہے۔ باوجود اس کے مثبتین میں سے اس کو واجب یا سنت مؤکدہ کسی نے نہیں کہا ہے، مثبتینِ جلسہ استراحت' فقط اس کے استحباب کے قائل ہیں۔ پھر ایسی بات پر تعصب کر کے کمربستہ ہو کر جلسۂ استراحت نہ کرنے والوں میں سے جناب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو برائی کی طرف نسبت کرنا اور اپنے آپ کو عامل بالحدیث شمار کرنا کتنی بڑی جرأت اور گستاخی اور سوءادبی ہے، کیونکہ جلسہ استراحت کے نہ کرنے میں جناب ابو حنیفہ متفرد نہیں ہیں، بلکہ اوپر گذر چکا ہے کہ صحابہ اور تابعین وغیرہم بھی اس طرف گئے ہیں، پھر جیسے جناب ابی حنیفہ اور علماء احناف وغیرہم کو مخالف حدیث بنا کر نشانہ طعن ولعن کرتے ہیں اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کو بھی لعن وطعن کا نشانہ بنا کر کامل طور پر دشمن رسولِ خدا بن کے دوزخی بن جائیں، نعوذ باللہ منہم۔

انصاف یہ ہے کہ جب دونوں طرف احادیث موجود ہوں' تو ایک دوسرے پر لعن وطعن نہ کرنا چاہئے، اور اپنے اپنے مذہب ومشرب پر عمل کریں، فقط۔

قعدہ میں داہنے پیر کو کھڑا رکھے اور بائیں کو بچھا کر اس پر بیٹھے

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حنفی مذہب میں قعدۂ اولیٰ اور اخیرہ کا طریقہ ایک طرح پر ہے، یعنی قعدہ اولیٰ اور قعدہ اخیرہ دونوں میں داہنے پیر کو کھڑا رکھے اور بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھے اور تورک نہ کرے۔ اور شافعی وغیرہ کے نزدیک اس کا خلاف ہے تو حنفیہ کے واسطے اس بارے میں کیا دلیلیں ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: وبہ نستعین:...... "صحیح مسلم" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

شروع کرتے تھے رسول خدا ﷺ نماز کو ساتھ تکبیر کے، آخر حدیث تک یہاں تک کہ بچھاتے تھے بایاں پاؤں اور کھڑا کرتے تھے داہنا پاؤں۔

اسی طرح ''نسائی'' میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ: سنت ہے نماز کی یہ بات کہ کھڑا کرے داہنے قدم کو اور کرے انگلیوں کو طرف قبلے کے، اور بیٹھے بائیں پاؤں پر۔ وہ دونوں حدیثیں یہ ہیں۔

عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت : كان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يستفتح الصلٰوة بالتكبير و القراء ة بالحمد للّٰه رب العٰلمين ، وكان اذا ركع لم يشخص رأسه ولم يصوبه ولكن بين ذٰلک ، وكان اذا رفع رأسه من الركوع لم يسجد حتی يستوی قائما ، وكان اذا رفع رأسه من السجدة لم يسجد حتیٰ يستوی جالسًا ، وكان يقول فی كل ركعتين التحية ، وكان يفرش رجله اليسریٰ وينصب رجله اليمنٰی ، وكان ينهٰی عن عقبة الشيطان وينهٰی ان يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع ، وكان يختم الصلٰوة بالتسليم، رواه مسلم۔

اور حدیث ''نسائی'' کی یہ ہے:

وعن عبداللّٰه ابن عمر رضی اللّٰه عنهما قال : من سنة الصلٰوة ان تنصب القدم اليمنٰی واستقباله باصابعها القبلة والجلوس على اليسرٰی ، رواه النسائی ، واسناده صحيح۔

وعن وائل بن حجر : انه رأى النبی صلى الله عليه وسلم يصلی فسجد ثم قعد فافترش رجله اليسری ، رواه احمد وابوداؤد والنسائی۔

اور روایت ہے وائل بن حجر (رضی اللہ عنہ) سے کہ: انہوں نے دیکھا نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے تو سجدہ کیا حضرت ﷺ نے، پھر قعدہ کیا تو بچھایا اپنے پاؤں کو۔ روایت کیا

اس کو احمد اور ابوداؤد اور نسائی نے۔

وفی لفظ لسعید بن منصور قال : صلیت خلف رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما قعد وتشہد فرش قدمہ الیسری علی الارض وجلس علیہا۔

اور ''نسائی'' کی ایک روایت میں سعید بن منصور سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ: نماز پڑھی میں نے پیچھے رسول خدا ﷺ کے، تو جب قعدہ کیا اور تشہد پڑھا تو بچھایا اپنے بائیں قدم کو زمین پر اور اس پر بیٹھے۔

وعن رفاعۃ بن رافع ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال للاعرابی : اذا سجدت فکن لسجودک فاذا جلست فاجلس علی رجلک الیسریٰ، رواہ احمد۔

ترجمہ:......روایت ہے رفاعہ بن رافع سے کہ: نبی ﷺ نے فرمایا ایک گنوار کو: جب سجدہ کرے تو پورا کر تو سجدہ، اور جب بیٹھے تو بیٹھ اپنے بائیں پیر پر۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔

ف:......''نیل الاوطار'' میں بعد بیان کرنے احادیث مذکورہ کے لکھا ہے کہ: حدیث وائل کو ''ابن ماجہ'' اور ''ترمذی'' نے بھی روایت کیا ہے، اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ اور حدیث رفاعہ کو ''ابوداؤد'' نے بھی روایت کیا ہے، اور اس کی سند میں کسی طرح طعن نہیں ہے، اور تخریج کی ہے اس حدیث کی ''ابن ابی شیبہ'' اور ''ابن حبان'' نے بھی۔

اور حجت پکڑی ہے ان حدیثوں سے ان لوگوں نے جو نماز میں بائیں پاؤں کو بچھانے اور داہنے پاؤں کو کھڑا رکھنے کے استحباب کے قائل ہیں، اور وہ زید بن علی اور ہادی اور قاسم اور مؤید باللہ اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم اور اصحاب ان کے اور ثوری ہیں۔

واستدل الأوّلون ایضًا بما اخرجہ الترمذی، وقال : حسن صحیحٌ من حدیث ابی حمید ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم جلس یعنی للتشہد فافترش رجلہ الیسریٰ واقبل بصدور الیمنیٰ علی قبلتہ، الحدیث۔

اور دلیل پکڑی ہے پہلے مذہب والوں نے اس حدیث سے کہ روایت کیا ہے اس کو ''ترمذی'' نے اور کہا ہے کہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے ابوحمید کے طریقہ سے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے واسطے تشہد کے پھر بچھایا بائیں پاؤں کو اور متوجہ کیا داہنے پاؤں کی انگلیوں کے سروں کو قبلہ کی طرف، الخ۔

اور وجہ استدلال کی ان حدیثوں سے یہ ہے کہ ان حدیثوں کے راویوں نے یہ حدیث محض بیان جلوس کے لئے روایت کی ہے، اور اس میں اول قعدہ ہونے یا آخری قعدہ ہونے سے تعرض نہیں کیا، اور اختصار کرنا ہیئت جلسہ اور قعدہ کے بیان پر مشعر ہے کہ یہ ہیئت مذکورہ علی العموم دونوں تشہد میں مشروع ہے، کیونکہ اگر یہ ہیئت مختص ہوتی ساتھ تشہد اول کے تو البتہ ذکر کرتے رواۃ ہیئت تشہد اخیر کی اور مہمل نہ چھوڑتے، خاص کر جبکہ وہ راوی آنحضرت ﷺ کی نماز کی ہیئت بیان کرنے اور تعلیم کے درپے ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ہیئت دونوں قعدوں کے لئے ہے اور وہ عبارت یہ ہے۔

ووجه الاستدلال بهٰذين الحديثين وبحديث الباب ان رواتها ذكروا هذه الصّفة لجلوس التشهد ولم يقيدوه بالاول ، واقتصارهم عليها من دون تعرض لذكر غيرها مشعر بانها هى الهيئة المشروعة فى التشهد جميعا ، ولو كانت مختصة بالاول لذكروا هيئة التشهد الاخير ولم يهملوه لاسيما وهم بصدد بيان صلاة رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم وتعليمه لمن لايحسن الصلاة ، فعلم بذلك انّ هذه الهيئة شاملة لهما۔

بلکہ امام شافعی (رحمہ اللہ) وغیرہ تورک کو اخیر کے قعدے میں پسند کرتے ہیں۔ اس بارے میں مولوی وحیدالزماں صاحب ''اردو شرح وقایہ'' جلد اوّل کے صفحہ: ۱۱۰ر میں

فرماتے ہیں: اور جو مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ بیٹھتے تھے اسی طرح پر جو امام شافعی (رحمہ اللہ) کے نزدیک ہے، تضعیف کی ہے اس کی علامہ طحاوی (رحمہ اللہ) نے، اور کلام کیا ہے اس میں علامہ بیہقی نے بھی۔ اور بیان کیا ہے ضعف اس کا شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے۔ اور علامہ عینی نے ''بنایہ حاشیہ ہدایہ'' میں صفحہ: ۶۷۷ ر جلد اوّل میں لکھا ہے:

وضعفه الطحاوی ، لان عبد الحميد ضعيف عند نقلة الحديث ، قد بيناه مستقصى فيما تقدم۔

اسی طرح ''فتح القدیر'' کے صفحہ: ۲۷۴ ر اور ''کفایہ'' کے بھی صفحہ مذکورہ میں اور ''عنایہ'' کے بھی اسی صفحہ میں مذکور ہے۔ صاحب فتح القدیر نے کہا ہے:

قوله (ضعفه الطحاوی) تقدم فی حديث رفع اليدين وتكلّم البيهقی معه واستنصر الشيخ تقی الدين ابن دقيق العيد للطحاوی۔

اور ''کفایہ'' میں ہے:

قوله (ضعفه الطحاوی) قال : ان هذا من حديث عبدالحميد بن جعفر ، وهو ضعيف عند نقلة الحديث۔

اور ''عنایہ'' کے صفحہ مذکورہ میں ہے اور وہ یہ ہے:

ضعفه الطحاوی قال : هذا من حديث عبد الحميد بن جعفر ، وهو ضعيف عند نقلة الحديث ، ولئن صح كان محمولا على الكبر۔

پس اس جگہ ثابت ہوگیا کہ دلیل جناب قدوۃ السالکین امام المسلمین ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس مسئلہ مذکورہ میں قوی ہے، لہٰذا کوئی گستاخی امام صاحب کی شان میں نہ کرے، اور جیسے علماء محدثین کی شان میں حسن ظن رکھنا چاہئے اسی طرح حسن ظن علماء اور ائمہ مجتہدین

سے بھی رکھنا چاہئے، کیونکہ وہ تمام مراتب اعلیٰ کو پہنچ چکے ہیں۔

تشہد ابن مسعودؓ کو اختیار کرنے کی وجوہات

سوال:......کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تشہد، قعدہ میں حنفی مذہب کی اور طرح کی ہے اور شافعی مذہب کی اور طرح پر ہے اور امام مالک وغیرہ اور طرح سے پڑھتے ہیں۔ لہٰذا اس بارے میں حنفی مذہب کی التحیات اور تشہد کی کیا دلیل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نقول وبه نستعين :......تشہد حنفی مذہب کا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرویات سے ہے اور وہ یہ ہے:

التحيات لله والصَّلوت والطيبات ، السّلام عليک ايها النبی ورحمة الله عليه وبركاته ، السلام علينا وعلىٰ عبادالله الصالحين ، اشهدان لا اله الا الله واشهدُ ان محمدا عبده ورسوله۔

اور ''سعایہ'' وغیرہ کتب مبسوطہ میں تصریح ہے کہ تشہد منقولۂ احادیث دس ہیں: اول تشہد: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا۔ دوسرا تشہد: ابن عمر رضی اللہ عنہ کا۔ تیسرا تشہد: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا۔ چوتھا تشہد: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا۔ پانچواں تشہد: ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا۔ چھٹا تشہد: ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کا۔ اور ساتواں تشہد: ابن عباس رضی اللہ عنہ کا۔ اور یہ تشہد ابن عباس رضی اللہ عنہ کا روایت کیا ہے جماعت نے سوائے بخاری کے۔ کہا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہ: سکھاتے تھے رسول خدا ﷺ تشہد کو جیسا سکھاتے تھے سورۂ قرآن کو، پس کہتے تھے:

التحيات المباركات الصلوات الطّيبات لله ، السّلام عليک ايها النبی ورحمة الله وبركاته ، السلام علينا وعلىٰ عباد الله الصالحين ، اشهد ان لا اله الا الله

واشهد محمّدا عبده ورسوله۔

اور ''ترمذی''اور''نسائی'' کی روایت:

سلام علیک ایها النبی ورحمة اللّٰه وبرکاته سلام علینا ، الحدیث۔

اور''طحاوی'' میں عبداللہ بن الزبیر(رضی اللہ عنہ) سے مثل اسی کے ہے۔

اور آٹھویں تشہد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے، اور تخریج کی اس کی ائمہ ستہ نے یعنی بخاری نے اور مسلم اور ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ نے۔اور ترمذی نے بعد روایت تشہد کے کہا ہے کہ: حدیث ابن مسعود رضی اللہ کی روایت کی گئی ہے بہت طرق سے، اور یہ حدیث اصح ہے نبی ﷺ سے بیان تشہد میں، اور اس پر عمل اکثر اہل علم کا اصحاب نبی ﷺ اور تابعین میں سے ہے، اور یہی قول ثوری اور ابن المبارک اور احمد اور اسحاق (رحمہم اللہ) کا ہے۔

اور''طحاوی'' نے روایت کی ہے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا انہوں نے: نماز پڑھی میں نے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے، پھر جب فارغ ہوئے نماز سے تو مارا ہاتھ اپنا میرے ران پر اور کہا: کیا نہ سکھاؤں میں التحیات نماز کی جیسا کہ رسول خدا ﷺ ہم کو سکھاتے تھے؟ پھر یہی کلمات پڑھے مثل حدیث ابن مسعود کے۔

اور''طبرانی'' نے روایت کی راشد ابن سعد (رحمہ اللہ) سے اور انہوں نے معاویہ بن ابو سفیان (رضی اللہ عنہما) سے کہ یہ تعلیم کرتے تھے لوگوں کو تشہد ممبر پر اور روایت کرتے تھے رسول کریم ﷺ سے''التحیات للّٰہ ، الخ''مثل تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے۔

اسی طرح''بزار'' نے اپنے مسند میں اور''طبرانی'' نے اپنی معجم میں ابوراشد (رحمہ اللہ) سے روایت کی ہے۔اور طحاوی نے ابوسعید سے بھی روایت کی ہے، اور بیہقی نے عائشہ

رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔

اورنواں تشہد سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کا ہے جیسا کہ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے، ان سے کہا سمرہ نے: بہرحال بعد حمد وصلاۃ کے امر کیا ہم کو رسول خدا ﷺ نے کہ جب تم وسط نماز میں ہو یا وقت ختم نماز کے، تو شروع کرو تم قبل سلام کے اور کہو:

''التحیات الطیبات والصلوٰت والملک للّٰہ الحدیث''۔

اوردسواں تشہد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے ساتھ لفظ: ''التحیات للّٰہ والصلوت والطیبات الزاکیات'' کے۔ نقل کیا ہے اس کو علامہ عینی اور ابن الہمام وغیرہما نے۔

اور''سعایہ'' میں ہے: من جملہ وجوہات اختیار کرنے تشہد ابن مسعود کے:

ایک وجہ یہ ہے کہ:......عبداللہ ابن مسعود کے تشہد کی تعلیم میں تاکید ابلغ ہے، کیونکہ اس میں تعلیم ساتھ پکڑنے ہاتھ کے ہے، جیسے کہ روایت کیا ہے ابوداؤد نے عبداللہ نفیلی سے اس نے زہیر سے اس نے حسن بن الحر سے اس نے قاسم سے:

''قال اخذ علقمۃ بیدی فحدثنی ، ان عبداللّٰہ بن مسعود اخذ بیدہ ، وان رسول اللّٰہ صلی اللہ وعلٰی الہ وسلّم اخذ بیدہ ، فعلمہ التشھد الحدیث''

اورکہا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہ: پکڑا ہاتھ میرا احماد نے، اوران کا ہاتھ پکڑا ابراہیم نے، اوران کا ہاتھ پکڑا علقمہ (رحمہم اللہ) نے کہ میرا ہاتھ پکڑا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے، اور سکھایا مجھ کو تشہد اور کہا عبداللہ نے کہ: پکڑا ہاتھ میرا نبی ﷺ نے اور سکھایا مجھ کو تشہد جیسا کہ سکھاتے ہیں آیت قرآن سے۔ اور متابع ہے یہ روایت ابن ابی شیبہ کی جو اوپر ہم نے بیان کی۔

دوسری وجہ تشہد ابن مسعود کی زیادہ ترجیح ہونے کے یہ ہے کہ:......اتفاق کیا ہے

محدثین اور ائمہ ستہ نے اوپر روایت کرنے تشہد ابن مسعود کے از روئے لفظ اور از روئے معنی دونوں کے، اور یہ امر عجیب ہے۔

اور تشہد ابن عباس کا جس کو شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور وہ تشہد شمار کیا گیا ہے افراد مسلم سے، اگرچہ اخراج کیا اس کا سوائے بخاری کے اور محدثین نے، اور اعلیٰ درجات صحیح میں حفاظوں کے نزدیک وہ ہے جس پر اتفاق کیا ہو بخاری اور مسلم نے، اگرچہ یہ اتفاق فقط معنیٰ میں ہو، چہ جائیکہ متفق ہوں لفظ اور معنیٰ دونوں میں۔ پس وہ تو اعلیٰ درجہ کی حدیث ہوئی۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ:......علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اصح الاحادیث ہے، جیسا کہ ترمذی نے اپنی جامع میں اسے ذکر کیا ہے، اور محققین شوافع نے بھی اس کا اقرار کیا ہے، چنانچہ علامہ نووی (رحمہ اللہ) ''شرح مسلم'' میں تصریح کرتے ہیں کہ: حدیث تشہد ابن مسعود کی بہت صحیح ہے، اگرچہ دوسری حدیثیں بھی صحیح ہیں۔ اور علامہ سیوطی شافعی المذہب (رحمہ اللہ) نے ''توشیح'' میں تصریح کی ہے کہ اہل حدیث نے حدیث ابن مسعود کی ترجیح پر اتفاق کیا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ: حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اصح الاحادیث ہے، اس واسطے کہ یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کچھ اوپر بیس طریقوں سے مروی ہے، اور یہ حدیث از روئے اسناد کے اصح اور از روئے رجال کے اشہر ہے، اور اس بارے میں فقط یہی حدیث متفق علیہ ہے اور کوئی نہیں، اور اس واسطے کہ ابن مسعود سے روایت کرنے والے تمام ثقات ہیں کہ نہ الفاظ میں اس کے مختلف ہیں نہ معنی میں، بخلاف اور حدیثوں کے۔

اور چوتھی وجہ ترجیح کی یہ ہے کہ:......ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں لفظ:

” علمنی التشهد و کفی بین کفیه “ کمااخرجه مسلم۔

یعنی تعلیم کیا مجھ کو حضرت ﷺ نے تشہد درانحالیکہ میرا ہاتھ حضرت کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، روایت کیا اس کو مسلم نے۔

اور اس بارے میں جتنی حدیثیں ہیں ان میں سے کسی میں یہ لفظ نہیں فرمایا ہے، تو یہ بات مزید اہتمام پر دلالت کرتی ہے۔

اور پانچویں وجہ یہ ہے کہ:......رسول خدا ﷺ نے ابن مسعود کو تعلیم فرمایا اور امر فرمایا ان کو کہ لوگوں کو تعلیم کریں، جیسا کہ روایت کیا اس حدیث کو احمد نے، اور کسی حدیث میں یہ بات نہیں ہے۔

اور چھٹی وجہ یہ ہے کہ:......ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت صحابہ نے موافقت کی ہے، بخلاف ابن عباس رضی اللہ عنہ کے۔

اور ساتویں وجہ یہ ہے کہ:...... جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سکھایا یہ تشہد اور لوگوں کو منبر پر علانیہ، جیسا کہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں گذرا، اور یہ خوبی کسی اور تشہد میں نہیں ہے۔

اور آٹھویں وجہ ترجیح کی یہ ہے کہ:...... جمہور اہل علم اور اہل نقل نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد پر عمل کیا ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تشہد پر سوائے شافعی اور ان کے متبعین کے کوئی عامل نہ ہوا۔

نویں وجہ یہ ہے کہ:......عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب اور شاگردوں پر اس کی تعلیم میں بہت تشدد اور اہتمام کیا، جیسا کہ عبدالرحمٰن بن یزید نے کہا ہے کہ ہم یاد کرتے تھے عبداللہ سے تشہد کو جس طرح پر یاد کرتے تھے عبداللہ سے ہم حروف قرآن کو، پس اس نے اس بات پر دلالت کی کہ راوی اس حدیث کے بہت ضبط کرتے تھے، اور یہ

بات دوسری حدیثوں میں پائی نہیں جاتی۔

گیارہویں وجہ ترجیح کی یہ ہے کہ:......ترمذی نے خصیف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ: میں نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا' تو میں نے آپ سے پوچھا کہ آدمیوں نے تشہد میں اختلاف کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: لازم پکڑ تو تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا، لیکن یہ عبارت نسخہ موجودہ میں نہیں ہے، مگر ''سعایہ'' اور ''فتح القدیر'' وغیرہ میں یہ عبارت موجود ہے، فتأمل۔

اور سوا اس کے اور وجوہات بھی بہت ہیں جو بسبب اختصار کے چھوڑ دیں۔ پس اس سے ظاہر ہو گیا کہ حنفی مذہب دوسرے مذاہب پر فائق اور ارجح ہے۔ فتدبر۔

عن ابن مسعودٍ قال : علّمنی رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم التشهد وکفی بین کفیه' کما یعلمنی سورة من القرآن ، التحیات للّٰہ والصلٰوۃ والطیبات ، السَّلام علیک أیها النبی ورحمة اللّٰہ وبرکاته ، السّلام علینا وعلٰی عباد اللّٰہ الصالحین ، اشهد ان لا اله الاّ اللّٰہ واشهد ان محمّدًا عبده ورسوله ، رواه الجماعة۔

وفی لفظ : ان النبی صلی الله علیه وسلم قال : اذا قعد احدکم فی الصلٰوۃ فلیقل : التحیات للّٰہ ، وذکره وفیه عند قوله : وعلی عباداللّٰہ الصالحین ، فانکم اذافعلتم ذٰلک فقد سلمتم علی کل عبدٍ للّٰہ صالحٍ فی السماء والارض، وفی اٰخره ثم یتخیر من المسئلة ماشاء ، متفق علیه۔

ولاحمد من حدیث ابی عبیدة عن عبداللّٰہ قال : علمه رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم التشهد وامره ان یعلمه الناس:" التحیات للّٰہ " وذکره ، قال الترمذی : حدیث ابن مسعود اصح حدیث فی التشهد ، والعمل علیه عند اکثر اهل العلم من الصحابة

والتابعین۔

ترجمہ:......ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: سکھایا مجھ کو رسول خدا ﷺ نے تشہد اس حال میں کہ میرا ہاتھ حضرت کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، جیسا کہ سکھاتے تھے مجھ کو قرآن سے ''التحیات للہ '' آخر تک۔روایت کیا ہے اس کو تمام جماعت محدثین یعنی بخاری اور مسلم اور ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ وغیرہم نے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ: نبی ﷺ نے فرمایا: جب بیٹھے کوئی نماز میں تو چاہئے کہ کہے: ''التحیات للہ '' پھر ذکر کیا اس کو، اور اس روایت میں لفظ: '' وعلی عباد اللہ الصالحین '' کے پاس فرمایا حضرت ﷺ نے کہ: جب تم نے یہ کہہ لیا تو سلام کیا اوپر تمام بندگان صالحین کے جو آسمان اور زمین میں ہیں، اور آخر میں اس کے ہے پھر اختیار کرے دعاؤں میں سے جو دعا چاہے۔روایت کیا اس کو احمد اور بخاری اور مسلم نے۔[۱]

اور احمد کی دوسری روایت میں ابی عبیدہ سے روایت ہے، وہ عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہا کہ: مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے تشہد سکھایا اور امر فرمایا کہ لوگوں کو سکھا دے ''التحیات للہ ''اور ذکر کیا آخر تک۔ترمذی نے کہا: حدیث ابن مسعود کی تشہد میں اصح الاحادیث ہے اور اس پر عمل ہے اکثر اہل علم اصحاب رسول اللہ ﷺ اور تابعین کا۔

ف:......اسی طرح اس کی ترجیح میں علامہ شوکانی نے بھی بہت طویل عبارت جلد ثانی کے صفحہ:۱۷۲ میں لکھی ہے، اور وہ یہ ہے:

قال ابوبکرالبزار ایضا : ھو اصح حدیث فی التشھد ، قال : وقد روی من نیف وعشرین طریقا ، وسرد اکثرھا ، وممن جزم بذلک البغوی فی شرح السّنة ، وقال

مسلم : انما اجمع الناس على تشهد ابن مسعود ، لان اصحابه لايخالف بعضهم بعضا ، وغيره قد اختلف اصحابه ، وقال الذهلي : انه اصح حديث روى فى التشهد ومن مرجحاته انه متفق عليه دون غيره ، وان رواته لم يختلفوا فى حرف منه بل نقلوه مرفوعًا على صفة واحدة ، وقد روىٰ التشهد عن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم جماعة من الصحابة غير ابن مسعود منهم : ابن عباس رضى اللّٰه عنه ومنهم جابر رضى اللّٰه عنه، اخرج حديثه النسائى وابن ماجه والترمذى فى العلل والحاكم ، ورجاله ثقات ، ومنهم عمر اخرج حديثه مالک والشافعى والحاكم والبيهقى ' روى مرفوعا ، وقال الدار قطنى : لم يختلفوا فى انه موقوف عليه ، ومنهم ابن عمر رضى اللّٰه عنهما اخرج حديثه ابو داؤد والدار قطنى والطبرانى ، ومنهم علي رضى اللّٰه عنه اخرج حديثه الطبرانى باسناد ضعيف ، ومنهم ابو موسٰى رضى اللّٰه عنه اخرج حديثه مسلم وابوداؤد والنسائى والطبراني ، ومنهم عائشة رضى اللّٰه عنها اخرجه الحسن بن سفيان فى مسنده والبيهقى ورجح الدار قطني وقفه ، ومنهم سمرة رضى اللّٰه عنه اخرجه ابو داؤد واسناده ضعيف ، ومنهم ابن الزبير رضى اللّٰه عنه اخرجه الطبرانى واسناده حسن قاله الحافظ ، ومنهم سلمان اخرجه الطبرانى والبزار واسناده ضعيف ومنهم ابو حميد رضى اللّٰه عنه اخرجه الطبرانى ، ومنهم ابوبكر رضى الله عنه اخرجه البزار واسناده حسن ، واخرجه ابن ابى شيبة موقوفا ، ومنهم الحسين بن على رضى اللّٰه عنه اخرجه الطبرانى ، ومنهم طلحة بن عبيد اللّٰه رضى اللّٰه عنه ، قال الحافظ : واسناده حسن ، ومنهم انس رضى اللّٰه عنه قال : واسناده صحيح ، ومنهم ابو هريرة رضى اللّٰه عنه قال : واسناده صحيح ، ومنهم ابو سعيد رضى اللّٰه عنه قال : واسناده

صحیح ایضًا ، ومنهم الفضل بن عباس رضی اللہ عنه وام سلمة وحذیفة والمطلب بن ربیعة وابن ابی اوفٰی (رضی اللہ عنهم)، وفی اسانیدهم مقال وبعضها مقارب۔

کیا امام صاحب کے نزدیک تشہد میں اشارہ کرنا مکروہ وبدعت ہے؟

سوال: ماقولکم دام فضلکم ایها العلماء العظام ......اس مسئلہ میں بعض مخالفین حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین تشہد میں اشارہ کرنے کو مکروہ اور بدعت کہتے ہیں، اور احادیث صحیحہ صریحہ سے اس کا مسنون ہونا ثابت ہے، اس کا کیا جواب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نقول وبه نستعین ......صورت مذکورہ میں جناب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرنا اور کراہت اشارہ کی تہمت لگانا تعصب اور حماقت ہے، کیونکہ جناب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما سے اشارہ کرنا تشہد میں ثابت ہے، چنانچہ ''سعایہ حاشیہ شرح وقایہ'' کے صفحہ: ۲۱۷/ میں ہے:

فاعلم ان الائمة الثلاثة واتباعهم اتفقوا علی کونها سنة ، کما حکاه العینی فی شرح الهدایة ، وکذا اتفق علیه ائمتنا الثلاثة وقدماء اتباعهم ، والخلاف انما جاء من متاخریهم ، فلا اعتداد بخلافهم۔

یعنی ائمہ ثلاثہ اور ان کے متبعین نے اتفاق کیا ہے اشارہ کے سنت ہونے میں، جیسا کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح ہدایہ'' میں تصریح کی ہے، اور اسی طرح اتفاق کیا ہے ہمارے ائمہ ثلاثہ اور ان کے متبعین متقدمین نے۔ ہاں متاخرین نے اس میں ضرور اختلاف کیا ہے، مگر ان کے اختلاف کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

ف:......متاخرین نے اشارہ کا انکار جن کتابوں میں کیا ہے ان کی مختصر فہرست یہ ہے:

''فتاویٰ بزازیہ' فتاویٰ سراجیہ' فتاویٰ کبریٰ' خلاصۃ الفتاویٰ' مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام' فتاویٰ واقعات' فتاویٰ کافوریہ' فتاویٰ نصاب اور کیدانی' جامع المضمرات' تبیین' منیۃ المفتی' خزانۃ الروایۃ' عتابیہ' غیاثیہ' ترغیب الصلوٰۃ' جامع الرموز' زاہدی' تنویر الابصار' فتاویٰ ظہیریہ' سعایہ''۔

اور جن روایتوں سے اشارہ کرنا حنفی مذہب میں ثابت ہے وہ یہ ہے:

''ففی التتارخانیۃ ذکر محمد فی غیر روایۃ الاصول حدیثا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یشیر، قال محمد : نصنع بصنعہ ، ثم قال : وھذا قول ابی حنیفۃ ، انتھٰی ''۔

یعنی ''تاتارخانیہ'' میں ہے کہ: امام محمد (رحمہ اللہ) سے روایت اصول کے علاوہ منقول ہے کہ: انہوں نے یہ حدیث ذکر کی کہ: آنحضرت ﷺ اشارہ کرتے تھے۔ اور محمد (رحمہ اللہ) نے کہا کہ: ہم بھی آنحضرت ﷺ کے فعل کا اتباع کرتے ہیں، پھر فرمایا: یہی قول ابو حنیفہ (رحمہ اللہ) کا ہے۔

اور اسی طرح ''مؤطا امام محمد'' میں ہے:

عن علی بن عبدالرحمن انہ قال : رآنی عبداللّٰہ بن عمر وانا اعبث بالحصی فی الصلوٰۃ ، فلما انصرف نھانی ، وقال : اصنع کما کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع ، فقلت : کیف کان یصنع ؟ قال : اذا جلس وضع کفہ الیمنی علی فخذہ الیمنی ' وقبض اصابعہ کلھا ' واشار باصبعہ التی تلی الابھام ' ووضع کفہ الیسری علیٰ فخذہ الیسری، قال محمد : وبصنع رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم نأخذ ، وھو قول ابی حنیفۃ ، انتھٰی۔

ترجمہ:......علی بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہا کہ: دیکھا مجھ کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے

کہ میں نماز میں کنکریوں سے کھیلتا تھا، پس جب میں فارغ ہوا تو مجھ کو منع کیا، اور فرمایا کہ: جو کام رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے تو بھی کیا کر! میں نے کہا کہ: آنحضرت ﷺ کس طرح کرتے تھے؟ کہا: جب بیٹھتے تو رکھتے اپنے داہنے ہاتھ کو داہنی ران پر، اور بند کر لیتے تمام انگلیوں کو، اور اشارہ کرتے اس انگلی سے جو انگوٹھے کے پاس ہے، اور رکھتے بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر، پھر امام محمد (رحمہ اللہ) نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے فعل کو لیتے ہیں، اور یہی قول ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

ف:...... پس اس سے صاف معلوم اور ثابت ہوتا ہے کہ جناب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اشارہ کرنا تشہد میں مسنون ہے۔ اور جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ لوگ ان کی روایت سے بے خبر ہیں، کیونکہ مذہب حنفی بناپر قول شامی وغیرہ کے عبارت امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد (رحمہم اللہ) کے اقوال سے ہے۔ پس دو صاحبوں یعنی امام اعظم اور امام محمد رحمہ اللہ علیہما سے اشارہ کرنا تو ثابت ہو گیا، اب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سن لیجئے۔

وذكر الشمني فی شرح مختصر الوقاية : انه ذكر ابو يوسف فی الامالی : انه يعقد الخنصر والبنصر ويحلق بالوسطی والابهام ويشير بالسبابة ، انتهٰی۔

ترجمہ:...... ذکر کیا علامہ شمنی (رحمہ اللہ) نے ''مختصر وقایہ'' میں کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ''امالی'' میں ذکر کیا ہے کہ: نماز پڑھنے والا چھنگلیاں اور اس کے پاس والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنالے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرے۔ اسی طرح ''سعایہ'' اور ''تعليق الممجد'' میں ہے۔

اور ''ابی الطیب شرح جامع الترمذی'' میں ہے:

ولاشک انّ وضع الکف مع قبض الاصابع لا تتحقق حقیقة ، فالمراد واللّٰه اعلم وضع الکف ثم قبض الاصابع بعد ذلک للاشارة ، وهو المروی عن محمد ، وکذا عن ابی یوسف فی الامالی۔

اور''سعایہ''میں ہے:

فعن محمد انّ ماذکرہ فی کیفیة الاشارة بما نقلناه قول ابی حنیفة رحمة اللّٰه علیه۔

اسی طرح''نہایہ حاشیہ ہدایہ''میں اشارہ کرنا امام محمداور امام اعظم رحمہما اللہ سے مروی ہے، اور''سعایہ''میں''محیط''سے منقول ہے کہ: اشارہ سنت ہے۔اور یہ قول ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔اور اس بارے میں احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ بہت وارد ہوئے ہیں پس اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

اور اسی طرح''ظاہرالاصول''میں ہے کہ جب ہمارے ائمہ ثلاثہ سے بالاتفاق اشارہ کرنے کی روایتیں ہیں اور کوفی اور مدنی علماء اس پر متفق ہیں،تو بیشک اشارہ کرنا اولیٰ ہوا۔

اور''سعایہ''میں''تحفہ''سے منقول ہے کہ اشارہ کرنا مستحب ہے اور یہی''عینی''اور ''بحرالرائق''میں ہے۔

اور''مراقی الفلاح''میں ہے کہ: اشارہ مسنون ہے بنابر مذہب صحیح کے،اور جس نے کہا کہ اشارہ نہ کرے وہ خلاف روایۃ ودرایۃ ہے۔

اور''درالمختار''میں ہے کہ: معتمد یہی ہے جس کو شراح نے صحیح کہا ہے، اور خاص کر متاخرین میں سے بھی ایک جماعت نے اشارہ کو مسنون لکھا ہے،مثلاً علامہ کمال اور حلبی اور بہنسی اور باقانی اور شیخ الاسلام کے۔

اور سوا ان کے بہت اقوال اور ادلہ تشہد میں اشارہ کرنے پر ثابت ہیں، اور کتب

احادیث اور کتب فقہ اس سے مالا مال ہیں، مگر بخوف طوالت کے اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

سجدۂ سہو سلام کے بعد ہے یا سلام سے پہلے؟

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں سجدۂ سہو مذہب حنفی میں بعد سلام کے ہے اور بعض مخالفین کے نزدیک قبل سلام کے۔ پس موافق مذہب حنفی کے کوئی صحیح حدیثیں ثابت ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نقول وبه نستعين ...... مذہب حنفی میں سجدۂ سہو بعد سلام کے ہے، خواہ سجدۂ سہو کسی زیادتی کے سبب سے ہو یا نقصان کے۔ اور بعض مخالفین جو اس مسئلہ میں جناب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کرتے ہیں، وہ غلطی اور خطا پر ہیں، اور بڑے بے ادب ہیں۔ اور مخالفین کی یہ بے ادبی محض امام الہدی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہی نہیں ہے، بلکہ علماء عظام صحابہ کرام اور تابعین ذوی الاحترام کے ساتھ بھی ہے، کیونکہ علامہ شوکانی نے ''نیل الاوطار'' جلد ثانی کے صفحہ: ۳۶۰ر میں تصریح فرمائی ہے کہ: اس بارے میں آٹھ اقوال ہیں: قول اول یہ ہے کہ: سجدۂ سہو بعد سلام کے کیا جائے، اور جتنے صحابہ اور تابعین اور تبع التابعین وغیرہم اس قول کی طرف گئے ہیں، اتنے دوسرے اقوال کی طرف نہیں گئے۔ اور وہ عبارت یہ ہے:

قوله : ثم سلم ثم كبر وسجد ، فيه دليل لمن قال : ان سجود السهو بعد السلام ، وقد اختلف اهل العلم فى ذلک على ثمانية اقوال : كما ذكر ذٰلک العراقى فى شرح الترمذى ، الاوّل : ان سجود السهو كله محله بعد السلام ، وقد ذهب الى ذٰلک جماعة من الصحابة وهم : على بن ابى طالب وسعد بن ابى وقاص

وعـمار بن ياسر وعبداللّٰه بن مسعود وعمران بن حصين وانس بن مالک والمغيرة بـن شـعبة وابوهريرة وابن عباس ومعاوية وعبداللّٰه بن الزبير (رضی الله عنهم) ، ومن التـابـعيـن : ابـو سـلـمة بـن عبـد الرحمن والحسن البصری والنخعی وعمر بن عبد الـعـزيـز وعبـد الـرحمن بن ابی ليلی والسائب القاری وهو قول الثوری وابی حنيفة واصـحـابـه (رحـمهـم الله) ، ورواه الترمذی عن اهل الكوفة ، وذهب اليه من اهل البيـت الهـادي والـقـاسـم و زيـد بـن عـلـي والمؤيد باللّٰه (رحمهم الله) واستدلوا بحديث الباب وبسائر الاحاديث التی ذكر فيها السجود بعد السّلام۔

پس یہاں سے ثابت ہے کہ اس مسئلہ میں طعن کرنا جناب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر عین صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم پر طعن کرنا ہے، معاذ اللہ۔ اور اس جگہ سے وہ قول بھی باطل ہوا جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ سلام کے بعد سجدۂ سہو کرنا منسوخ ہے، اگر یہ قول منسوخ ہوتا تو اتنے صحابہ اور تابعین وغیرہم کیوں اس قول پر عمل کرتے؟

اور اس بارے میں احادیث صحیحہ بہت ہیں اور وہ یہ ہیں:

عـن ابن سيرين عن ابی هريرة رضـی اللّٰه عنه قـال : صلی بنا رسول اللّٰهِ صلی الله عليه وسلم احـدی صلا تی العشی ، فصلی ركعتين ، ثم سلم فقام الی خشبة معروضة فـی المسجد واتكأ عليها كأنه غضبان ووضع يده اليمنی علی اليسری وشبک بين اصـابـعه ووضع خده الأيمن علی ظهر كفه اليسری ، وخرجت السرعان من ابواب المسجد ، فقالوا : قصرت الصلوٰة ، وفی القوم ابو بكر وعمر فهابا ان يكلماه ، وفی الـقـوم رجـل يـقـال له ذواليدين ، فقال : يا رسول اللّٰه ! انسيت أم قصرت الصلوٰة ؟ فـقـال لم انس ولـم تقصر ، فقال : أكما يقول ذواليدين ؟ فقالوا : نعم ! فتقدم فصلّٰی مـا تـرک ثـم سـلّم ثم كبر وسجد مثل سجوده أو اطول، ثم رفع رأسه وكبر ثم كبر

وسجد مثل سجوده أو اطول، ثم رفع رأسه وكبر فربما سألوه ثم سلم ، فيقول : انبئت ان عمران بن حصين قال ثم سلم ، متفق عليه۔

ترجمہ:......ابن سیرین ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہا: زوال کے بعد کی نمازوں میں سے ایک نماز رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پڑھائی، تو آپ نے دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا، اور کھڑے ہو کر ستون سے ٹیک لگائی، اور سیدھا ہاتھ الٹے ہاتھ پر رکھ کر انگلیاں ملالیں، اور اپنا رخسار بائیں ہاتھ پر رکھ لیا۔ آپ ایسے کھڑے ہوئے کہ غصہ کی حالت معلوم ہوتی تھی، جلد باز لوگ تو اٹھ کر یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ: آج نماز میں تخفیف ہوگئی۔ اس جماعت میں حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے، مگر یہ دونوں خوف اور ہیبت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ سے کلام نہ کر سکے۔ اس گروہ میں ایک شخص تھا جسے ذوالیدین (رضی اللہ عنہ) کہتے تھے۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ بھول گئے یا نماز کم کر دی گئی؟ حضرت ﷺ نے فرمایا: نہ میں بھولا نہ نماز کم کی گئی۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ: کیا ذوالیدین ٹھیک کہتے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ! تو آپ ﷺ آگے بڑھے اور چھوٹی ہوئی رکعتیں پوری کیں پھر سلام پھیرا پھر تکبیر کہی۔ اس روایت میں ابن سیرین سے اکثر لوگ پوچھتے تھے کہ: کیا سلام پھیرا حضرت ﷺ نے؟ تو ابن سیرین کہتے تھے کہ: ہاں مجھ کو عمران بن حصین سے یہی خبر دی گئی کہ حضرت ﷺ نے سلام پھیر کر سجدہ کیا۔ روایت کیا اس کو ''بخاری'' اور ''مسلم'' اور ''احمد'' نے۔[۱]

[۱]...... بلکہ جتنی حدیثیں ذوالیدین کے قصہ کے بارے میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں وہ سب مضطرب ہیں، گو کہ شیخین نے روایت کی ہیں، اس کے علاوہ جو یہ کہے کہ اسلام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ذوالیدین کے واقعہ کے قبل تھا تو نہایت ضعیف ہے۔۱۲/ من آثار السنن للعلامه النيموى رحمه الله۔

یہ حدیث جیسے بخاری اور مسلم اور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے۔اسی طرح ایک اور جماعت محدثین نے روایت کی ہے، اور اس میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سجدۂ سہو بعد سلام کے کیا، اور اسی طرح آنحضرت ﷺ سے منقول ہے" لکل سهو سجدتان بعد السلام"یعنی ہر سہو کے لئے دو سجدے بعد سلام کے ہیں۔روایت کیا ہے اس کو ابوداؤد نے اور ابن ماجہ نے اسمٰعیل بن عیاش سے۔

اور بیہقی نے اس حدیث میں کلام کیا ہے کہ: اس روایت میں اسمٰعیل بن عیاش متفرد ہیں اور وہ قوی نہیں ہے، لہٰذا روایت معتبر نہیں۔

جواب اس کلام کا یہ ہے کہ: اسمٰعیل بن عیاش کا ضعیف ہونا ممنوع اور غیر مسلم ہے، کیونکہ اسمٰعیل بن عیاش ثقہ ہے، توثیق کی ہے اس کی امام الجرح والتعدیل شیخ یحیٰ بن معین نے۔

اور ابواسحاق فزاری کا ان کو ضعیف کہنا مقبول نہیں ہے، کیونکہ ابواسحاق سے درجہ میں اعلیٰ اور اولیٰ ابوزرعہ جو اس فن کے امام ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: شام میں اوزاعی اور سعید بن عبدالعزیز کے بعد کوئی شخص زیادہ عالم نہیں اسمٰعیل بن عیاش سے۔

اور عبیداللہ بن عبید کلاعی جو اس کی اسناد میں ہیں وہ ثقہ ہیں، ابن معین نے کہا کہ: یہ مجروح نہیں ہیں۔اور ابن حبان نے زبیر بن اسحاق عینی کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

اور اس کی اسناد میں عبدالرحمٰن بن جُبیر بن نُفیر اس کو ابوزرعہ اور نسائی نے ثقہ کہا ہے، اور ابوحاتم نے اس کو صالح الحدیث کہا ہے، اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں بیان کیا ہے۔

اور جو لوگ اس حدیث کو منکر کہتے ہیں ان کے قول کا اعتبار نہیں کیا جاوے گا، بلکہ یہ قول مقبول نہیں ہے۔اور اگر تسلیم بھی کرلیں تو ایک حدیث قولی بھی موجود ہے جس کو ابوداؤد نے

عبداللہ بن جعفر سے روایت کیا ہے وہ یہ ہے کہ: فرمایا رسول خدا ﷺ نے: جو شخص شک کرے اپنی نماز میں تو چاہئے کہ سجدہ کرے دو سجدے بعد سلام کے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس حدیث میں مصعب بن ابی شیبہ ہے، اور وہ منکر الحدیث بنابر مقولہ نسائی کے ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ علامہ شوکانی نے ''نیل الاوطار'' کی جلد ثانی میں لکھا ہے: ''قد وثقه ابن معين واحتج به مسلم فی صحيحه'' یعنی ابن معین نے توثیق کی ہے، اور حجت پکڑی ہے اس کے ساتھ مسلم نے اپنی ''صحیح مسلم'' میں۔

وعن ابن حصين ان النبی صلى الله عليه وسلم ،صلى بهم ، فسها فسجد سجدتين ثم تشهد ثم سلّم ، رواه ابو داؤد والترمذی ، الحديث اخرجه ايضا ابن حبان والحاكم وحسنه الترمذی ، وقال الحاكم : على شرط الشيخين ، وصححه ابن حبان۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ سہو کے سجدے کے بعد تشہد پڑھ کے سلام خارج ہونے کو نماز سے پھیرے۔ یہی مذہب حنفی ہے۔ اور اس کے علاوہ اور فعلی حدیثیں بھی ہیں، لیکن میں نے حدیث صحاح ستہ وغیرہ کی نقل کر دی ہے، لہٰذا اور حدیثیں بیان کرنا طول لاطائل ہے۔ پس اسی پر کفایت کرتا ہوں، کیونکہ منصف اہل علم کے لئے یہ کافی ہے، فتامل۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حدیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے بعد کلام کرنے کے باقی نماز ادا کی اور سجدہ سہو کا کیا۔ معلوم ہوا کہ کلام الناس مفسد نماز نہیں ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ نماز میں کلام کرنا مفسد نماز ہے، اس سے خواہ کسی طریق سے ہو۔ اور اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کا کلام کرنا قبل تحریم کلام فی الصلوٰۃ کے تھا، چنانچہ ''جامع الترمذی'' میں ہے:

فقال بعض اهل الكوفة : اذا تكلم فی الصلوٰة ناسيًا أو جاهلًا أو ما كان فانه

یعید الصلوٰة ، واعتلوا بان ھٰذا الحدیث کان قبل تحریم الکلام فی الصلوٰة۔

پس حدیث کلام فی الصلوٰۃ کی منسوخ ہے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ صاحب بحر باوجود حنفی ہونے کے خود قائل ہیں کہ یہ توجیہہ بعض اہل کوفہ کی ممنوع ہے؟ تو اس کا جواب باصواب علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے دلیل قوی کے ساتھ دیا ہے اور وہ یہ ہے:

وعن معاویة بن حکم السلمی رضی اللّٰه عنه قال : بینا انا اصلی مع رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم اذ عطس رجل من القوم فقلت : یرحمک اللّٰه ، فرمانی القوم بأبصارھم ، فقلت : واثکل امیاه ما شانکم تنظرون اليّ فجعلوا یضربون بایدیھم علی افخاذھم ، فلما رأیتھم یصمتونی سکت ، فلما صلی رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم دعانی ثم قال : ان ھذه الصّلاة لایصلح فیھا شی من کلام الناس ، انما ھو التسبیح والتھلیل والتکبیر وقراءَة القراٰن، الخ ، رواه مسلم۔

ترجمہ:...... روایت ہے معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے کہا اس نے کہ: اس درمیان میں کہ میں نماز پڑھتا تھا ہمراہ رسول خدا ﷺ کے، ناگہاں چھینکا ایک شخص نے قوم میں سے، تو میں نے کہا: رحم کرے تجھ پر اللہ تعالیٰ، پس لوگ تیز نظر سے مجھ کو دیکھنے لگے، تو میں نے کہا: رووے ماں میری کیا بات ہے جو تم مجھ کو اس طرح دیکھتے ہو؟ لوگ مارنے لگے اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر، پس جبکہ دیکھا میں نے ان کو کہ مجھ کو چپ کرتے ہیں تو چپ ہو گیا میں، پھر جب نماز ادا کر چکے آنحضرت ﷺ تو بلا کر مجھ کو فرمایا کہ: یہ نماز ہے اس میں کلام الناس میں سے کوئی کلام جائز نہیں، نہیں ہے یہ نماز مگر تسبیح اور تہلیل اور تکبیر اور قرائت قرآن کی۔ آخر حدیث تک۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

ف: ......پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کلام الناس نماز میں قاطع نماز اور مفسد نماز ہے۔اسی طرح اور حدیثیں ہیں، جن میں مذکور ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا: جب امام کو کچھ سہو در پیش ہو تو عورت مقتدی تصفیق کرے، اور اگر مقتدی مرد ہو تو ''سبحان اللہ'' کہے، یہ حدیث صحاح والوں نے روایت کی ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ بھی کلام نماز میں ممنوع اور ناجائز ہے، اگر نماز میں کلام کرنا درست ہوتا' تو آپ عورت کو تصفیق اور مرد کو تسبیح کی ہدایت نہیں فرماتے۔پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ ذوالیدین کا کلام کرنا نماز میں جو حدیث ابن عمر اور عمران بن حصین اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم میں ذکر کیا گیا ہے قبل تحریم کے تھا' اور اس پر دلالت کرنے والی حدیث معاویہ بن حدیج (رضی اللہ عنہ) کی ہے، اور وہ یہ ہے:

عن معاوية بن حديج : ان رسول الله صلى الله عليه و سلم صلى يوما و انصرف وبقيت من الصلوٰة ركعة ، فادركه رجل فقال : بقيت من الصلاة ركعة ، فرجع الى المسجد فامر بلالاً فاذّن واقام الصّلاة فصلى للناس ركعة ، رواه ابو داؤد۔

ترجمہ:......روایت ہے معاویہ بن حدیج (رضی اللہ عنہ) سے: تحقیق کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی ایک روز اور پڑھ کر چلے گئے (لیکن) باقی رہ گئی نماز کی ایک رکعت، پس ایک شخص آپ سے ملے اور کہا کہ: حضرت ﷺ! نماز کی ایک رکعت باقی رہ گئی ہے۔پس اسی وقت آپ ﷺ مسجد کی طرف واپس آئے اور بلال (رضی اللہ عنہ) کو اذان کہنے کا حکم فرمایا' بلال (رضی اللہ عنہ) نے اذان کہی اور تکبیر، آنحضرت ﷺ نے ایک رکعت جو باقی رہ گئی تھی لوگوں کو پڑھائی۔روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد نے۔

اس حدیث کو شارح ترمذی ابی الطیب نے اور علامہ طحاوی (رحمہما اللہ) نے بیان کر کے فرمایا: اس حدیث میں حضرت ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو امر کیا اذان اور اقامت کہنے کا

اور بلال (رضی اللہ عنہ) نے اذان اور اقامت کہی اور نماز پھر سے ادا کی۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ جن حدیثوں سے کلام کرنا ثابت ہوتا ہے وہ جب تھا کہ جس وقت کلام کرنا نماز میں مباح تھا، بعد اس کے منسوخ ہو گیا۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نماز میں ایک مرتبہ سہو ہوا کہ چہار رکعت نماز کے بدلہ میں دو رکعت ادا کر کے سلام پھیر دیا، بعد اس کے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو اطلاع دی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز کو از سر نو چہار رکعت ادا کی اور اس وقت جماعت صحابہ کی موجود تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر انکار نہ کیا باوجود یکہ یہ صحابہ ذوالیدین کی نماز کے قصہ میں موجود تھے اور واقف تھے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ کلام کرنا منسوخ ہو گیا، اس لئے انہوں نے سکوت کیا ورنہ سکوت نہ کرتے ،اور اس سے زیادہ تحقیق جس کو منظور ہو تو ''آثار السنن'' علامہ محمد بن علی النیموی اور طحاوی (رحمہما اللہ) اور شرح ابی الطیب ترمذی کی ملاحظہ فرماوے۔ خذ ھذا ولا تکن فی مریۃ۔

وتر کے وجوب کی دلیل

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ وتر کو واجب کہنے والا امام اعظم صاحب کے سوا کوئی اور بھی ہے یا نہیں؟ اور واجب ہونے پر کوئی حدیث ان کی دلیل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نقول وبہ نستعین :...... گوکہ بعض لوگ وتر کے عدم وجوب کی طرف گئے ہیں، مگر جناب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وتر واجب ہے، اور اسی طرح اور علماء بھی وجوب کے قائل ہیں، چنانچہ ''آثار السنن'' کی جلد ثانی صفحہ:۳۰/میں علامہ محمد بن علی نیموی (رحمہ اللہ) لکھتے ہیں:

هٰذا القاضی ابو بکر بن العربی ذکر عن سحنون وأصبغ بن الفرج وجوبه ، وحکی ابن حزم ان مالکا قال : من ترکه ادب وکانت جرحة فی شهادته ، وحکاه ابن قدامة فی المغنی عن احمد ، وفی المصنف عن مجاهد بسند صحیح : هو واجب ولم یکتب ، وحکی ابن بطال وجوبه عن اهل القراٰن یعنی عن ابن مسعود وحذیفة وابراهیم النخعی ، وعن یوسف بن خالد السمتي شیخ الشافعی وجوبه ، وحکاه ابن ابی شیبة ایضا : عن سعید بن المسیب ' وابی عبیدة ابن عبداللّٰه ' ابن مسعود ' والضحاک ، انتهٰی۔

یعنی قاضی ابوبکر بن العربی (رحمہ اللہ) نے ذکر کیا ہے: وجوب وتر کوسحنون اوراصبغ بن الفرج (رحمہما اللہ) سے۔اور بیان کیا ابن حزم (رحمہ اللہ) نے کہ: امام مالک (رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ: جوترک کرے وتر کواس کوادب دینا چاہئے،یعنی سزادینی چاہئے۔اور ہوگا یہ جرح اس کی شہادت میں۔اور بیان کیا وتر کے وجوب کوابن قدامہ نے ''مغنی'' میں احمد بن حنبل (رحمہ اللہ) سے اور ''مصنف'' میں مجاہد سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ: وتر واجب ہے اورفرض نہیں ہے۔ابن بطال نے اس کے وجوب کو بیان کیا اہل قرآن یعنی ابن مسعود اور حذیفہ اورابراہیم نخعی سے۔اور یوسف بن خالدالسمتی شیخ الشافعی سے روایت کیا: وجوب وتر کو۔اورابن ابی شیبہ نے وجوب کوسعید بن المسیب اورابی عبیدہ ابن عبداللہ ابن مسعوداور ضحاک (رحمہم اللہ) سے بھی بیان کیا ہے۔

ف:......پس اس تحریر سے واضح ولائح ہوا کہ وتر کے واجب کہنے والے جم غفیر اور جماعت کثیر ہے۔پس بنابراس کے جو کہ علامہ شوکانی نے اپنی ''نیل'' میں علامہ ابن المنذ ر سے عدم موافقت پر کسی کی تحریرامام اعظم کی وجوب وتر کے بارے میں نقل کیا وہ نہیں ہے۔اور

اسی طرح اعتراض کیا ہے قاضی ابوالطیب اور شیخ ابو حامد نے۔ پس جبکہ علماء محققین سے موافقت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی وجوب وتر پر ثابت ہوچکی تو کیونکر صحیح ہوسکتا ہے دعویٰ ابی الطیب اور ابی حامد کا کہ کسی نے موافقت نہیں کی؟ بلکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ نیز ان کے اس قول سے یہ صریح معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ان علماء اور فقہاء کے اقوال کی اطلاع ہی نہیں ہے جنھوں نے امام صاحب کی وجوب وتر میں موافقت کی ہے، چنانچہ ہم نے ان کے اقوال بیان کئے ہیں، پس کسی شخص کا عدم علم کسی شے کے ساتھ منافی نہیں ہوتا' دوسرے شخص کے علم کے جو اس کو اسی شے کا حاصل ہے۔ اسی طرح تصریح کی ہے علامہ عینی نے اور احادیث صحیحہ ادلہ امام صاحب وغیرہ محققین کے یہ ہیں۔

عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : اجعلوا اٰخر صلاتکم باللّیل وتراً ، رواہ الشیخان۔

ترجمہ:......روایت ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے: وہ روایت کرتے ہیں نبی ﷺ سے کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے: رات کی اپنی آخری نماز وتر بنالو۔ روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔

وعنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : بادروا الصبح بالوتر۔

ترجمہ:......روایت ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سبقت کرو تم صبح سے وتر کے ساتھ، یعنی صبح ہونے کے قبل وتر ادا کرلو۔

وعن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : اوتروا قبل ان تصبحوا ، رواہ الجماعۃ الا البخاری۔

ترجمہ:......اور روایت ہے ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے: تحقیق کہ نبی ﷺ نے فرمایا

کہ: وتر پڑھو صبح ہونے سے پہلے روایت کیا اس کو جماعت نے، مگر بخاری نے نہیں روایت کیا۔

وعن جابر رضی اللّٰہ عنه قال : قال رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم : من خاف ان لایقوم من اللّیل فلیوتر اوله ، ومن طمع ان یقوم اخره فلیوتر اٰخر اللّیل ، فان صلاۃ اٰخر اللّیل مشهودۃ وذٰلک أفضل ، رواه مسلم۔

ترجمہ:......اور روایت ہے جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ: جس کو خوف ہو اس بات کا کہ میں اخیر رات میں نہیں جاگ سکتا، تو اس کو چاہئے کہ وتر ادا کر لیوے اول رات میں، اور جس کو امید ہے کہ میں تہجد کے وقت اٹھ سکتا ہوں اور نماز پڑھ سکتا ہوں، اس کو چاہئے کہ اخیر ہی شب میں وتر پڑھے، اس واسطے کہ اخیر رات کی نماز میں رحمت کے فرشتے آتے ہیں، اور اخیر شب میں وتر ادا کرنا اور پڑھنا افضل وبہتر ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

وعن بریدۃ رضی اللّٰہ عنه قال : سمعت رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم یقول: الوتر حق ' فمن لم یؤتر فلیس منا ، الوتر حق ' فمن لم یؤتر فلیس منا ، الوتر حق ' فمن لم یؤتر فلیس منا ، رواه ابو داؤد واسناده حسن۔

ترجمہ:......اور روایت ہے بریدہ رضی اللہ عنہ سے کہا انہوں نے کہ: سنا میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے ہوئے کہ: وتر حق ہے پس جس نے وتر نہیں پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر حق ہے پس جس نے وتر نہیں پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر حق ہے پس جس نے وتر نہیں پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور اسناد اس کی حسن ہے۔

ف:......اگر کوئی کلام کرے کہ اس حدیث کی سند میں عبید اللہ بن عبد اللہ اور ابوالمنیب ہیں،

اوران میں نسائی اورابن حبان نے کلام کیا ہے۔اور بخاری (رحمہ اللہ) نے کہا ہے کہ ان کے پاس منکر حدیثیں ہیں۔تو جواب دیا جائے گا کہ عبید اللہ بن عبداللہ کو امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ کہا ہے،اورابن عدی نے کہا ہے:''لا باس بہ''اورابوحاتم نے انکار کیا ہے بخاری پر عبید اللہ بن عبد اللہ کو ضعفاء میں شمار کرنے کے باعث سے،اور کہا ابوحاتم نے کہ یہ عبید اللہ صالح الحدیث ہیں۔اوراس حدیث الباب کو حاکم نے''مستدرک''میں روایت کیا ہے،اور لفظ کی تکرار نہیں کی۔کہا حاکم نے:یہ حدیث صحیح ہے اورابوالمنیب ثقہ ہے۔

اوراس کی ایک اور حدیث شاہد ہے جو امام احمد (رحمہ اللہ) نے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی ہے،وہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن حسن ہے۔چنانچہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتح القدیر''میں اسی کی تائید کی ہے،اور جس کو زیادہ تصریح منظور ہو وہ کتب مطولہ حنفیہ کو ملاحظہ فرما کر تسلی کر لیوے،اور امام صاحب پر طعن کرنے سے بچے۔

وتر کی تین رکعتیں ایک سلام سے ہیں،اس کی دلیل

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وتر کی تین رکعتیں ایک سلام سے فرماتے ہیں اس پر کیا دلیل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اقول وبہ نستعین...... گو کہ وتر کی رکعتیں حدیثوں میں مختلف وارد ہوئی ہیں،مگر جناب امام اعظم (رحمہ اللہ) نے وتر کی تین رکعتیں ایک سلام سے اختیار فرمائی ہیں،اس کی دلیل حدیث صحیح ہے:

عن ابی سلمة بن عبد الرحمن انه سأل عائشة رضی اللّٰہ عنها كيف كانت صلاة رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم في رمضان ؟ فقالت : ماكان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يزيد فی رمضان ولا فی غيره علی احدى عشرة ركعة ، يصلی اربعًا فلا تسأل

عن حسنهنّ وطولهنّ ، ثم يصلي اربعا ، فلا تسأل عن حسنهنّ وطولهنّ ، ثم يصلي ثلاثا ، قالت عائشة : فقلت : يا رسول اللّٰه ! أتنام قبل ان توتر ؟ فقال : يا عائشة ! انّ عَيْنَيَّ تنامان ولاينام قلبي ، رواه البخاری۔

ترجمہ:……روایت ہے ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن (رحمہ اللہ) سے: انہوں نے پوچھا عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول خدا ﷺ کی نماز کے بارے میں' رمضان شریف میں،تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نہیں زیادہ کرتے تھے رسول خدا ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے۔ پڑھتے تھے آپ چار رکعت، پس مت پوچھ ان کے حسن اور طول سے۔ پھر پڑھتے تھے آپ چہار رکعت، تو مت پوچھ ان کے حسن اور درازی سے۔ پھر پڑھتے تھے آپ تین رکعتیں، عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پس کہا میں نے: یارسول اللہ! کیا سوتے ہیں آپ قبل وتر پڑھنے کے؟ فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ: اے عائشہ! تحقیق میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ روایت کیا ہے اس کو بخاری نے۔

ف:……اس حدیث بخاری سے وتر کی تین رکعتیں ثابت ہوئیں ،مگر تصریح اس بات کی نہیں ہے کہ ایک سلام سے یا دوسلام سے، لیکن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ تین رکعتیں وتر کی ایک سلام سے ادا کی جاتی تھیں۔

وعن علي بن عبد اللّٰه بن عباس رضى الله عنه : انه رقد عند رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم فاستيقظ فتسوک وتوضأ وهو يقول : ﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيَاتٍ لِاُوْلِي الْاَلْبَاب﴾ فقرأ هؤلاء الأيات حتى ختم السورة ثم قام فصلى ركعتين ، فأطال فيهما القيام والركوع والسجود ، ثم انصرف فنام حتى نفخ ، ثم فعل ذٰلک ثلاث مرّات ست ركعات كل ذٰلک يستاک ويتوضأ ،

ویقرأ هؤلاء الأیات ثم اوتر بثلاث ، رواه مسلم۔

یہ حدیث بھی بتلاتی ہے کہ وتر کی حضرت ﷺ نے تین رکعتیں پڑھیں۔روایت کیا اس کو مسلم نے۔

وعن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ : انّ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر بِ﴿ سَبِّح اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی ﴾ و﴿ قُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ ﴾ و﴿ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ﴾ رواہ الخمسة الا اباداؤد ، واسنادہ حسن۔

ترجمہ:......روایت ہے سعید بن جبیر سے: اور یہ روایت کرتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ: رسول خدا ﷺ وتر پڑھتے تھے:﴿ سَبِّح اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی ﴾ اور﴿ قُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ ﴾ اور﴿ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ﴾ کے ساتھ۔روایت کیا اس کو پانچوں نے سوائے ابو داؤد کے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

وعن ابي ابن کعب رضی اللّٰہ عنہ قال : کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی ، وقُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ ، وقُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ، رواہ الخمسة الا الترمذی ، واسنادہ صحیح۔

ترجمہ:...... اور روایت ہے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا: وتر پڑھتے تھے رسول خدا ﷺ ﴿ سَبِّح اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی﴾ اور﴿قُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ﴾اور﴿قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ﴾ کے ساتھ۔روایت کیا اس کو پانچوں نے سوائے ترمذی کے،اور اسناد اس کی صحیح ہے۔

وعن عبدالرحمن ابن ابزی انّہ صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الوتر، فقرأ فی الاولی : بسبح اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی ، وفي الثانیة : قُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ ، وفي الثّالثة : قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ، فلما فرغ قال :" سبحان الملک القدوس " ثلاثا ، یمد صوتہ

بالثالثة ، رواه الطحاوی واحمد وعبد بن حمید والنسائي ، واسناده صحیح۔

ترجمہ:......اور روایت ہے عبدالرحمٰن ابن ابزی (رضی اللہ عنہ) سے کہ انہوں نے نماز پڑھی ہمراہ رسول خدا ﷺ کے وتر کی، تو پڑھا آپ (ﷺ) نے اول رکعت میں ﴿سبح اسم ربک الاعلیٰ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قل یاَیھا الکافرون﴾ اور تیسری رکعت میں ﴿قل ھو اللہ احد﴾ پس جب کہ فارغ ہوئے حضرت ﷺ وتر سے تو فرمایا ''سبحان الملک القدوس'' تین بار، تیسری بار بلند کیا آپ ﷺ نے اپنی آواز کو۔ روایت کیا اس حدیث کو طحاوی اور احمد اور عبد بن حمید اور نسائی نے۔ اور اسناد اس کی صحیح ہے۔

ف:......اور تخریج کیا حافظ نے ''تلخیص'' میں، اور منسوب کیا ہے اس حدیث کو امام احمد اور نسائی کی طرف، اور کہا ہے کہ: یہ حدیث حسن ہے۔

اور علامہ شوکانی نے ''نیل'' میں کہا ہے کہ: عبدالرحمٰن ابن ابزی (رضی اللہ عنہ) کے صحابی ہونے میں اختلاف واقع ہوا ہے، اور اہل علم نے اختلاف کیا ہے کہ: یہ حدیث اس کی روایت سے آنحضرت ﷺ سے مروی ہے یا ابی ابن کعب (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے، اور یہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ترمذی نے کہا کہ: روایت کی عبدالرحمٰن (رحمہ اللہ) نے ابی ابن کعب (رضی اللہ عنہ) سے اور یہ نبی ﷺ سے، اور روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن ابن ابزی (رضی اللہ عنہ) جناب رسول اللہ ﷺ سے، انتہی۔

مگر تحقیق یہ ہے کہ عبدالرحمٰن ابن ابزی (رضی اللہ عنہ) کی صحبت آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، اور تائید کرتی ہے اس کی حدیث طحاوی کی '' انه صلی مع النبی صلی الله علیه وسلم '' الحدیث ، یعنی عبدالرحمٰن ابن ابزی (رضی اللہ عنہ) نے نماز پڑھی ساتھ نبی ﷺ

کے، الی آخرہ ۔پس عبدالرحمٰن دوطریقوں سے اس حدیث کوروایت کرتے ہیں: ایک بواسطہ ابی ابن کعب کے، اورایک بلاواسطہ کے۔اورعلامہ عراقی (رحمہ اللہ) نے فرمایاہے کہ: نسائی کے نزدیک دونوں صحیح ہیں۔(آثارالسنن للنیموی)

وعن الحسن عن سعد بن هشام عن عائشة رضی الله عنها: ان رسول الله صلی الله عليه وسلم كان اذا صلی العشاء دخل المنزل، ثم صلی ركعتين، ثم صلی بعدهما ركعتين اطول منهما، ثم اوتر بثلاث لايفصل بينهن، رواه احمد باسناد يعتبر به۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ وتر کی تین رکعتیں پڑھیں، اور فاصلہ نہیں کیا سلام کے ساتھ وتر کی تینوں رکعتوں میں۔

وعن زرارة ابن اوفی عن سعد بن هشام: ان عائشة رضی الله عنها حدثته: ان رسول الله صلی الله عليه وسلم كان لايسلم فی ركعتی الوتر، رواه النسائی والأخرون واسناده صحيح كما فی اٰثار السنن۔

ترجمہ:...... روایت ہے زرارہ ابن اوفیٰ (رحمہ اللہ) سے، یہ روایت کرتے ہیں سعد بن ہشام (رحمہ اللہ) سے کہ: عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث بیان کی ان سے کہ: رسول خدا ﷺ نہیں سلام پھیرتے تھے دو رکعتوں میں وتر کی۔روایت کیا اس کو نسائی نے اور دوسروں نے اور اسناد اس کی صحیح ہے۔

ف:...... ''آثارالسنن'' میں ہے کہ: نسائی نے بطریق بشر بن الفضل کے تخریج کی ہے، اور وہ روایت کرتے ہیں سعید سے اور سعید قتادہ سے اور قتادہ زرارہ بن اوفیٰ سے اور زرارہ سعد بن ہشام (رحمہم اللہ) سے، اب اس میں زرارہ بن اوفیٰ کی متابعت کی ہے حسن نے جس کو امام احمد نے بالفاظ گذشتہ روایت کیا ہے، لیکن سعید بن ابی عروبہ کی روایت صریح تحدیث کے ساتھ ''دارقطنی'' نے روایت کی، اور بشر بن الفضل کی تابعداری محمد بن الحسن نے

''مؤطا''میں کی ہے اور مطعم ابن المقدام نے''طبرانی'' کی روایت میں، اور تابعداری کی یزید بن زریع اور ابو بدر شجاع بن الولید نے جس کو''دار قطنی'' نے روایت کیا ہے انہیں الفاظ کے ساتھ۔ اور عبدالوہاب ابن عطاء اور عیسیٰ بن یونس نے متابعت کی ہے جس کو حاکم نے اپنی''مستدرک''میں بایں الفاظ بیان کیا:

کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یسلم فی الرکعتین الأولیین من الوتر، وقال : ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ۔

یعنی رسول خدا ﷺ نہیں سلام پھیرتے تھے وتر کی اول دو رکعتوں میں۔ اور کہا حاکم نے: یہ حدیث صحیح ہے شرط شیخین پر، لیکن شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی۔ پس اس حدیث کو کثرۃ متابعت اور روایات قویہ کثیرہ سے قوۃ اور رفعت حاصل ہوئی، **لاریب فی صحتہ۔**

وتر میں رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھنا اور قنوت سے پہلے رفع یدین کرنا

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ وتر میں دعاء قنوت پڑھنے سے قبل رفع یدین کرتے ہیں اور بعدہ ہاتھ باندھتے ہیں، اور وتر میں قنوت قبل رکوع کے پڑھتے ہیں۔ بنا براس کے مذہب حنفی کے موافق کوئی حدیث ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: **نقول وبہ نستعین** ...... وتر میں بعد قرأۃ کے اور قبل رکوع کے دعا قنوت پڑھنا اور قنوت سے پہلے رفع یدین کرنا حنفی مذہب کے موافق سنت ہے۔ اور دلیل اس کی حدیث بخاری کی رسالہ''جزء رفع الیدین''میں موجود ہے، اور دوسرے محدثین نے بھی یہ حدیثیں روایت کی ہیں:

عن الأسود عن عبداللّٰہ رضی اللہ عنہ : انہ کان یقرأ فی اٰخر رکعۃ من الوتر قل ھو اللّٰہ احد ، ثم یرفع یدیہ فیقنت قبل الرکعۃ ، رواہ البخاری فی جزء رفع الیدین

واسناده صحيح۔

ترجمہ:......روایت ہے اسود سے اور یہ روایت کرتے ہیں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ: تحقیق عبداللہ پڑھتے تھے وتر کی آخر رکعت میں ﴿ قل هو الله احد ﴾ پھر رفع یدین کرتے اور قنوت پڑھتے تھے قبل رکوع کے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے رسالہ ''جزء رفع الیدین'' میں اور اسناد اس کی صحیح ہے۔

ف:...... ''آثار السنن'' میں علامہ محمد بن علی تحریر کرتے ہیں کہ: ان احادیث سے رد ہے ان لوگوں پر کہ جو قائل ہیں عدم ثبوت رفع یدین کے قنوت کے واسطے وتر میں، اور بعض زعم کرتے ہیں بطور طعن کے کہ اس بارے میں کوئی اثر صحیح تابعی جلیل القدر سے وارد نہیں ہوا، چہ جائیکہ صحابی سے حدیث صحیح کا وارد ہونا، حالانکہ ثابت ہے رفع الیدین مطلقاً قنوت میں سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بھی علامہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جزء ''رفع الیدین'' میں تخریج کی ہے، اسناد صحیح کے ساتھ وہ یہ ہے:

عن ابی عثمان قال : كنا وعمر يؤم الناس ' ثم يقنت بنا عند الركوع ' يرفع يديه حتى يبد و كفاه ويخرج ضبعيه۔

یعنی روایت ہے ابی عثمان سے کہا کہ: ہم تھے اس حال میں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ امامت کرتے تھے لوگوں کی پھر قنوت پڑھتے ہمارے ہمراہ نزدیک رکوع کرنے کے، یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتی تھیں دونوں ہتھیلیاں ان کی، اور نکال لیتے تھے اپنے دونوں پہلوؤں کو۔

وعنه قال : كان عمر رضى الله عنه رفع يديه فى القنوت ، رواه البخارى فى جزء ه باسناد حسن۔

یعنی روایت ہے ابو عثمان سے کہا کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ رفع یدین کرتے تھے، قنوت

میں۔ روایت کیا اس کو’’ بخاری‘‘ نے اپنے رسالہ’’ رفع الیدین‘‘ میں اور’’ بیہقی ‘‘ نے ’’کتاب معرفۃ‘‘ میں کہا کہ: مروی ہے رفع یدین قنوت وتر میں ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔

ف:...... باقی رہی گفتگو اس امر میں کہ وتر میں ہاتھوں کو اٹھانے کے بعد پھر باندھتے ہیں جیسے وقت قرأت کے باندھے ہوئے تھے، اور عیدین میں تکبیروں کے وقت رفع یدین کرتے ہیں تو ہاتھوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور باندھتے نہیں، تو جواب اس کا یہ ہے کہ جس رفع یدین کے بعد ذکر اللہ کیا جائے تو اس وقت ہاتھوں کو باندھ لیوے، اور جس رفع یدین کے بعد ذکر نہ ہو تو ہاتھوں کو چھوڑ دے باندھے نہیں، چنانچہ اس کی تفصیل’’ ہدایہ‘‘ اور اس کے حواشی میں کماینبغی موجود ہے، جس کو منظور ہو مطالعہ کر لیوے، اور حنفی مذہب والوں پر لعن طعن کا دروازہ کھول کر وبال میں نہ گرے۔

اور جو قنوت کہ ہمارے مذہب میں مشہور ہے وہ یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ ، وَنُؤْمِنُ بِكَ ، وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ ، وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ ، وَنَشْكُرُكَ وَلاَ نَكْفُرُكَ ، وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ ، اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ ، اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ۔

’’عینی‘‘ میں لکھا ہے کہ: روایت کیا اس کو ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ عبدالرحمٰن سے کہ سکھایا ہم کو ابن مسعود نے پڑھنا قنوت کا۔ اور اس دعا قنوت کو روایت کیا ابوداؤد نے مراسیل میں خالد بن ابو عمران سے، اور الفاظ اس کے قدرے مختلف ہیں، اور اصحاب سنن اربعہ نے دعاء قنوت یہ روایت کی ہے جو آگے آتی ہے حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے، وہ کہتے

ہیں کہ: حضرت ﷺ نے مجھ کو چند کلمات سکھائے تا کہ میں وتر میں یا قنوت وتر میں پڑھوں:

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ ، وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ ، وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ ، وَبَارِکْ لِي فِیْمَا اَعْطَیْتَ ، وَقِنِیْ شَرَّ مَاقَضَیْتَ ، اِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ ، اِنَّهٗ لَایَذِلُّ مَنْ وَالَیْتَ ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ۔

اور دوسری دعاءِ قنوت اصحاب سنن نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کی ہے، وہ یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ ، وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ ، وَاَعُوْذُبِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ ، اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔

اور علامہ محدث عبدالحق دہلوی وغیرہ محققین سے یہ بھی منقول ہے کہ دعاءِ قنوت میں ''اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ'' آخر تک، اور'' اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ'' آخر تک، دونوں کو وتر میں جمع کرنا افضل ہے۔

ایک رکعت ملنے کی امید ہو تو فجر کی سنت علیحدہ جگہ کھڑے ہو کر پڑھنا

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے حنفی مذہب کی کتابوں میں مذکور ہے کہ صبح کی دو رکعت سنتیں بعد اقامت کے خارج مسجد کے یا کسی گوشۂ مسجد میں الگ جماعت سے اور دور ادا کی جائیں جبکہ مصلی کو امید ایک رکعت ہمراہ امام کے ملنے کی ہو، اس بارے میں کوئی حدیث یا آثار صحیحہ صحابہ کے وارد ہیں یا نہ؟ بینوا تو جرو۔

الجواب: نقول وبه نستعین :صورت مسؤلہ میں معلوم ہو کہ امام کے ہمراہ ایک رکعت میسر ہونے کی امید ہو تو صبح کی دو رکعت سنت ادا کرے۔ یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

ہے، ورنہ سنت ترک کر کے جماعت میں شریک ہوجائے۔اور صبح کی سنت کے سوا دوسرے وقت کی سنتوں کا حکم یہ ہے کہ اقامت ہوتے وقت یا اقامت ہوگئی ہو اور بعد اس کے آجائے تو سنتیں چھوڑ کے جماعت میں شامل ہوجائے۔ چنانچہ ''عین الاصابہ'' میں مولوی عبدالحق مہاجر مکی صفحہ:۳۰۷ر میں فرماتے ہیں:

وفی شرح المؤطا للعلامة علي القاری الحنفی : اعلم ان المذهب ان من لم یدرک الفرض بجماعة ان ادّی سنة الفجر یترکها ویقتدی ، لان ثواب الجماعة اعظم من ثواب السنة ، ومن ادرک رکعة من الفجر لو صلی سنة صلاها عند باب المسجد أوفي موضع لایصلی فیه احد ' فان لم یمکن ذلک فیصلی خلف الصفوف ویبعد ما استطاع لنفی التهمة عن نفسه ، فقد رویٰ الطحاوی : عن ابی الدرداء انه کان یدخل المسجد والناس صفوف فی صلاة الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیة المسجد ' ثم یدخل مع القوم فی الصّلٰوة ، وروی ایضا عن ابن مسعودٍ نحوه۔

یعنی علامہ محدث ملا علی قاری کی شرح مؤطا میں ہے: جان تو مذہب یہ ہے کہ جو شخص نہ پاوے فرض کو جماعت کے ساتھ بسبب سنتوں کے ادا کرنے کے، تو ترک کرے سنت کو اور اقتدا کرے ہمراہ امام کے، کیونکہ ثواب جماعت کا سنت کے ثواب سے زیادہ ہے، اور جس کو ایک رکعت فجر کی امام کے ساتھ پانے کی امید ہو تو سنت کو ادا کرلیوے نزدیک دروازہ مسجد کے یا کوئی اور جگہ کہ جہاں کوئی نماز نہیں پڑھتا ہو، پھر اگر کوئی جگہ ان میں کی ممکن نہ ہو تو نماز پڑھے پیچھے صفوں کے اور بقدر امکان صفوں سے دور ہووے، کیونکہ طحاوی نے روایت کی ہے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے: تحقیق کہ وہ داخل ہوتے تھے مسجد میں اور لوگ جماعت سے نماز فجر کو ادا کررہے ہوتے تو پڑھتے تھے نماز سنت مسجد کے کسی گوشہ میں، پھر داخل

ہوتے تھے ہمراہ قوم کے نماز میں۔اوراسی طرح مروی ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے۔

اور ''عین الاصابہ'' کے صفحہ:۸۵/میں ''کافی شرح الوافی'' سے منقول ہے:

وان كانت الظهر ترك السنة وشرع مع الامام بكل حال ، لانه ليس لسنة الظهر فضيلة سنة الفجر۔

یعنی اگر وقت ظہر کا ہوتو سنت کوترک کر کے امام کے ہمراہ شروع کرے ہر حال میں، کیونکہ سنت ظہر کے واسطے فضیلت سنۃ الفجر کی نہیں۔اور تمام کتب فقہ میں اسی طرح یہ مسئلہ ہے،فتدبر۔

اور حدیث صریحہ دالہ اس مسئلہ میں یہ ہے:

عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه : ان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال : اذا اُقيمت الصلٰوة فلا صلٰوة الاَّ المكتوبة الا ركعتي الفجر، رواه البيهقی۔

ترجمہ:......روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے: تحقیق کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبکہ اقامت کہی جاوے نماز کی، تو کوئی نماز نہیں ہے سوائے مفروضہ کے،مگر دو رکعت سنت الفجر کی۔روایت کی اس کو بیہقی نے۔

ف:......''عین الاصابہ'' کے صفحہ:۲۹/میں ''عمدۃ القاری شرح البخاری'' سے منقول ہے کہ: ''بیہقی'' نے اس حدیث کونقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:اس حدیث میں دو راوی حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر ضعیف ہیں۔مگر صاحب عمدۃ القاری بعد اس کے فرماتے ہیں کہ: کہا یعقوب ابن سقیہ نے کہ:سوال کیا میں نے ابن معین سے حجاج بن نصیر الفساطیطی البصری کی حالت کے بارے میں،تو کہا: وہ صدوق ہے۔اور ابن حبان نے اس کو ذکر کیا ہے ثقات میں۔اور عباد بن کثیر صالحین میں سے ہے۔

دوسری دلیل اس حدیث کے صحیح ہونے کی یہ ہے کہ ابتداء میں مسئلہ گزر چکا ہے کہ جرح مبہم مقبول نہیں ہے، اور اس سے ضعف راوی میں نہیں آتا ہے، اور اس جگہ بھی حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر میں جرح مبہم ہے، لہٰذا کچھ حرج نہیں پیدا کرتا۔

تیسری دلیل اس حدیث کے صحت اور معمول بہ ہونے پر یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے اسی طرح عمل کیا ہے، اگر یہ حدیث بالکلیہ بے اصل ہوتی تو عظماء صحابہ اس پر عمل نہ کرتے اور وہ صحابہ یہ ہیں:

عن مالک بن مغول رضی اللّٰہ عنه قال: سمعت نافعا یقول: ایقظت ابن عمر رضی اللّٰہ عنه لصلٰوۃ الفجر وقد اقیمت الصلٰوۃ، فقام فصلی الرکعتین، رواہ الطحاوی واسنادہ صحیح۔

ترجمہ:...... روایت ہے مالک بن مغول سے کہ کہا کہ: میں نے بیدار کیا ابن عمر رضی اللہ عنہ کو نماز فجر کے واسطے درانحالانکہ اقامت نماز کی ہو چکی تھی، تو کھڑے ہوئے اور دو رکعت سنت الفجر کی ادا کرلیں۔ روایت کیا اس حدیث کو طحاوی نے اور اسناد اس کی صحیح ہے۔

وعن زید بن اسلم عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنه: انه جاء والامام یصلی الصبح ولم یکن صلّی الرکعتین قبل الصبح فصلاھما فی حجرۃ حفصۃ ثم انه صلی مع الامام رواہ الطحاوی، ورجاله ثقات الا یحیٰ ابن ابی کثیر فانه یدلس۔

ترجمہ:...... روایت ہے زید بن اسلم سے وہ روایت کرتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے تحقیق کہ ابن عمر آئے درانحالیکہ امام صبح کی نماز پڑھتا تھا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ دو رکعتیں قبل صبح کے نہیں پڑھی تھیں، تو پڑھی آپ نے دو رکعتیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں، پھر نماز پڑھی ہمراہ امام کے مسجد میں داخل ہو کے۔ روایت کیا اس کو طحاوی نے اور رجال اس

کے ثقات ہیں،مگر یحیٰ ابن ابی کثیر اس میں مدلس ہیں۔

وعن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ : انہ کان یدخل المسجد والناس صفوف فی صلاۃ الفجر ، فیصلی الرکعتین فی ناحیۃ المسجد ، ثم یدخل مع القوم في الصلاۃ ، رواہ الطحاوی واسنادہ حسن۔

ترجمہ:......اور روایت ہے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے: تحقیق کہ وہ داخل ہوتے تھے مسجد میں اورلوگ جماعت میں ہوتے نماز فجر میں،تو نماز پڑھتے دورکعت سنت فجر کی ایک گوشہ میں مسجد کے، پھر داخل ہوتے قوم کے ساتھ نماز میں۔روایت کیا اس کوطحاوی نے اوراسناداس کی حسن ہے۔

وعن حارثۃ بن مصرف ان ابن مسعود رضی اللہ عنہ و ابا موسیٰ رضی اللہ عنہ خرجا من عند سعید بن العاص رضی اللہ عنہ فاقیمت الصلاۃ ، فرکع ابن مسعود رکعتین ثم دخل مع القوم فی الصلاۃ ، واما ابو موسیٰ فدخل فی الصف ، رواہ ابو بکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ ، واسنادہ صحیح۔

ترجمہ:......اور روایت ہے حارثہ بن مصرف سے: تحقیق کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ دونوں نکلے پاس سے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے، پھر اقامت کہی گئی نماز کی تو پڑھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دورکعتیں یعنی سنت الفجر کو، پھر داخل ہوئے ہمراہ قوم کے نماز میں، ولیکن ابوموسیٰ پس وہ داخل ہوئے صف میں، یعنی بدون ادا کرنے سنت الفجر کے۔روایت کیا اس کوابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں اوراسناداس کی صحیح ہے۔

ف:......معلوم ہو کہ یہ حدیثیں ’’آثارالسنن‘‘ علامہ نیموی کی ہیں۔اوراس حدیث کے اخیر میں ایک صحابی کا فعل دوسرے صحابی کے برخلاف ہے،مگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ عبادلہ ثلاثہ

مجتہدین صحابہ میں سے ہیں اور خادمین رسول خدا ﷺ میں سے ہیں، اور حدیث میں ہے کہ جب تم کچھ خطا کرو تو عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھو، لہٰذا ترجیح ابن مسعود کو ابو موسیٰ پر ہے۔

علاوہ اس کے آمد ورفت جناب رسالت مآب ﷺ کے پاس جس قدر ابن مسعود کی تھی اس قدر حاضر باشی اور آمد ورفت ابوموسیٰ کی نہ تھی، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حاضر باشی اور کثرت آمد ورفت کے باعث کہا گیا کہ: اگر کوئی اجنبی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی آمد ورفت کو دیکھتا تو یہی گمان کرتا کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اہل بیت میں سے ہیں۔ پس اتباع ابن مسعود کا احق اور اقویٰ ہے، ابوموسیٰ کے اتباع سے۔ قاضی

وعن عبد اللّٰه بن ابی موسٰی عن عبد اللّٰه انه دخل المسجد والامام فی الصلوٰة، فصلي رکعتی الفجر، رواه الطحاوی والطبرانی، واسناده حسن۔

ترجمہ:......اور روایت ہے عبداللہ بن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ سے وہ روایت کرتے ہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے: تحقیق کہ یہ داخل ہوتے مسجد میں درانحالیکہ امام نماز میں ہوتا یعنی جماعت قائم ہو جانے کے بعد تو نماز پڑھتے ابن مسعود رضی اللہ عنہ دو رکعت سنت الفجر کی۔ روایت کیا اس کو طحاوی اور طبرانی نے، اور اسناد اس کی حسن ہے۔

ف:...... علامہ نیموی نے ''آثار السنن'' میں تصریح کی ہے کہ میں کہتا ہوں کہ طبرانی نے ''معجم الکبیر'' میں کہا:

حدثنا اسحٰق عن عبدالرزاق عن الثوری عن ابی اسحٰق عن عبد اللّٰه بن ابی موسٰی قال: جاء نا ابن مسعود والامام یصلی الصبح' فصلی رکعتین الی ساریة' ولم یکن صلی رکعتی الفجر، انتهی، قال الهیثمی فی مجمع الزوائد: رجاله موثقون

یعنی علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مجمع الزوائد'' میں کہا ہے کہ: رجال اس کے ثقہ ہیں۔

وعن ابی مجلز رضی اللّٰہ عنه قال : دخلت المسجد فی صلاۃ الغداۃ مع ابن عمر وابن عباس رضی اللّٰہ عنهما والامام یصلی ، فأما ابن عمر فدخل فی الصف ، واما ابن عباس رضی اللّٰہ عنه فصلی رکعتین ، ثم دخل مع الامام ، فلمّا سلّم الامام قعد ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما مکانه حتی طلعت الشمس ، فقام فرکع رکعتین ، رواہ الطحاوی ، واسنادہ صحیح۔

روایت ہے ابن مجلز سے کہا کہ: داخل ہوا میں مسجد میں صبح کی نماز میں ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ درانحالیکہ امام نماز پڑھتا تھا، پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے صف میں، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دو رکعت صبح کی سنت پڑھی پھر داخل ہوئے امام کے ہمراہ، پس جبکہ سلام پھیرا امام نے تو بیٹھے رہے ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ میں آفتاب کے طلوع ہونے تک، پھر کھڑے ہوکر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھی دو رکعتیں۔ روایت کیا اس کو طحاوی نے اور اسناد اس کی صحیح ہے۔

ف:......اس حدیث صحیح سے دو مسئلے حنفی مذہب کے موافق ثابت ہوتے ہیں: ایک مسئلہ امام صاحب کے مذہب کے موافق یہ ہے کہ امام جماعت کے ہمراہ نماز صبح کی پڑھتا ہو تو نمازی آنے والا دو رکعت سنت فجر کی ادا کر کے امام کے ہمراہ داخل جماعت ہو جاوے۔ دوسرا مسئلہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے موافق یہ ہے کہ جماعت میں مصلی داخل ہو جاوے اور بعد طلوع آفتاب کے دو رکعت سنت کو قضا کر لیوے، چنانچہ یہ فعل ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اور وہ فعل ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔

عیدین کے خطبے دو ہیں یا ایک؟

سوال:......کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین زادکم اللہ تعالیٰ شرفا لدیہ، اس صورت میں کہ حنفی مذہب وغیرہ مذاہب میں عیدین کے دو خطبے ہیں: خطبہ اول اور خطبہ ثانی مثل جمعہ کے دو خطبوں کے، اور بعض غیر مقلد کہتے ہیں کہ: عیدین میں فقط ایک ہی خطبہ ہے مثل جمعہ کے دو خطبے عیدین کے نہیں، لہٰذا عید کے دو خطبے مثل جمعہ کے ثابت ہیں یا نہیں؟ اور کوئی حدیث صحیح صریح اس بارے میں مثل مذہب حنفی کے ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:......اس بارے میں کئی حدیثیں صحاح میں ثابت ہیں۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ عیدین کے دو خطبے حدیث سے ثابت نہیں ہیں، بلکہ جمعہ کے دو خطبوں پر قیاس کیا ہے، وہ کوتاہ نظری قائل کی ہے۔ ورنہ دو خطبوں کے ثبوت میں احادیثِ صحاح کتب احادیث معتبرہ میں موجود ہیں۔

عن سعد بن ابی وقاص عند البزار في مسنده ، ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی العید بغیر اذان ولا اقامة ، و کان یخطب خطبتین قائما یفصل بینهما بجلسة۔

ترجمہ:......''مسند بزار'' میں سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ: نبی ﷺ نے نماز عید کی پڑھی بغیر اذان اور تکبیر کے، اور دو خطبے پڑھتے تھے کھڑے ہو کر فاصلہ کرتے تھے درمیان دو خطوں کے جلسہ کے ساتھ۔ اس حدیث کو ''نیل الاوطار'' جلد ثالث کے صفحہ:۱۸۰ر میں نقل کیا ہے۔

ف:......اس حدیث سے دو خطبے عیدین میں پڑھنے ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح نماز عید کی بغیر اذان اور اقامت کے پڑھنا بھی ثابت ہوتا ہے، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ خطبے دونوں کھڑے ہو کر خطیب پڑھے بیٹھ کر نہیں۔ اسی طرح کتب فقہ میں بھی ہے۔

وعن جابر ابن سمرة قال : رأيت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يخطب قائما ' ثم يقعد قعدة لايتكلم فيها ' ثم قام فخطب خطبة اخرٰی ، الخ۔

ترجمہ:......یعنی ''نسائی شریف''میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے دیکھا رسول خدا ﷺ کو خطبہ پڑھتے ہوئے کھڑے ہوکر، پھر بیٹھ جاتے تھے اور کلام نہیں کرتے تھے خطبہ میں، پھر کھڑے ہوتے تھے تو پڑھتے دوسرا خطبہ، آخر تک۔

وعن سماکٍ قال : سالت جابراً ، أکان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يخطب قائما ؟ قال : كان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يخطب قائما ' ثم يقعد قعدة ثم يقوم،

اورروایت ہے سماک (رحمہ اللہ) سے کہا: پوچھا میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے، کیا رسول اللہ ﷺ خطبہ پڑھتے تھے کھڑے ہوکر؟ تو کہا جابر رضی اللہ عنہ نے کہ: خطبہ پڑھتے تھے حضرت ﷺ کھڑے ہوکر، پھر بیٹھتے تھے پھر کھڑے ہوتے۔

وعن جابر قال : خرج رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يوم فطر أو اضحٰی، فخطب قائما ' ثم قعد قعدة ثم قام ، رواه ابن ماجة۔

اورروایت ہے جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: نکلے رسول خدا ﷺ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن، پس خطبہ پڑھا کھڑے ہوکے، پھر بیٹھ گئے آپ (ﷺ تھوڑی دیر) اور پھر کھڑے ہوئے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

اورعلامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''خلاصہ''میں فرمایا ہے:

روی عن ابن مسعود انه قال : السنة ان يخطب فی العيدين بخطبتين يفصل بينهما بجلوس۔

ترجمہ:......یعنی روایت ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے فرمایا: سنت ہے یہ کہ

خطبہ پڑھا جاوے عیدین میں دو خطبے، اور فاصلہ کیا جاوے درمیان دو خطبوں کے ساتھ قعدہ کے۔اسی طرح ''منتقی'' میں ہے۔

وعن عبید اللّٰہ بن عبد اللہ بن عتبة قال : السّنة ان یخطب الامام فی العیدین خطبتین یفصل بینهما بجلوس ، رواہ الشافعي ۔

ترجمہ:......یعنی روایت ہے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ (رحمہم اللہ) سے کہا کہ سنت عیدین میں یہ ہے کہ پڑھے امام دو خطبے اور فاصلہ کرے درمیان دو خطبوں کے جلسہ کے ساتھ۔ روایت کیا اس کو شافعی نے۔

ف:......اگر کوئی اعتراض کرے کہ عبید اللہ مذکور تابعی ہے اور تابعی کا کہنا ''السنة'' اس سے مراد سنت رسول نہیں ہے، چنانچہ علامہ شوکانی نے اس حدیث کے تحت میں تصریح کی ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ شوکانی نے اس حدیث کے تحت میں تصریح کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شوکانی کا قول بعض کا قول ہے، اور وہ جمہور محدثین کے خلاف ہے، خاص کر امام المحدثین علامہ امام بخاری اور مسلم کے بھی خلاف ہے، کیونکہ رسالہ'' نور العینین'' میں علامہ امام المحدثین شیخ حسین انصاری بھوپالی علیہ الرحمۃ نے اس کی تصریح کی ہے کہ جمہور محدثین اور بخاری اور مسلم کے نزدیک تابعی کا ''السنة کذا'' کہنا مراد اس سے سنت رسول اللہ ﷺ ہے، دوسروں کی سنت مراد نہیں ہے۔چنانچہ وہ عبارت یہ ہے:

وجمهورهم علٰی ما قاله ابن عبد البر : انه مسند ، لان المراد بالسنة ' سنة رسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم ، وهی طریقة البخاری ومسلم ویقویه قول سالم ، لابن شهاب اذ قال له أفعل ذٰلک رسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم ؟ فقال : وهل تتبعون فی ذٰلک الا سنته ، انتهٰی ، والٰی مثل ذٰلک جنح الحافظ بن حجر فی'' شرح النخبة ''

واقره الشيخ ابو الحسن السندی وغیره فی حواشیهم علیها ، یعنی ان قول التابعي من السنة كذا فی حكم المرفوع۔

ترجمہ:......علماء محدثین اس بات پر ہیں کہ تابعی کا ''من السنة كذا '' کہنا مسند اور مرفوع ہے، چنانچہ اسی طرح ابن عبدالبر (رحمہ اللہ) نے کہا ہے، کیونکہ مراد سنت سے سنت رسول اللہ ﷺ ہے، اور یہی طریقہ بخاری اور مسلم کا ہے۔ اور قوت دیتا ہے اس کو جواب سالم (رحمہ اللہ) کا جو ابن شہاب (رحمہ اللہ) کو دیا تھا' جبکہ ابن شہاب (رحمہ اللہ) نے کہا تھا سالم (رحمہ اللہ) سے: کیا' کیا ہے اس فعل کو رسول خدا ﷺ نے؟ تو کہا سالم (رحمہ اللہ) نے: نہیں متابعت کی جاتی ہے اس میں، مگر حضرت ﷺ کی سنت کی، انتہی۔

اور اسی کی طرف میلان کیا ہے حافظ بن حجر (رحمہ اللہ) نے ''شرح نخبۃ الفکر'' میں۔ اور ثابت کیا ہے اسی کو شیخ ابوالحسن سندی (رحمہ اللہ) وغیرہ نے حواشی میں شرح نخبۃ کے۔ یعنی اس بات کو کہ قول تابعی کا ''من السنة كذا'' حکم میں مرفوع کے ہے۔

پس ان عبارتوں اور احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہوا کہ عیدین میں دو خطبے پڑھنا آنحضرت ﷺ اور صحابہ اور تابعین سے ثابت ہے، اور آج تک توارث بغیر انکار اور نکیر کے جاری رہا، اور دو خطبوں کے پڑھنے کی ممانعت پر نہ کوئی حدیث صحیح ہے نہ ضعیف نہ مرفوع نہ موقوف، محض یہ بات تراشی ہوئی بعض غیر مقلدین کی، واللہ اعلم۔

جمع بین الصلوتین

سوال:......کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حنفی مذہب میں سفر میں سوائے مزدلفہ کے ایک وقت میں دو فرض نماز کو جمع کرنا درست نہیں ہے، حالانکہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ سے سفر میں جمع کرنا دو نمازوں کا ثابت ہے۔ مزدلفہ کے علاوہ

ایک وقت میں دونماز فرض کو جمع کرنا درست نہیں ہے، حالانکہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ سے سفر میں جمع کرنا دونمازوں کا ثابت ہے' مزدلفہ کے علاوہ بھی، تو اس کے جواب میں حنفی مذہب والے کہتے ہیں کہ سفر میں جمع کرنے سے مراد جمع صوری ہے نہ جمع کرنا ایک وقت میں دوفرضوں کو حقیقت میں۔ مثلاً ظہر کے وقت میں عصر پڑھی ہو یہ مراد نہیں ہے، اور غیر مقلدین وغیرہ کہتے ہیں ایک وقت میں دوفرض پڑھنا مراد ہے، لہٰذا مذہب حنفی پر کوئی دلیل قوی اس بارے میں ہے یا نہیں؟ اور حنفی مذہب کی دلیل قوی ہے یا غیر مقلدوں کی؟ بینوا توجروا۔

الجواب:......صورت مذکورہ میں ایک وقت میں دوفرضوں کو جمع کرنا جس کو جمع معنوی اور جمع حقیقی کہتے ہیں یہ تو سوائے مزدلفہ اور عرفہ کے اور کسی جگہ مسافر ہو یا غیر مسافر درست نہیں ہے، یہی مذہب حنفی ہے، اور دلیل قوی کے ساتھ ثابت ہے، اور یہی قابل اعتماد ہے۔ اور اسی کے قائل حسن بصری اور ابراہیم نخعی ہیں، چنانچہ علامہ شوکانی نے ''نیل'' میں لکھا ہے:

وقال قوم : لایجوز الجمع مطلقا الاّ بعرفة ومزدلفة ، وھو قول الحسن والنخعي وابی حنیفة وصاحبیه۔

اور اگر کوئی اعتراض کرے کہ دوسری حدیثوں میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام نے سفر میں بھی جمع کی ہے، پھر مذہب حنفی کیونکر قوی ہو اس مسئلے میں؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ: جن حدیثوں میں سفر میں جمع کرنا دونمازوں کا وارد ہے تو مراد اس سے جمع صوری ہے۔ مثلاً ظہر کی نماز کی تاخیر کر کے ظہر کو اخیر وقت میں اور عصر کو اول وقت میں ادا کرنا، اور مغرب کی نماز کو تاخیر کرنا اس قدر کہ مغرب کو اس کے اخیر وقت میں اور عشاء کو اول وقت میں ادا کرلیوے۔

اگر کوئی کہے کہ علامہ خطابی (رحمہ اللہ) نے اس پر اعتراض کیا ہے اور اس کی خرابی بیان کی ہے، لہٰذا یہ تاویل جمع صوری کی باطل ہے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ علامہ قرطبی (رحمہ اللہ) نے اس تاویل کو مستحسن بتایا ہے۔ اور ترجیح دی اس کو امام الحرمین (رحمہ اللہ) نے۔ اور قدماء میں سے ابن ماجشون (رحمہ اللہ) اور طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تائید کی ہے، اور تقویت دی ہے اس کو ابن سید الناس (رحمہ اللہ) نے بایں طور کہ ابو الشعثاء (رحمہ اللہ) جو راوی [۱] حدیث ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کا ہے باوجود اس کے وہ جمع صوری کا قائل ہے، الخ۔ اور یہ "نیل" جلد ثالث کے صفحہ: ۹۲ ر میں موجود ہے:

ومنها ان الجمع المذكور صوري، بان يكون آخر الظهر الى آخر وقتها وعجل العصر فى اول وقتها، قال النووى: وهذا احتمال ضعيف أو باطل، لانه مخالف للظاهر مخالفة لا تحتمل، قال الحافظ: وهذا الذى ضعفه قد استحسنه القرطبى ورجحه امام الحرمين وجزم به من القدماء ابن الماجشون والطحاوي وقواه ابن سيّد الناس، بان ابا الشعثاء وهو راوى الحديث عن ابن عباس قد قال به، قال الحافظ: ايضا ويقوى ماذكر من الجمع الصورى ان طرف الحديث كلها ليس فيها تعرض لوقت الجمع، فاما ان يحمل على صفة مخصوصة لا تستلزم الإخراج ويجمع بها بين مفترق الاحاديث، فالجمع الصورى اولى۔

اور بعد اس کے علامہ شوکانی نے چند احادیث اس کی تائید میں نقل کی ہیں اور ان کی عبارت یہ ہے:

ومما يدل على تعين حمل حديث الباب على الجمع الصورى ما اخرجه

[۱]......حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں آٹھ اور سات کو جمع کیا ہے، یعنی ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کو۔

النسائی عن ابن عباس بلفظ : صليت مع النبی صلی الله عليه وسلم الظهر والعصر جميعا والمغرب والعشاء جميعا ، اخرالظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء ، فهذا ابن عباس راوی حديث الباب قد صرح بان مارواه من الجمع المذكور هو الجمع الصوري ، ومما يؤيد ذلک مارواه الشيخان عن عمرو بن دينار انه قال : يا ابا الشعثاء هو راوی الحديث عن ابن عباس كما تقدم ، ومن المؤيدات للحمل على الجمع الصوری ما اخرجه مالک فی المؤطا والبخاری وابوداؤد والنسائی۔

اور بعد اور عبارتوں کے نقل کرنے کے جمع صوری کی تائید میں علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ:

وقد قام الدليل على ان الجمع المذكور فی الباب هو الجمع الصوري فوجب المصير الیٰ ذلک۔

پس لفظ ''قد وجب'' کو ناظرین ملاحظہ فرماویں کہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے کس قدر زور دیا ہے، نیز علامہ محدثین کے اقوال سے کہتے ہیں کہ: واجب ہے رجوع کرنا جمع صوری کی طرف۔

اور شوکانی نے جو دلائل جمع صوری پر قائم کئے ہیں وہ ''نیل الاوطار'' کے مطالعہ سے ظاہر ہیں، اور ماسوائے اس کے صاحب منتقی نے اپنی کتاب میں حدیثیں نقل کی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

عن انس قال : كان رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم اذا رحل قبل ان تزيغ الشمسُ اخر الظهر الى وقت العصر ثم نزل يجمع بينهما ، فان زاغت قبل ان يرتحل صلى الظهر ثم ركب ، متفق عليه۔

وفی روایة لمسلم : کان اذا أراد ان یجمع بین الصلاتین فی السفر ، یؤخر الظهر حتی یدخل اول وقت العصر ثم یجمع بینهما۔

ترجمہ:......روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے کہا انہوں نے کہ: رسول اللہ ﷺ جب کہ سفر کرتے آفتاب ڈھلنے سے پہلے تو تاخیر کرتے ظہر کو وقت عصر تک، پھر اترتے (سواری سے) اور جمع کرتے درمیان دو نمازوں کے (ظہر اور عصر کو) پھر اگر ڈھلتا آفتاب قبل سوار ہونے کے تو نماز پڑھتے ظہر کی فقط پھر سوار ہوتے۔ روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم اور احمد نے۔

اور ایک روایت مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب ارادہ کرتے تھے جمع کرنے کا سفر میں درمیان ظہر اور عصر کے تو تاخیر کرتے ظہر کی یہاں تک کہ داخل ہوتا اول وقت عصر کا، پھر جمع کرتے درمیان دونوں نمازوں کے۔

ف:......پس یہ بخاری اور مسلم اور مسند احمد کی حدیث صریح صاف دلالت کرتی ہے کہ جمع کرنے سے مراد جمع صوری ہے، اور یہی مذہب حنفی ہے، اور یہی علماء محدثین محققین کا مختار ہے، چنانچہ تصریح اس کی علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ سے بطور اختصار کے ذکر کی گئی ہے۔

اور جو جو حدیثیں ایسی ہیں کہ جن میں ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت میں دو فرضوں کو جمع کرنا ثابت ہے وہ حدیثیں بخاری اور مسلم کی روایت کے خلاف ہیں۔ علاوہ اس کے وہ تمام حدیثیں مخدوش اور مجروح ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ قابل حجت نہیں، چنانچہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نیل الاوطار'' جلد ثالث کے صفحہ:۹۰ رمیں تصریح کی ہے کہ: اس بارے میں ایک حدیث معاذ سے مروی ہے' جس کو ابوداؤد نے کہا ہے کہ: یہ حدیث منکر ہے۔ ''**وقال ابوداؤد : هذا حديث منكر وليس فی جمع التقديم حديث قائم ، الخ**''

اورکہا: وقال ایضا : ان ابا الطفیل مقدوح ، لانه کان حامل رایة المختار۔

غرض یہ کہ کسی نے اس کو منکر کہا ہے، چنانچہ ابوداؤد سے اوپر گزرا ہے کسی نے اس کو منقطع کہا ہے، قائل اس کے ابن حزم ہیں، اور کسی نے اس کو موضوع کہا ہے، اس کے قائل حاکم ہیں۔

اور دوسری حدیث ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کی ہے ''نیل'' کے صفحۂ مذکورہ میں ہے کہ ابو حاتم نے اس کو ضعیف کہا ہے اور کہا ہے کہ: حجت کے قابل نہیں ہے۔ اور ابن معین نے بھی ضعیف کہا ہے۔ اور احمد نے منکر کہا ہے۔ اور نسائی نے متروک الحدیث حسین ابن عبداللہ ابن عبیداللہ ابن عباس ابن عبدالمطلب کو کہا ہے۔ اور سعدی نے '' لایحتج بحدیثه '' کہا ہے۔ اور ابن مدینی نے '' ترکت احادیثه '' کہا ہے۔ اور ابن حبان نے '' قلب الاسانید ویرفع المراسیل '' کہا ہے، الخ، فتأمل۔

سورج گہن کی نماز میں قرأت جہری ہے یا سری؟ اور رکوع ایک ہے یا زیادہ؟

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حنفی مذہب میں آفتاب گہن میں نماز کے اندر قرائت آہستہ ہے، اور غیر مقلدین وغیرہ قائل ہیں کہ قرائت پکار کے امام پڑھے، اور حنفیہ کہتے ہیں کہ آفتاب گہن کی نماز میں مثل دوسرے نفلوں کے ہر رکعت میں مصلی ایک رکوع کرے، اور غیر مقلدین وغیرہ قائل ہیں کہ ہر رکعت میں دو دو تین تین چار چار رکوع کرے، اس واسطے ان دونوں مسئلوں میں حنفی مذہب کے واسطے کوئی دلیل قوی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:...... جناب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسوف شمس میں بے شک

دونوں رکعتوں میں قرائت آہستہ ہے، اور ہمارے حنفیوں کا اسی پر عمل درآمد ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے، کیونکہ دلیل اس بات پر یعنی کسوف شمس کی نماز میں آہستہ قرائت پڑھنے پر حدیث متفق علیہ بخاری اور مسلم اور مسند احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی ہے، اور ماسوائے ان کے اور صحاح کی حدیثیں بھی موجود ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے۔

وعن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال : خسفت الشمس ' فصلی رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم فقام قیاما طویلا نحوا من سورة البقرة ' ثم رکع رکوعًا طویلا ' ثم رفع فقام قیاماً طویلا ' وهو دون القیام الاول ' ثم رکع رکوعًا طویلا وهو دون الرکوع الاوّل ' ثم سجد ' ثم قام قیاما طویلا وهو دون القیام الاول ' ثم رکع رکوعا طویلا وهو دون رکوع الاول ' ثم رفع فقام قیاما طویلا وهو دون القیام الاوّل ' ثم رکع رکوعا طویلا وهو دون الرکوع الاول ' ثم سجد ثم انصرف وقد تجلت الشمس، فقال : ان الشمس والقمر اٰیتان من اٰیات اللّٰہ ' لایخسفان لموت احد ولا لحیاته ' فاذا رأیتم ذلک فاذکروا اللّٰہ ، متفق علیه۔

ترجمہ:...... روایت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ: گہن کیا گیا آفتاب پر، پس نماز پڑھی رسول خدا ﷺ نے، اور قیام کیا طویل مثل اندازہ سورہ بقرہ کے پھر رکوع کیا رکوع طویل، پھر سر اٹھایا اور قیام کیا قیام طویل اور یہ قیام اول سے کم تھا، پھر رکوع طویل کیا یہ رکوع اول سے کم تھا، پھر سجدہ کیا اور قیام کیا قیام طویل کہ یہ قیام اول سے کم تھا، پھر رکوع کیا رکوع طویل کہ یہ کم تھا رکوع اول سے، پھر اٹھایا سر اور قیام کیا قیام طویل کہ یہ کم تھا قیام اول سے، پھر رکوع کیا رکوع دراز کہ یہ رکوع اول سے کم تھا، پھر سجدہ کیا پھر فارغ ہوئے درانحالیکہ روشن ہوگیا تھا آفتاب، پھر فرمایا آنحضرت ﷺ: نے ہر آئینہ آفتاب اور قمر

دونوں نشانیاں ہیں اللہ کی نشانیوں میں سے، اور گہن نہیں ہوتا دونوں کو کسی کے مرنے سے اور نہ کسی کے پیدا ہونے سے، پس جب کہ تم دیکھو یہ تو خدا کا ذکر کرو۔ روایت کیا اس کو احمد اور بخاری اور مسلم نے۔

ف:......اس حدیث سے حنفیہ استدلال کرتے ہیں کہ کسوف شمس میں قرائت آہستہ ہے، اگر جہر سے آنحضرت ﷺ نے قرائت پڑھی ہوتی تو پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ کو: ''نحواً من سورة البقرة'' کہنے کی کیا حاجت تھی، بلکہ حضرت ﷺ نے جو سورت پڑھی ہوتی اسی کو یہ بیان کرتے۔

بعض متعصب اس کی یوں تاویل کرتے ہیں کہ: حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) حضرت ﷺ سے دور ہوں گے، اس واسطے انہوں نے نہیں سنا۔ یہ تاویل بلا دلیل مردود ہے، چونکہ مسجد نبوی ﷺ اس وقت میں اس قدر طویل اور عریض نہ تھی کہ یہ تاویل حجت ہو سکے۔ و نیز حضرت ﷺ محکوم تھے اس بات کے کہ:﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ ﴾ الخ بموجب اس حکم کے، جب حضرت ﷺ نے قرأة متوسط طریق سے پڑھی اور مسجد نبوی ﷺ اس وقت جس قدر تھی وہ اہل علم بالحدیث اور زائرین پر مخفی نہیں۔ پھر کیا معنی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول خدا ﷺ سے دور ہوں گے؟ یہ احتمال بعید ہے۔[۱]

۱......سورج گہن کی نماز میں قرائت جہری ہوگی یا سری؟ احادیث سے دونوں طریقوں کا ثبوت ملتا ہے، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت سے سری کا پتہ چلتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں جہر کی صراحت ہے۔ اسی لئے ائمۂ مجتہدین کا بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ، امام ترمذی رحمہ اللہ وغیرہ حضرات محدثین نے مستقل اس پر باب قائم کیا ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''باب کیف القراءة فی الکسوف'' میں دونوں طرح روایتیں ذکر کی ہیں۔ حضرت سمرة بن

اگرکوئی اعتراض کرے کہ جب تم اس حدیث سے قرائت سریہ پر استدلال کرتے ہوتو اس حدیث میں ہر رکعت میں چند رکوع کا بھی ذکر ہے، پھر اس پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ جس حدیث میں تین تین رکوع اور چار چار رکوع وغیرہ ہیں، وہ کل

جندب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ''صلی بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فی کسوف ، لا نسمع له صوتا'' کہ آپ ﷺ نے ہمیں سورج گہن کی نماز پڑھائی، ہم نے آپ کی آواز نہیں سنی۔ یعنی آپ ﷺ نے سرا قرائت کی۔ دوسری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے، اس میں ہے کہ ''ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی صلاة الكسوف ، وجهر بالقراءة فيها ''یعنی آپ ﷺ نے سورج گہن کی نماز پڑھائی اور اس میں جہرا قرائت کی۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اہل علم کا اختلاف ہے کہ سورج گہن کی نماز میں قرائت سری ہوگی یا جہری؟ بعض حضرات سر کے قائل ہیں اور بعض حضرات جہر کے، امام مالک امام احمد امام اسحاق (رحمہم اللہ) جہر کے قائل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ سر کے قائل ہیں۔

(ترمذی، باب ما جاء فی صلاة الکسوف ، کتاب الصلاة)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور قول بھی سر کا ہے، مگر ایک روایت آپ سے جہر کی بھی ہے۔ البتہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ جہر کے قائل ہیں۔

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ: فتوی صاحبین کے قول پر ہے کہ صلاۃ الکسوف میں قرائت بالجہر ہونی چاہئے۔ (توضیح السنن شرح آثار السنن ص۶۳۴ ج۲)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ:

متأخرین حنفیہ نے کہا ہے کہ: اگر مقتدی کے اکتا جانے کا اندیشہ ہوتو صلاۃ کسوف میں بھی جہر کیا جاسکتا ہے۔ (درس ترمذی ص۳۵۴ ج۲)

حضرت مولانا مفتی سلمان منصور پوری صاحب مدظلہم نے بھی لکھا ہے کہ:

اگر مقتدیوں کو اکتاہٹ سے بچانے کی غرض سے نماز کسوف میں جہری قرائت کی جائے تو اس میں حرج نہیں: ''ولا جهر، وقال ابو يوسف : يجهر وعن محمد روايتان'' شامی بیروت ۶۳/۳۔

(کتاب المسائل ص۴۶۷ ج۱)

حدیثیں مجروح اور قابل حجت نہیں، چنانچہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء محدثین سے ''نیل الاوطار'' میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ:

وحکی النووی عن ابن عبد البر انه قال : اصح مافی الباب رکوعان وما خالف ذلک فمعلل أو ضعیف ، وکذا قال البیهقی ، ونقل صاحب الهدي عن الشافعی واحمد والبخاری : انهم کانوا یعدون علی الرکوعین فی کل رکعة غلطا من بعض الرواة ، الخ ، وعن سمرة رضی الله عنه قال : صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی کسوف رکعتین ' لانسمع له فیها صوتا ، رواه الخمسة وصححه الترمذی۔

ترجمہ:......روایت ہے سمرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: نماز پڑھائی ہم کو رسول خدا ﷺ نے کسوف میں دو رکعتیں کہ نہیں سنتے تھے ہم اس میں آواز آپ ﷺ کی۔روایت کیا اس کو احمد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ نے، اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

ف:......اور اس حدیث کے تحت میں شوکانی نے لکھا ہے کہ: حدیث سمرہ رضی اللہ عنہ کو صحیح کہا ہے ابن حبان اور حاکم نے بھی۔

اور اسی باب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام شافعی اور ابی یعلی اور بیہقی کے نزدیک تین طرق سے مروی ہے:

قال : کنت الیٰ جنب رسول الله صلی الله علیه وسلم فی صلاة الکسوف ' فما سمعت منه حرفا من القراٰن۔

نیل میں اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ یہ حدیث اگر چہ ابن لہیعہ کے ذریعہ سے مروی ہونے کے باعث ضعیف ہے، لیکن جب ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کی حدیث صحیح متفق علیہ اوپر گذر چکی ہے تو پھر حدیث مذکورہ کا ضعف کچھ مضر نہیں ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ جہر سے قرائت پڑھنے میں صرف زہری ہی منفرد ہیں اور جمہور رواۃ اس کے خلاف ہیں، چنانچہ ''نیل الاوطار'' میں اس کا بھی ذکر ہے:

والزھری قد انفرد بالجھر ، وھو وان کان حافظًا فالعدد اولی بالحفظ من واحد ، قالہ البیھقی۔

اور جن لوگوں نے یہ تاویل کی ہے کہ شاید سمرہ لوگوں کے اخیر میں ہوں گے، لہٰذا انہوں نے نہیں سنا۔ تو علامہ شوکانی نے اس کے بعد اس کا بھی جواب دیا ہے کہ: جمع کرنا عائشہ رضی اللہ عنہا اور سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کو اس طرح پر کہ سمرہ اخیر صف میں ہوں گے، اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی قرائت نہ سنی تو اس تاویل کو ابن عباس کا قول رد کرتا ہے کہ میں پہلو میں رسول اللہ ﷺ کے تھا، اور میں نے آنحضرت ﷺ کی آواز نہ سنی۔ ان کی عبارت یہ ہے کہ:

وجمع بین حدیث سمرۃ وعائشۃ رضی اللہ عنھما بأن سمرۃ کان فی اخریات الناس ، فلھٰذا لم یسمع صوتہ صلی اللہ علیہ وسلم، ولکن قول ابن عباس : کنت الی جنبہ یدفع ذٰلک۔

پس ان حدیثوں اور اقوال محدثین سے ثابت ہوگیا کہ جناب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کا یہ مسئلہ بھی مدلل بدلیل قوی اور مستند بسند جلی ہے، فتامل۔

اور سوال ثانی کہ ہر رکعت میں مثل دیگر نوافل کے ایک ہی رکوع ہونے کی دلیل چاہئے، وہ یہ ہے:

عن سمرۃ والنعمان بن بشیر وعبد اللّٰہ بن عمر انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاّھا رکعتین ، کل رکعۃ برکوع ۔

ترجمہ:...... روایت ہے سمرہ اور نعمان بن بشیر اور عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہم) سے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کسوف شمس کی پڑھی دو رکعتیں، ہر رکعت ایک رکوع کے ساتھ۔

''نیل الاوطار'' میں لکھا ہے کہ: روایت کیا اس کو احمد اور نسائی اور ابوداؤد اور حاکم نے، اور صحیح کہا ہے اس کو ابن عبدالبر نے، اور لکھا ہے کہ: حدیث ابن عمر کی تخریج کی ہے ابوداؤد اور ترمذی نے بھی، اور رجال اس کے ثقات ہیں۔

اور دوسری حدیث یہ ہے:

وفي حديثه قبيصة الهلالي عنه صلى الله عليه وسلم قال : اذا رأيتم ذٰلک فصلّوها كأحدث صلاة صليتموها من المكتوبة۔

اور اس کے بعد شوکانی لکھتے ہیں کہ: حدیث قبیصہ کی تخریج کی ہے ابوداؤد اور نسائی اور حاکم نے، اور سکوت کیا ہے اس حدیث سے ابوداؤد اور منذری نے، اور رجال اس کے رجال صحیح کے ہیں۔

اور لکھا ہے کہ اسی باب میں ہے:

عن ابی بکرة عند النسائی : ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی رکعتین مثل صلاتکم هٰذه۔

ترجمہ:...... روایت کیا ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے نسائی نے کہ تحقیق نبی ﷺ نے نماز پڑھی دو رکعت مثل نماز تمہاری کے، یعنی جیسے دوسری نمازیں ہیں کہ ہر ایک رکعت کو ایک رکوع سے تم پڑھتے ہو اسی طرح نماز کسوف بھی پڑھی ہے۔

سوائے اس کے اور دلیلیں ''طحاوی'' اور ''عینی'' وغیرہ کتب حنفیہ میں بہت ہیں، مگر میں نے اس جگہ بسبب خوف طوالت کے نقل نہیں کیں، و نیز اس خیال سے نہیں بیان کیں تا کہ

کوئی کج فہم یہ کہنے لگے کہ ان حدیثوں کا کیا اعتبار ہے، کیونکہ اپنے ہی مذہب کی کتابوں سے رطب ویابس بیان کردی ہیں، لہٰذا ہم نے علماء محدثین کے اقوال نقل کئے ہیں، تاکہ یہ طعن بھی جاتا رہے، فتامل۔ باوجود اس کے علامہ شوکانی نیل میں فرماتے ہیں:

وقد احتج بهذه الاحاديث القائلون بان صلاة الكسوف ركعتان بركوع واحد كسائر الصلٰوات، وقد تقدم ذكرهم، وقد رجحت ادلة هذا المذهب باشتمالها على القول كما فى حديث قبيصة، والقول ارجح من الفعل۔

ترجمہ:...... حجت پکڑی ہے ساتھ ان احادیث کے ان لوگوں نے کہ جو قائل ہیں کہ نماز کسوف کی دو رکعتیں ہیں ایک رکوع کے ساتھ مثل باقی نمازوں کے، اوران کا ذکر پہلے گزر چکا، اوراس مذہب کے دلائل زیادہ راجح ہیں، اس وجہ سے کہ یہ دلائل قول پر مشتمل ہیں، جیسا کہ قبیصہ کی حدیث مذکور میں، اور قول فعل سے راجح ہوتا ہے، فافہم۔

غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے؟

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بعض محدثین وغیرہ قائل ہیں کہ کسی کے مرنے کی خبر آوے تو اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاوے، اور دلیل اس کی حدیث نجاشی والی مشہور ہے، اور احناف وغیرہ دیگر علماء قائل ہیں کہ غائبانہ جنازہ کی نماز علی العموم جائز نہیں۔ تو ان علماء کی کیا دلیل ہے؟ اور حدیث نجاشی کا کیا جواب ہے؟ وہ بیان فرمایئے، بینوا توجروا۔

الجواب:...... جو علماء احناف وغیرہم غائبانہ نماز علی المیت کا انکار کرتے ہیں وہ چند وجوہ سے حدیث نجاشی کا جواب دیتے ہیں:

ایک جواب یہ ہے کہ: نجاشی ایسے مقام پر تھا کہ کسی نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی، اور

اسی باعث سے خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ غائبانہ کسی جنازہ پرنماز نہیں کی جاوے،مگر جبکہ موت کسی کی ایسی زمین میں واقع ہووے کہ کسی نے اس پرنماز نہیں ادا کی ہو،اور مستحسن جانا ہے اس کو یعنی اس تاویل کو رویانی نے۔اور ابوداؤد نے ترجمۃ الباب ایسی تاویل پر باندھا ہے۔

اور علامہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اس تاویل کو محتمل فرمایا ہے،لیکن اتنا فرمایا ہے کہ: مجھ کو کوئی ایسی حدیث نہیں ملی،جس سے ثابت ہو کہ نجاشی پرنماز جنازہ اس کے شہر میں کسی نے نہ پڑھی ہو،انتہی۔مگر میں کہتا ہوں کہ: حافظ کا یہ کہنا کچھ مضر نہیں ہے،کیونکہ ان کا ناواقف ہونا دوسروں پر حجت نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح نجاشی پر کسی نے اس کے شہر میں نماز نہیں پڑھی یہ ثابت نہیں تو اس پر کسی نے نماز جنازہ پڑھی اس کا ثبوت بھی کہاں ہے؟ بلکہ جنازہ کی نماز اس پر نہ پڑھنے کا احتمال قوی ہے،کیونکہ کفرستان تھا اور غیر ملت کے لوگوں کا غلبہ تھا۔چنانچہ علامہ شوکانی نے اس کو بیان کیا ہے:

منها انه كان بأرض لم يصل عليه بها احد ، ومن ثم قال الخطابی : لايصلی علی الغائب الا اذا وقع موته بأرض ليس فيها من يصلی عليه ، واستحسنه الرويانی ، وترجم بذالک ابوداؤد فی السنن ، فقال : " باب الصلاة علی المسلم يليه اهل الشرک فی بلد اٰخر" قال الحافظ : وهذا محتمل الا انني لم اقف فی شئ من الاخبار انه لم يصل عليه فی بلده احد ، انتهٰی۔

اور اسی تاویل وتفصیل کو اختیار کیا ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور محقق مقبلی (رحمہما اللہ) نے،اور استدلال کیا ہے تفصیل کے واسطے اس حدیث سے کہ تخریج کی ہے طیالسی اور احمد

اورابن ماجہ اورابن قانع نے اور طبرانی اور ضیاء المقدسی نے ابی الطفیل سے، اور وہ روایت کرتے ہیں حذیفہ بن اُسید سے، تحقیق کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ: تمہارا بھائی مر گیا تمہاری غیر زمین میں، پس کھڑے ہوجاؤ پھر نماز پڑھو تم اس پر، چنانچہ ''نیل'' میں یہ عبارت ہے:

وممن اختار هذا التفصيل شيخ الاسلام ابن تيمية حفيد المصنف والمحقق المقبلى واستدل له بما اخرجه الطيالسى واحمد وابن ماجة وابن قانع والطبرانى وضياء المقدسى عن ابى الطفيل عن حذيفة ابن اسيد ان النبى صلى الله عليه وسلم قال ان اخاكم مات بغير ارضكم فقوموا فصلوا عليه۔

دوسرا جواب حدیث نجاشی کا علماء احناف وغیرہ یہ دیتے ہیں کہ:...... نجاشی کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا' یہاں تک کہ دیکھا آنحضرت ﷺ نے اس کو، لہٰذا حکم اس کا حکم حاضر کا ہوگیا، بلکہ حاضر ہی تھا، اگر چہ مقتدیوں نے نہ دیکھا، لیکن یہ ضرور نہیں کہ مقتدی بھی جنازہ کو دیکھیں صرف امام کے سامنے ہونا چاہئے، مگر اس تاویل پر یہ شبہ ہے کہ یہ صرف احتمال ہی احتمال ہے، اور احتمال سے مطلب ثابت نہیں ہوتا جب تک اس پر نقل نہ پائی جاوے، اور اس اعتراض کو بعض حنفیوں نے رد کیا ہے، بایں طور کہ احتمال کافی ہے مانع کی طرف سے اس جیسی صورت میں، لیکن ''نیل الاوطار'' میں ہے:

قال الحافظ : وكان مستند القائل بذلک ماذكره الواحدي فی اسباب النزول بغير اسناد : عن ابن عباس رضى الله عنه قال : كشف للنبى صلى الله عليه وسلم عن سرير النجاشي حتى راٰه وصلى عليه۔

یعنی حافظ نے فرمایا ہے کہ: سند اس قائل کی وہ حدیث ہے کہ ذکر کیا ہے اس کو واحدی نے اسباب نزول میں بغیر سند کے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: منکشف ہوگیا تھا جنازہ

نجاشی کا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے دیکھا اس کو اور اس پر نماز پڑھی، اسی طرح ابن حبان نے روایت کیا ہے:

عن عمران بن حصين فقاموا وصفوا خلفه وهم لايظنون الا ان جنازته بين يديه۔

یعنی عمران بن حصین (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ صحابہ کھڑے ہوئے اور صف باندھی پیچھے آنخضرت ﷺ کے اور حضرت ﷺ نے نماز پڑھی اس پر یعنی نجاشی پر، درانحالیکہ صحابہ نہیں گمان کرتے تھے، مگر یہ کہ جنازہ آنخضرت ﷺ کے سامنے ہے۔

اور اسی طرح ابو عوانہ نے روایت کیا ہے ابان وغیرہ کے طریق سے:

عن يحي فصلينا خلفه ونحن لانرى الا ان الجنازة قدامنا۔

یعنی روایت ہے یحیٰ سے کہ: ہم نے نماز پڑھی حضرت ﷺ کے پیچھے اور ہم نہیں گمان کرتے تھے مگر یہ کہ جنازہ ہمارے آگے ہے۔

اور تیسرا جواب حدیث نجاشی کا یہ ہے کہ:...... غائبانہ نماز پڑھنا یہ حکم خاص نجاشی کے واسطے وقوع میں آیا، کیونکہ حضرت ﷺ سے کہیں ثابت نہیں ہوا ہے کہ حضرت ﷺ نے نجاشی کے سوا کسی اور میت غائب پر نماز پڑھی ہو۔ یعنی علی العموم ہر غائب میت پر نماز ادا کرنی درست ہوتی تو حضرت ﷺ کسی اور غائب پر بھی پڑھتے، مگر کسی غائب پر پڑھنا سوائے نجاشی کے حضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ خاصہ نجاشی کا تھا نہ غیر کا،

اگر کوئی کہے کہ نجاشی کے سوا دوسرے صحابہ کے واسطے بھی ثابت ہے، چنانچہ کتب احادیث میں موجود ہے کہ حضرت ﷺ تبوک میں تھے، اور معاویہ بن معاویہ صحابی مدینہ میں تھے، اور مدینہ میں مر گئے، تو حضرت ﷺ نے اس پر غائبانہ نماز پڑھی ہے۔ پس اب خصوصیت نہیں ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: قصہ معاویہ ابن معاویہ کا زیادہ تر ضعیف اور زیادہ کمزور ہے مکڑی کے گھر سے، محدثین محققین نے ضعیف بلکہ موضوع ''لا اصل لہ'' کہہ دیا ہے۔ چنانچہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نیل الاوطار'' کی جلد ثالث کے صفحہ: ۳۸۰؍میں بیان فرمایا ہے: ''قال الذهبی : لا نعلم فی الصحابة معاوية بن معاوية ''یعنی ذہبی نے کہا کہ: ہم نہیں جانتے معاویہ بن معاویہ کو صحابہ میں سے، اور اسی طرح بخاری نے اس میں کلام کیا ہے ''نیل'' میں ہے: ''وکذلک تکلم فیه البخاری ''اور ابن القیم نے کہا: نہیں صحیح ہے حدیث معاویہ ابن معاویہ پر غائبانہ نماز پڑھنے میں، کیونکہ اس کے اسناد میں علاء بن یزید ہے، اور ابن مدینی نے کہا ہے کہ وہ حدیث بناتا تھا، الخ، اور وہ عبارت یہ ہے:

وقال ابن القیم : لایصح حدیث صلاته صلی الله علیه وسلم علی معاویة بن معاویة ، لان فی اسناده العلاء بن یزید ، قال ابن المدینی : کان یضع الحدیث الخ۔

پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ حنفی مذہب کے مسئلہ غائبانہ میت پر نماز پڑھنے کی یہ دلیلیں ہیں، اور ان دلیلوں پر جو جو اعتراضات وارد ہوتے تھے وہ اور ان کے جوابات سب بالتفصیل بیان کردیئے گئے، اور اس سے زیادہ تفصیل کی خواہش ہو تو طحاوی اور عینی حاشیہ ہدایہ اور شرح بخاری وغیرہ کتب حنفیہ میں دیکھ لو۔ فتأمل۔[۱]

دفن کے بعد قبر پر تلقین کی حیثیت

سوال: ...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بعض کتب حنفیہ میں بعد دفن مردے کی

[۱] ...... اس موضوع پر راقم نے ایک تفصیلی رسالہ ''غائبانہ نماز جنازہ'' کے نام سے لکھا ہے: جو ''مرغوب الفتاوی'' ص ۲۲۴ ج ۲؍میں اور ''مرغوب الرسائل فی عمدۃ المسائل'' ص ۳۲۶ ج ۱؍میں اور مرغوب الفقہ ص ۶۲ ج ۴؍میں شائع ہو چکا ہے۔ مرغوب احمد

قبر پر تلقین کرنے کو لکھا ہے، اس کی کوئی دلیل صحابہ یا تابعین وغیرہ صلحا سے ثابت ہے یا نہ؟
بینوا توجروا۔

الجواب:...... کتاب ''منتقی''، متن ''نیل الاوطار'' اور ''بلوغ المرام'' وغیرہ میں حدیث تلقین کے ثبوت میں واقع ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ اور تابعین اس کو مستحب جانتے تھے، بلکہ اس بارے میں ایک حدیث مرفوع بھی ''نیل الاوطار'' وغیرہ میں مذکور ہے، گو بعض محدثین نے اس کو ضعیف لکھا ہے، مگر ضعیف حدیث فضائل اعمال میں حجت ہے:

وعن راشد بن سعد وضمرة بن حبيب وحكيم بن عمير قالوا : اذا سوى على الميّت قبره وانصرف الناس عنه كانوا يستحبون ان يقال للميّت عند قبره : يا فلان قل " لا اله الا اللّٰه اشهد ان لا اله الاّ اللّٰه " ثلاث مرات ، يا فلان قل " ربي اللّٰه وديني الاسلام ونبيّ محمدصلى الله عليه وسلم " ثم ينصرف ، رواه سعيد فى سننه۔

ترجمہ:...... روایت ہے راشد بن سعد اور ضمرۃ بن حبیب اور حکیم بن عمیر سے کہا انہوں نے: جب قبر برابر کی جاوے اور لوگ اس سے لوٹ جاویں تو مستحب جانتے تھے (صحابہ) کہ کہا جاوے میت کے واسطے قبر کے پاس: اے فلاں بن فلاں کہہ تو ''میرا رب خدا ہے اور دین میرا اسلام ہے اور نبی میرے محمد ﷺ ہیں'' پھر واپس ہو جاوے۔ روایت کیا اس کو سعید نے اپنی سنن میں۔

ف:...... یہ تینوں راوی حدیث کے کل قدماء تابعین میں سے ہیں، اور اس حدیث سے مشروعیت استغفار کی میت کے واسطے بھی ثابت ہوئی میت کے دفن کرنے کے بعد، اور اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ طلب ثبات قدمی یعنی میت کا ثابت قدم رہنا قبر میں وقت سوال منکر ونکیر کے، کیونکہ وہ میت قبر میں اس وقت سوال کیا جاتا ہے اور حدیث میں

ہے"کانوا یستحبون "ظاہراس سے یہ ہے کہ مستحب جانتے تھے اس کو صحابہ اور اس کے استحباب کی طرف شافعی بھی گئے ہیں، کذا فی النیل :

وقد روی نحوہ مرفوعا من حدیث ابی امامة عند الطبرانی وعبد العزیز الحنبلی فی الشافی انہ قال : اذا أنا مت فاصنعوا بی کما امرنا رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نصنع بموتانا ، امرنارسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال:" اذا مات احد من اخوانکم فسویتم التراب علی قبرہ ، فلیقم احدکم علی رأس قبرہ ، ثم یقل" یا فلان بن فلا نة ' فانہ یستوی قاعدا ' ثم یقول" یا فلان ابن فلا نة " فانہ یقول" ارشدنا یرحمک اللّٰہ " ولکن لا تشعرون، فلیقل: اذکر ماخرجت علیہ من الدنیا فیشھد ان لا الٰہ الاّ اللّٰہ وان محمدًا عبدہ ورسولہ ، وانک رضیت باللّٰہ ربّا وبالاسلام دینا وبمحمدٍ نبیا وبالقراٰن امامًا ، فان منکرا ونکیرا یاخذ کلّ واحد بید صاحبہ ، ویقول انطلق بنا مایقعد عند من لقن حجتہ " فقال رجل : یا رسول اللّٰہ ! فان لم یعرف امہ ؟ قال :" ینسبہ الی اُمّہ حوّاء یا فلان بن حواء " قال الحافظ فی التلخیص : واسنادہ صالح ، وقد قواہ الضیاء فی احکامھا ، الخ۔

ترجمہ:......مرفوعاً روایت کیا طبرانی نے ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے اور عبدالعزیز الحنبلی نے شافی میں کہ: تحقیق جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ کروتم جیسا کہ امر کیا ہے ہم کو رسولِ خدا ﷺ نے ہمارے موتی کے بارے میں۔ پس فرمایا حضرت ﷺ نے: جبکہ مرجاوے کوئی بھائی تمہارا تو برابر کروتم اس کی مٹی کو قبر پر، پھر کھڑا ہو کوئی تم میں سے اس کی قبر کے سرہانے، پھر کہے یا فلان بن فلانہ! تو مردہ بیٹھ جاتا ہے، پھر کہے اے فلاں بن فلانہ! تو مردہ کہتا ہے: ہم کو راستہ دکھلا تجھ پر رحم کرے خدا، لیکن تم نہیں جانتے ہو، پھر چاہئے کہ کہے یاد کر اس چیز کو کہ نکلا تو دنیا سے، اس پر وہ گواہی دے گا اس بات کی کہ: نہیں ہے کوئی معبود

سوائے خدا اور تحقیق کہ محمد (ﷺ) بندہ اور رسول اس کے ہیں، اور تحقیق کہ تو راضی ہے اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے ساتھ دین ہونے پر اور محمدﷺ کے ساتھ نبی ہونے پر اور قرآن کے ساتھ امام ہونے پر، پس تحقیق کہ منکر اور نکیر پکڑتے ہیں ایک دوسرے کے ہاتھ کو اور کہتے ہیں کہ چلو ہم نہیں بیٹھتے اس شخص کے پاس جس کو اس کی حجت تلقین کی جاوے، پس کہا ایک رجل نے: یا رسول اللہ! پھر اگر نہ معلوم ہو ماں میّت کی؟ تو فرمایا حضرت ﷺ نے: نسبت کرے اس کی ماں حوّا کی طرف بایں طور کہ کہوے یا فلاں بن حوّا۔ حافظ نے کہا تلخیص میں کہ اسناد اس کی صالح ہے یعنی عمل کے قابل ہے۔ اور علامہ ضیا نے تائید کی اس کی اپنے احکام میں، الخ۔ اسی طرح شوکانی نے جلد ثالث ''نیل الاوطار'' کے صفحہ:۳۳۲/میں بیان فرمایا ہے۔ پس اس تقریر سے ثابت ہوا کہ جو بعض کتب حنفی میں تلقین کا ذکر ہے، ماخذ اس کا یہ حدیث مرفوع اور آثار صحابہ اور تابعین مذکورہ ہیں، فقط۔

جو زیور سونے' چاندی کا استعمال کے لئے ہے' اس میں زکوۃ فرض ہے؟

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں جو زیور سونے اور چاندی کا پہننے اور استعمال کا ہے اس میں زکوۃ واجب یعنی فرض ہے، مثل اس زیور کے جو تجارت کے واسطے ہو، اور دوسرے مذاہب والے مثلاً غیر مقلدین وغیرہ کے نزدیک جو زیور استعمال اور پہننے کے واسطے ہو اس میں زکوۃ فرض نہیں ہے۔ لہٰذا جناب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق کوئی حدیث صحیح وارد ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:......صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ زکوۃ کا واجب ہونا چاندی اور سونے میں علی العموم ہے، اور زیور جو سونے چاندی کا ہووے خواہ تجارت کے واسطے ہو یا استعمال اور پہننے

کے واسطے ہو بہرحال وہ زیور سونے چاندی سے خارج نہیں ہے، پھر کیوں زیور تجارت میں زکوٰۃ ہو اور استعمال اور پہننے کے زیور میں نہ ہو؟ کیا وہ زیور کہ پہننے اور استعمال کا ہووے وہ سونے اور چاندی سے نکل گیا؟ جس کو ذرا بھی علم کا مادہ ہوگا وہ ایسے اعتقاد و عمل سے باز آئے گا۔ باوجودیکہ احادیث صحیحہ اس بارے میں موجود ہیں، پس عقل و نقل سے یہ مسئلہ امام صاحب کا ثابت ہے، اور وہ حدیث یہ ہے:

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده : ان امراة اتت النبی صلی الله علیه وسلم ومعها ابنة لها وفی ید ابنتها مسکتان من ذهب ، فقال لها أتعطین زکوٰة هذا ؟ قالت لا ، قال : ایسرّک ان یسورک اللّٰه بهما یوم القیٰمة سوارین من نار؟ فالقتهما ، رواه الثلا ثة واسناده قوی ، وصححه الحاکم من حدیث عائشة۔

ترجمہ:......اور روایت ہے عمرو بن شعیب سے اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے اور شعیب عمرو کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ: ایک عورت آئی حضرت ﷺ کے پاس اور اس کے ہمراہ ایک اس کی بیٹی تھی، اور ہاتھ میں اس کی بیٹی کے دو کنگن سونے کے تھے، تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: کیا دیتی ہے تو اس کی زکوٰۃ؟ تو عورت نے کہا نہیں (یعنی اس کی زکوٰۃ نہیں دیتی ہوں) تو حضرت ﷺ نے فرمایا: کیا تجھ کو پسند ہے یہ بات کہ پہنا دے تجھ کو خدا بدلے ان دونوں کے قیامت کے روز دو کنگن آگ کے؟ پس اس عورت نے دونوں کنگن پھینک دیئے۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی نے اور اسناد اس حدیث کی قوی ہے، اور صحیح کہا ہے اس کو حاکم نے، اور روایت کیا ہے اس کو حافظ نے ''بلوغ المرام'' میں:

وعن ام سلمة رضی اللّٰه عنه انها کانت تلبس اوضاحا من ذهب ، فقالت :

یارسول اللّٰہ ! أکنزھو ؟ قال : اذا ادیت زکٰوته فلیس بکنز ، رواہ ابو داؤد والدار قطنی وصححه الحاکم۔

ترجمہ:...... روایت ہے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہرآئینہ وہ پہنا کرتی تھیں ہار یعنی گلو بند سونے کا، تو کہا: یارسول اللہ ﷺ کیا یہ کنز ہے؟ فرمایا رسولِ خدا ﷺ نے جب اس کی تو زکوٰۃ ادا کرے تو پھر یہ کنز نہیں رہتا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور دارقطنی نے اور صحیح کہا ہے اس کو حاکم نے۔ اس کی بھی تخریج ''بلوغ المرام'' میں علامہ حافظ نے کی ہے۔

ف:...... پس ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ سونے چاندی کے زیور میں فرض ہے، اور امام صاحب کی یہ دلیلیں ہیں، اور اس کے سوا اس کی اور بھی دلیلیں ہیں جو علامہ طحاوی وغیرہ نے نقل کی ہیں، جس کو منظور ہو ملاحظہ کرلیوے، اور یہ رسالہ مختصر ہے، لہٰذا انہیں حدیثوں پر قناعت کی جاتی ہے۔ اور مراد کنز سے حدیث مذکور میں وہ کنز ہے جس کو قرآن مجید کے واعلموا کے پارے میں خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ ﴾ الخ، میں ﴿ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴾ یعنی جس کنز پر وعید نازل ہوئی ہے، پس جب حضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ یہ ہار اور گلوبند وہ کنز ہے جس پر وعید واقع ہوئی ہے؟ تو حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب تو اس کی زکوٰۃ ادا کرے تو پھر یہ وہ کنز نہیں ہے۔

یہاں سے واضح ہوا کہ جو لوگ پہننے کے زیور کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وہ بیشک اس وعید کے مستحق ہونے میں اور عار کے واسطے مار قبول کرتے ہیں اور از روئے تعصّب اور ہٹ دھرمی کے جیسے اور مسائل میں جناب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بدنام کرتے ہیں، اسی طرح اس مسئلہ میں بھی دیدہ ودانستہ بدنام کرتے ہیں، اللّٰھم عافنا من شر سوء الظن۔

قربانی کے تین دن ہیں یا چار؟

سوال:......کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین زادکم اللہ تعالیٰ شرفاً وتعظیماً لدیہ، اس صورت میں کہ حنفی مذہب میں قربانی کرنے کی مدت بعد یوم النحر کے دو روز ہیں، اور غیر مقلدین وغیرہم کے نزدیک بعد یوم النحر کے تین روز ہے، یعنی حنفی مذہب میں بارہویں تاریخ ذی الحجہ کو قربانی کو تمام کرے، اور غیر مقلّدین وغیرہم کے نزدیک تیرہویں تاریخ کو پوری کرے، تو دلیل ہر ایک کی کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نقول وبہ نستعین ......واضح ہو کہ غیر مقلدین وغیرہم جو دعویٰ کرتے ہیں کہ قربانی کرنے کی مدت دسویں گیارہویں بارہویں تیرہویں تک ہے، یعنی جو وقت تکبیرات کے واسطے ایام تشریق کے ہیں وہی ایام قربانی کے ہیں۔ دلیل اس کی یہ حدیث ہے:

وعن سلیمان بن موسٰی عن جبیر بن مطعم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: کل ایام التشریق ذبح، رواہ احمد، وھو للدار قطنی من حدیث سلیمان بن موسی عن عمرو بن دینار وعن نافع بن جبیر عن جبیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوہ، رواہ فی المنتقی۔

ترجمہ:...... روایت ہے سلیمان بن موسی سے یہ روایت کرتے ہیں جبیر بن مطعم سے یہ روایت کرتے ہیں: نبی ﷺ سے فرمایا کہ: تمام ایام تشریق میں قربانی کرنا ہے۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔ اور دار قطنی میں یہ حدیث سلیمان بن موسی سے مروی ہے اور یہ روایت کرتے ہیں عمرو بن دینار سے اور نافع بن جبیر سے اور یہ روایت کرتے ہیں جبیر سے اور یہ نبی ﷺ سے مثل حدیث مذکور کے۔

ف:......علامہ شوکانی ''نیل'' میں فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث جبیر بن مطعم کی روایت کی ہے

ابن حبان نے اپنی صحیح میں، اور بیہقی نے، اور اس کی اسناد میں اختلاف بیان کردیا ہے، اور ابن عدی نے روایت کی ہے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی، اور اس کی اسناد میں معاویہ بن یحیی صدفی ہے، اور وہ ضعیف ہے، اور ابن ابی حاتم نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے حدیث ابو سعید سے اور اپنے باپ سے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''ہدی'' میں فرمایا ہے کہ: حدیث جبیر بن مطعم کی منقطع ہے اتصال اس کا ثابت نہیں ہے، اور وہ عبارت یہ ہے:

حديث جبير بن مطعم اخرجه ابن حبان في صحيحه ، والبيهقي ' وذكر الاختلاف في اسناده ، ورواه ابن عدى من حديث ابى هريرة ، وفي اسناده معاوية بن يحى الصدفي وهو ضعيف ، وذكره ابن ابى حاتم من حديث ابى سعيد وذكر عن ابيه انه موضوع ، قال ابن القيم : فى الهدى ان حديث جبير بن مطعم منقطع لا يثبت وصله۔

اگر کوئی کہے کہ بعض علماء نے اس کا وصل ثابت کیا ہے۔ چنانچہ ''نیل'' میں اس کی تصریح ہے، لہٰذا استدلال اس حدیث سے صحیح ہے۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ: اصول حدیث کا قاعدہ اشد انکار کرتا ہے اس حدیث کے حجت ہونے کا۔ اور کیسے حجت ہوسکتی ہے، حالانکہ محدثین محققین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو موضوع تک کہہ دیا ہے؟ چنانچہ اوپر قول ابن ابی حاتم کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے ظاہر ہے۔ اور قاعدہ اصول کا یہ ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، پھر کیونکر غیر مقلدین وغیرہم کا حجت پکڑنا صحیح ہوا؟ فتدبر۔

اور حدیث جبیر بن مطعم کے سوا دوسری حدیثیں اور آثار ''نیل'' وغیرہ میں اس بارے

میں منقول ہیں، مگر وہ سب مجروح اور مطعون ہیں، لائق حجت پکڑنے کے ایک بھی نہیں ہے، اور جناب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قربانی کی مدت یوم النحر عید کا روز ہے، اور بعد عید کے دو روز ہیں، یعنی گیارہویں بارہویں، دلیل اس کی نواب صدیق الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے ''روضۃ الندیہ'' میں لکھی ہے مؤطا سے:

وفی المؤطا عن ابن عمر رضی اللہ عنہ: الاضحٰی یومان بعد یوم الاضحٰی، ومثل ذلک عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، وعلیہ الحنفیۃ۔

ترجمہ:......یعنی ''مؤطا'' میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: قربانی دو روز ہے بعد یوم الاضحیٰ کے، اور مثل اسی کے مروی ہے جناب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے، اسی پر علماء احناف ہیں۔ اور شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نیل'' میں لکھا ہے:

وقال ابو حنیفة ومالک واحمد: ان وقت الذبح یوم النحر ویومان بعده۔

یعنی فرمایا ابوحنیفہ اور مالک اور احمد رحمہم اللہ نے کہ: وقت ذبح یعنی قربانی کا یوم النحر ہے اور دو روز بعد اس کے۔

قال النووی: وروی ھذا عن عمربن الخطاب وعلي وابن عمر وانس رضی اللہ عنھم۔

یعنی ''نیل'' میں ہے کہ کہا نووی رحمۃ اللہ علیہ نے: روایت کی گئی یہ عمر بن الخطاب سے اور علی اور ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم سے۔

وحکی ابن القیم عن احمد انه قال: ھو قول غیر واحد من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ وسلم۔

اور بیان کیا ابن القیم نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے تحقیق کہ انہوں نے کہا کہ: یہ قول اکثر

صحابہ رسول خدا ﷺ کا ہے۔

پس جبکہ مثل مذہب حنفی کے قول اکثر صحابہ کا ہوا، خاص کر جناب امیر المومنین عمر اور علی رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے، اور کسی صحابی کا انکار اس پر منقول نہیں تو یہ عمل قوی اور قابل ترجیح ہوگا، کیونکہ یہ صحابہ کی جماعت مشہود بالخیر ہے، اور اگر حضرت ﷺ سے اس کے خلاف عمل روایت ہوکر ثبوت کو پہونچا ہوتا تو ہرگز ہرگز یہ جماعت صحابہ کی حضرت ﷺ کے فرمودہ کے خلاف عمل نہیں کرتے۔

اب جو لوگ بطور تعصب کے اس بارے میں امام صاحب کے مذہب پر طعن کریں وہ طعن مردود وغیر مقبول ہے، فتامل۔

غرض تحریر رسالہ

تنبیہ:......ناظرین منصفین کی خدمت میں ہیچمدان خاکسار قاضی رحمت اللہ کی یہ عرض ہے کہ: اس رسالہ میں اور اس سے پہلے رسالوں میں میری غرض تحریر سے فقط یہ ہے کہ جو متعصبین طعن کرتے ہیں کہ حنفی مذہب کے اکثر مسئلے بلا دلیل حدیث کے ہیں، بلکہ بعض مسئلے تو حدیث صحیح وصریح کے خلاف ہیں اور فقط رائے کے ڈھکوسلے ہیں۔ لہٰذا جن مسئلوں کو حدیث کے خلاف بتلاتے ہیں اور بے علم بے فہم لوگوں کو سبز باغ دکھاتے ہیں اور اپنے آپ کو حقانیت پر اور حنفی مذہب کو گمراہی پر خیال کرتے ہیں اور سیدھے سادھے مسلمانوں کو بہکا کے تشویش میں ڈالتے ہیں۔ میں نے ان کو باحادیث صحیحہ اور حسنہ کے مدلل ومبرہن کر کے بیان کردیا۔ ونیز دیگر احادیث صحیحہ حسنہ بذاتہا اور بغیرہا موجود ہیں اور مدعین متعصبین کے ادلہ احادیث وغیرہ میں بہت گفتگو اور کلام ہے۔ لیکن یہ مختصر رسالہ اس دقیق وطویل کلام کو برداشت نہیں کرسکتا ہے، اور چونکہ یہ رسالہ عام فہم اردو زبان میں لکھا گیا ہے، لہٰذا وہ سب گفتگو فروگذاشت کردی گئی، اور جن اصحاب کو اس سے زیادہ تحقیق منظور ہو تو کتب احادیث متداولہ مقلدین وغیر مقلدین محققین منصفین وغیر متعصبین کو ملاحظہ فرمالیں

اب میں رسالہ کو ختم کرتا ہوں ایک ضروری مسئلہ کثیر الوقوع پر، اور وہ مسئلہ بعد نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ہے، جس کو علماء احناف اور غیر مقلدین بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں، اور سب نے اپنے اپنے دستخط اس پر کردیئے، اور مستحب ثابت کردیا ہے، وہ مسئلہ بعینہا نقل کر کے پیش نظر ناظرین کئے دیتا ہوں، چونکہ وہ زبان فارسی میں ہے اور عوام اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں، لہٰذا اس کا ترجمہ اردو زبان میں خاکسار نے کردیا ہے، تاکہ سمجھنے میں دقت نہ ہو، اور اس کا اجر عنداللہ چاہتا ہوں۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل، نعم المولیٰ ونعم النصیر

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

استفسار:......کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا دعا میں بعد ادائے نماز کے جیسا کہ معمول اماموں کا ہے، احادیث قولیہ یا فعلیہ سے ثابت ہے یا نہ؟ ہر چند کہ اس کو فقہاء مستحسن لکھتے ہیں، اور احادیث سے مطلق دعا میں ہاتھوں کا اٹھانا ثابت ہے، لیکن اس بارے میں خاص طور پر بھی کوئی حدیث وارد ہے یا نہ؟،

الجواب:......ایک حدیث وارد ہے، چنانچہ حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن اسحاق بن السنی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''عمل الیوم واللیلۃ'' میں لکھا ہے:

حدثني احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحاق يعقوب بن خالد بن يزيد اليالسی حدثنا عبد العزيز بن عبد الرحمٰن القرشي عن حصيف عن انس عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه قال: ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلٰوة ' ثم يقول : " اللّٰهم الهی واله ابراهيم واسحاق ويعقوب ' واله جبريل وميكائيل واسرافيل ' اسئلک ان تستجيب دعوتی فانی مضطر ' وتعصمني في ديني فانی مبتلی ' وتنالنی برحمتک فانی مذنب ' وتنفی عني الفقر فانی متمسكن " الاكان حقا علی اللّٰه عزوجل ان لا يرد يديه خائبين۔

اگر یوں کہا جائے کہ اس روایت کی سند میں عبد العزیز بن عبد الرحمٰن ہے اور وہ متکلم فیہ ہے، چنانچہ ''میزان الاعتدال'' وغیرہ میں مصرح ہے، تو کہا جائے گا کہ حدیث ضعیف اثبات استحباب کے واسطے کافی ہے، چنانچہ ابن ہمام ''فتح القدیر'' کے ''کتاب الجنائز'' میں لکھتے ہیں: **والاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع ، انتهٰی، واللّٰه اعلم۔**

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

یہ جواب صحیح اور یہ رائے قوی ہے، اور تائید کرتی ہے اس کی وہ حدیث جس کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے اسود العامری سے اور وہ اپنے باپ سے:

قال صليت مع رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم الفجر فلما سلّم انحرف ورفع يديه ودعا ، الحديث۔

پس ثابت ہوا بعد نماز مفروضہ کے ہاتھوں کا اٹھانا دعا میں سید الانبیاء اور پیشوائے اتقیا ﷺ سے، چنانچہ علماء از کیا پر پوشیدہ نہیں ہے۔حررہ السّید شریف حسین عفا اللہ فی الدارین

سید شریف حسین حسبنا اللہ حفیظ اللہ محمد عبدالرب سیّد احمد حسین سیّد محمد نذیر حسین

جیسا کہ حدیث سے جو جواب میں مذکور ہوئی ہے رفع یدین بعد نماز کے دعا میں ثابت ہے، اسی طرح اس حدیث سے کہ ابن ماجہ قزوینی میں مرقوم ہے۔ اس سے بھی ثابت ہے۔

حدثنا ابو بكر ابن ابى شيبة ثنا شبابة بن سوار ثنا شعبة حدثنى عبداللّٰه بن سعيد عن انس بن أبي انس عن عبداللّٰه بن نافع بن العمياء عن عبداللّٰه الحارث عن المطلب يعنى ابن ابى وداعة قال : قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم : صلاة الليل مثنى مثنى وتشهد في كل ركعتين وتخشع و تضرع وتمسكن وتقنع وتقول اللّٰهم اغفرلي، فمن لم يفعل ذٰلک فهى خداج قوله تقنع من باب الافعال أى ترفع يديک بعد الصلٰوة وقت الدعاء،

تقریر مولانا ومرشدنا حاجی الحرمین الشریفین المہاجر فی سبیل اللہ تعالیٰ محمد اسحاق المشهور فى الافاق المحدث الدهلوى مولداً والمكى مضجعا غفر الله لي وله طاب الله ثراه وجعل الجنة مثواه کی:

ومنہ حدیث: ''الدعاء تقنع يديک اى ترفعها الى اللّٰه بالدعا'' مجمع البحار، لیکن اس حدیث کے اسناد میں عبداللہ بن نافع بن العمیاء ہے، اور یہ مجہول ہے، چنانچہ ''تقریب''

میں مرقوم ہے ''مجهول من الثالثة'' لیکن جہالت راوی سے حدیث موضوع نہیں ہوتی ہے، البتہ ضعیف ہوتی ہے، اور عمل کرنا حدیث ضعیف کے ساتھ فضائل اعمال میں جائز ہے اتفاقاً، چنانچہ ملا علی قاری نے رسالہ ''فضل شعبان'' میں لکھا ہے:

قلت : جهالة بعض الرواة لا تقتضي كون الحديث موضوعا ، وكذا نكارة الالفاظ فينبغي ان يحكم بانه : ضعيف ثم يعمل بالضعيف في فضائل الاعمال اتفاقا،

ودر بعضے احکام عمل بحدیث ضعیف جائز ہے بعضوں کے نزدیک، اس وقت کہ اس میں احتیاط ہووے، چنانچہ ''شامی'' میں مسطور ہے:

قال السيوطي : ويعمل به ايضا في الاحكام اذا كان فيه احتياط۔

اور جبکہ رفع یدین وقت دعا کے مطلقاً حدیث صحیح سے ثابت ہے، لہٰذا عمل کرنا حدیث ضعیف مذکور کے ساتھ جائز ہے، اور جس وقت اعتقاد سنیت عمل کا نہ ہو، بلکہ استحباب کا ہو تو بھی عمل حدیث ضعیف کے ساتھ جائز اور صحیح ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ حدیث ضعیف شدید ضعیف نہ ہو، یعنی کذاب اور متہم بالکذب نہ ہو گو، مجہول ہو، چنانچہ ''درمختار'' میں مذکور ہے:

شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه وان يدخل تحت اصل عام وان لايعتقد سنية ذٰلك الحديث۔

اور شامی میں مسطور ہے: شديد الضعف هو الذي لا يخلو طريق من طرقه عن كذاب أو متهم بالكذب قاله ابن حجر۔

اور شامی میں ہے: ''اي سنية العمل به'' پس اس سے معلوم ہوا کہ عمل کرنا حدیث ضعیف مذکور کے ساتھ استحباب ثابت کرنے کے لئے جائز ہے، اس واسطے کہ حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہوتا ہے چنانچہ مجیب نے اپنے جواب میں لکھا ہے۔ فقط محمد عالم